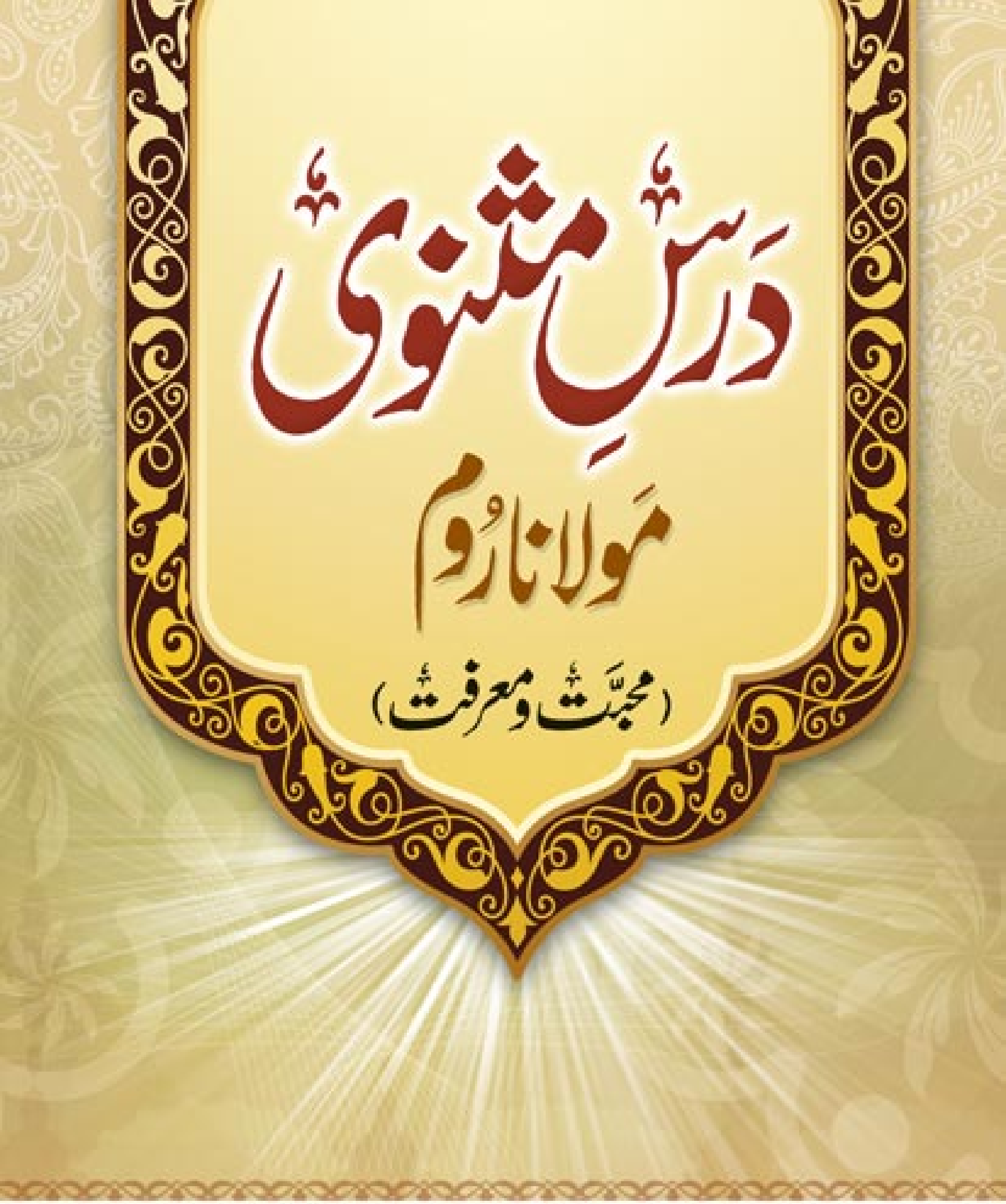

درسِ مثنوی

مولانا رُوم

(محبت و معرفت)

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

درسِ مثنوی مولانا روم

(محبت و معرفت)

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر:
کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال، بلاک ۲۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲ پوسٹ کوڈ ۷۵۳۰۰، کراچی

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو مَیں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : درسِ مثنوی مولانا رُوم (محبت و معرفت)
مدرس : عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مرتب : حضرت سید عشرت جمیل میرؔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ اشاعت : ۲/ جمادی الثانی ۱۴۳۷؁ھ مطابق ۱۳/ جنوری ۲۰۱۶؁ء بروز بدھ
زیرِ اہتمام : شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی
پوسٹ بکس:11182 رابطہ:92.21.34972080+، 92.316.7771051
ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com
ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان خانقاہ امدادیہ

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

بشارتِ عظمیٰ ۶
عرضِ مرتّب ۷
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۱
۱۵/ شعبانُ المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۱۶/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروزِ سہ شنبہ (منگل) ۱۱
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۷
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز چہار شنبہ ۱۷
مجلسِ درسِ مثنوی ۳۲
۲۱/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۲/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز دوشنبہ ۳۲
مجلسِ درسِ مثنوی ۳۶
۲۳/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۴/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز بُدھ ۳۶
مجلس درس مثنوی ۴۴
۲۴/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۵/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز جمعرات ۴۴
مجلس درس مثنوی ۵۱
۲۵/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۶/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز جمعہ ۵۱
مجلسِ درسِ مثنوی ۵۵
۲۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۷/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز ہفتہ ۵۵
مجلسِ درسِ مثنوی ۶۴
۲۷/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۸/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز اتوار ۶۴
مجلسِ درس مثنوی ۷۲
۲۸ / شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۹ / دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروزدوشنبہ بعد نماز فجر .. ۷۲
مجلسِ درسِ مثنوی ۷۶
۲۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۳۰/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز سہ شنبہ (منگل) .. ۷۶
مجلس درس مثنوی ۸۲
۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۸؁ھ بمطابق یکم جنوری ۱۹۹۸؁ء برو ز جمعرات ۸۲
مجلس درس مثنوی ۱۰۱

۴؍رمضان المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۳؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز ہفتہ ۱۰۱
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۰۷
۷؍رمضان المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۶؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز سہ شنبہ ۱۰۷
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۲۷
۹؍رمضان المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۸؍جنوری ؁۱۹۹۸ء، بروز جمعرات ۱۲۷
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۴۲
۱۱؍رمضان المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۰؍جنوری ؁۱۹۹۸ء ۱۴۲
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۵۱
۱۲؍رمضان المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۱؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز یکشنبہ (اتوار)... ۱۵۱
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۷۵
۱۳؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز دوشنبہ ۱۷۵
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۸۷
۱۴؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۳؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز منگل ۱۸۷
مجلسِ درسِ مثنوی ۱۹۹
۱۵؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز چہار شنبہ ۱۹۹
مجلسِ درسِ مثنوی ۲۰۷
۱۶؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۵؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز جمعرات..... ۲۰۷
مجلسِ درسِ مثنوی ۲۱۸
۱۸؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۷؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز ہفتہ ۲۱۸
مجلسِ درسِ مثنوی ۲۳۰
۱۹؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۸؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز اتوار ۲۳۰
مجلسِ درسِ مثنوی ۲۳۹
۲۰؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز دوشنبہ....... ۲۳۹
مجلسِ درسِ مثنوی ۲۴۷
۲۱؍رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۲۰؍جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز منگل ۲۴۷

◆ ◆ ◆ ◆

بشارتِ عظمیٰ

مناظرِ دیوبند حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے سید ثروت حسین صاحب نے جو مرشدنا و مولانا عارف باللہ شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم العالی کے منتسبین میں سے ہیں خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مرشدی دامت برکاتہم کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب حضرتِ والا ہیں اور حضرت کی دائیں جانب خواب دیکھنے والے صاحب ہیں اور سامنے درسِ مثنوی مولانا روم رکھی ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھنے والے سے فرمایا کہ درسِ مثنوی بہت اچھی کتاب ہے، تم یہی پڑھا کرو۔

بایں مژدہ گر جاں فشانم رواست
اَلْحَمْدُ لَكَ وَالشُّكْرُ لَكَ يَا رَبَّنَا

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتّب

رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ میں مُرشدی و مولائی عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب اطال اللہ ظلالہم وادام اللہ برکاتہم کے سفرِ عُمرہ کا نظم بوجوہ ملتوی ہوا۔ اس کی خبر کے عام ہوتے ہی حضرت والا کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کے لیے مختلف ممالک سے حضرت والا کے متعلقین اجازت لے کر آنے لگے اور شعبان کے وسط تک ہندوستان، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ، کینیا، برطانیہ اور امریکا وغیرہ کے کئی عُلما و دیگر حضرات تشریف لے آئے۔

یہ حضراتِ عُلماء حضرت والا کے درسِ مثنوی کے مشتاق تھے چناں چہ ان کی خواہش پر باوجود ضعف کے حضرت والا مد ظلہم العالی نے وسطِ شعبان سے آخرِ عشرۂ رمضان تک تقریباً روزانہ مثنوی شریف کا درس دیا جو الہامی علوم و معارف کے ساتھ عشق و محبت کی آگ لیے ہوئے آشوب و چرخ و زلزلہ کا مصداق تھا کیوں کہ یہ درسِ محبّت بزبانِ محبّت تھا جس میں مولانا روم کے سینے کی آتشِ عشق اور حضرت والا کی آتشِ عشق باہم مل کر شرابِ محبتِ الٰہیہ دو آتشہ ہو گئی جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں

چناں چہ ایک ایک لفظ عشق و محبت و کیف و مستی میں ڈوبا ہوا ہے جس سے علماء وجد میں آئے اور مست و سرشار ہو گئے۔ حضرت والا کے تصوف کے ایک ہاتھ میں اگر اسرارِ عشق و مستی ہیں تو دوسرے ہاتھ میں قرآن و سُنّت کے دلائلِ علمی ہیں جو علمائے محققین راسخین فی العلم کے لیے باعثِ کیف و وجد اور منکرین کے لیے دعوتِ فکر و تدبر ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ حضرت والا **اطال اللہ ظلالھم وادام اللہ برکاتھم** نے تصوّف کو قرآن و حدیث کے عُلوم و معارف سے ایسا مدلل فرمادیا ہے کہ اب اس الزام کی گنجایش نہیں رہی کہ تصوّف و طریقت قرآن و سُنّت کے خلاف ہے۔ اسی لیے

احقر راقم الحروف ببانگِ دہل کہتا ہے۔

دل میں ہر لحظہ ترے جلوۂ جاناں دیکھوں
ہاتھ میں گرچہ ترے سُبحۂ صد دانہ نہیں

تری آنکھوں میں ہے وہ مستیٔ صہبائے ازل
جس کے آگے کوئی شے مستیٔ پیمانہ نہیں

تری آنکھوں سے ملاتی نہیں نرگس آنکھیں
اس کی آنکھوں میں تری مستیٔ خُمخانہ نہیں

مُفت بٹتی ہے مئے نابِ محبت یاں پر
ترے مے خانے سا دیکھا کوئی مے خانہ نہیں

اور احقر کی کیا حقیقت ہے جب کہ دنیا بھر میں بڑے عُلماء محدثین و مُفسرین حضرت والا کی شان میں رطب اللسان اور حضرت والا کے کمالات کے معترف اور حلقۂ ارادت میں مُنسلک ہیں۔

کیا میں ہی اس پر مر مِٹا ناصح تو کیا بے جا
دیوانہ تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی میں تو

مثنوی کا یہ درس جس میں عشق و محبت کی آگ بھری ہوئی ہے، جس کے ایک ایک لفظ میں آتشِ عشق کی برقی رو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی تند و تیز شرابِ عشق جامِ سُنّت و شریعت میں محصور ہے کیا مجال کہ عشق و مستی حدودِ شریعت سے باہر قدم رکھ دے۔ حضرت والا مدظلہم العالی فرماتے ہیں کہ تصوّف تمام تر سُنّت و شریعت ہے اور وہ تصوّف تصوّف ہی نہیں جو قرآن و سُنّت کے خلاف ہے اور جو عشق حدودِ شریعت کو توڑ دے اس قابل ہے کہ اس عشق ہی کو توڑ دیا جائے۔ چناں چہ یہ ”درس مثنوی مولانا روم“ اپنی نوع کا انوکھا درس ہے جس میں مثنوی کے اشعار کی تشریح عشق و مستی کی تیز والی

شرابِ دو آتشہ کے ساتھ قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے مؤیّد ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ "مثنوی مولانا روم" قرآنِ پاک و احادیثِ پاک کی بے مثل عاشقانہ توضیح و تشریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا کی زبان مُبارک سے اس درس میں مثنوی کی جو تشریح کرائی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور شاید ہی اس نوع کی کوئی شرح موجود ہو۔ یہ صرف مثنوی کے اشعار کی لفظی تشریح نہیں ہے بلکہ اس میں تصوّف و سلوک کے مسائل کا قرآنِ پاک و حدیثِ پاک سے استنباط بھی ہے، سالکین کی باطنی پریشانیوں اور روح کے امراض کا علاج بھی ہے اور اشعار مثنوی کی الہامی اور نادر تشریحات بھی ہیں غرض کہ ہر درس ایک مکمل وعظ اور علوم و معارف کا گنجینہ، راہِ سلوک میں آنے والے پیچ و خم کا بہترین راہ بر اور مشعلِ راہ ہے جس سے مثنوی کی ہمہ گیری اور عمق و جامعیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس درس کا کچھ حصہ درسِ مثنوی مولانا روم (درس محبت و معرفت) حصّۂ اول کے نام سے جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۸ء کو شایع ہوا جس کے یکے بعد دیگرے دو ایڈیشن تقریباً چار ہزار کی تعداد میں شایع ہو کر ختم ہو چکے ہیں۔ اب یہ مکمل درس مثنوی جس میں سابق حصّۂ اول بھی شامل ہے نام میں معمولی تغیر کے ساتھ طبع کیا جارہاہے۔ اب اس کا نام "درس مثنوی مولانا روم محبت و معرفت" تجویز کیا گیاہے۔

قارئینِ کرام سے دعاؤں کی گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبول عطا فرمائیں اور قیامت تک حضرت والا دامت برکاتہم کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں اور جملہ خدّام و معاونین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے شامل فرمالیں اور قیامت تک اس درس کو اُمّتِ مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت سے مست و سرشار ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اشد کے حصول کا ذریعہ بنادیں بلکہ اُمّتِ دعوت کو بھی اس سے مستفید فرما کر ان کے حصولِ ایمان کا ذریعہ بنادیں اور اپنی رحمت سے مختلف عالمی زبانوں میں اللہ تعالیٰ اس کے ترجمہ کا انتظام فرما کر قیامت تک اس کو ذریعۂ ہدایت بنادیں اور حضرت والا کی ہر تصنیف اور ہر تقریر و تحریر تمام عالمی زبانوں میں شایع ہو کر قیامت تک اُمّت کے

استفادے کا ذریعہ ہو کیوں کہ یہ محبت کی وہ آگ ہے جس کے متعلق احقر کا گمان اقرب الی الیقین ہے کہ اگر ملکوں ملکوں ڈھونڈو گے تو یہ آگ نہیں ملے گی، یہ وہ آگ ہے جو اُمّت کے اولیاء اخص الخواص میں خال خال کو عطا ہوئی اور اس کے شاہد اور ثبوت اولاً حضرتِ والا دامت برکاتہم کے حالاتِ رفیعہ اور آپ کا دردِ عشق اور نسبتِ خاصہ مع اللہ کے آثار ہیں جو اظہر من الشمس ہیں اور ثانیاً حضرتِ والا کی تقریر و تحریر حضرت والا کے منفرد اور بے مثل دردِ عشق اور آتشِ محبت کی غماز ہے ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گُل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

ترجمہ: میں اپنے کلام میں اس طرح پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پنکھڑیوں میں مخفی ہے۔ پس جو شخص دیکھنا چاہے مجھے میرے کلام میں دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قدر کی توفیق عطا فرمائے اور حضرتِ اقدس کے سایۂ عاطفت کو ہمارے سروں پر طویل ترین مدت تک قائم رکھے اور راقم الحروف کو خصوصاً اور جملہ احباب کو عموماً حضرت والا کی قدر دانی اور استفادے کی توفیق ارزانی فرما کر حضرت والا کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمادے۔ آمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمُ۔

راقم الحروف
احقر سید عشرت جمیل میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ
یکے از خدّام
عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲۔ کراچی
۱۹ / محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۶ / مئی ۱۹۹۹ء یوم الخمیس

◆ ◆ ◆ ◆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۵/ شعبانُ المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۱۶/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروزِ سہ شنبہ (منگل)

بعد فجر بوقت ۷ بجے بمقام خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

قافیہ اندیشم و دلدارِ من
گویدم مندیش جز دیدارِ من

ارشاد فرمایا کہ مثنوی شریف الہامی کتاب ہے۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تین کتابیں انوکھی ہیں: قرآن شریف، بُخاری شریف اور مثنوی شریف۔ قرآن شریف تو اللہ کا کلام ہے لٰہذا اس کی مثل اور نظیر کون پیش کر سکتا ہے کیوں کہ **کَلَامُ الْمُلُوْکِ مُلُوْکُ الْکَلَامِ** ہوتا ہے یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوا کرتا ہے تو جو اللہ بادشاہوں کو بادشاہت اور سلطنت تخت و تاج کی بھیک عطا کرتا ہے اس احکم الحاکمین کے کلام کی کیا شان ہوگی اور کون اس کے مقابلے میں اپنا کلام لا سکتا ہے۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قرآن پاک کے جملے اگرچہ بظاہر ان ہی الف، باء، تاء سے بنے ہوئے ہیں، لیکن دراصل یہ الف باء تاء دوسرے عالَم کے ہیں اور اپنے اندر انوارِ الٰہیہ کو لیے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے حروف سے مرتب آیات نے سارے عالَم کو اپنا مثل لانے سے عاجز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ اُمّی کی زبان سے ایسا فصیح و بلیغ کلام صادر فرمایا جس نے تمام فصحائے عرب کو حیرت زدہ کر دیا اور جو عرب اپنی فصاحت و بلاغت کے مقابلے میں غیر عرب کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے کلام اللہ کی عظمت شان کے سامنے

خود گونگے ہوگئے اور فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ الخ کی قرآنی للکار پر ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود قرآن پاک کے مثل ایک جملہ بنا کر نہ لاسکے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور کیسے عاجز نہ ہوتے کیوں کہ یہ اللہ کا کلام تھا۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بُود
گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بُود

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مُبارک پر جو قرآن پاک نازل ہوا وہ اگرچہ آپ کی زبانِ مُبارک سے صادر ہوا لیکن وہ اللہ کا کلام تھا، زبان عبد اللہ سے کلام اللہ جاری ہو رہا تھا جس نے اہل عرب کی فصاحت وزباں دانی کا ناز خاک میں ملا دیا۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ؎

صَد ہزاراں دفترِ اشعار بُود
پیشِ حرفِ امیش آں عار بُود

ترجمہ: اہلِ عرب کے پاس فصیح و بلیغ اشعار کے دفتر کے دفتر موجود تھے لیکن اس رسولِ اُمّی کے ایک حرفِ آسمانی کے سامنے وہ سارے کے سارے دفتر حیرت وشرمندگی میں غرق ہوگئے۔

اور بُخاری شریف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے اور ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ آپ کی شان ہے لہٰذا کلام اللہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی بھی کوئی مثل نہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ[۱]

قرآن وحدیث کے بعد جس کتاب کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ مثنوی مولانا روم ہے۔ مولانا رومی اُمّت کے بہت بڑے شخص ہیں۔ اُمت کے بڑے بڑے عُلماء اور اولیاء اللہ ہر زمانے میں مثنوی سے استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مثنوی دل میں اللہ کی محبت کی آگ لگا دیتی ہے۔ ہمارے اکابر کو دیکھ لیجیے۔ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کے عاشق

---

[۱] صحیح مسلم: ۱/۲۰۰، کتاب المساجد ومواضع الصلٰوۃ، ایچ ایم سعید

تھے۔ مجدّدِ زمانہ حضرت حکیمُ الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ نے مثنوی کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے کلیدِ مثنوی۔ مختلف ملکوں مختلف زبانوں کے بڑے بڑے اولیاء اس کو پڑھ کر مست ہوتے ہیں۔ مثنوی الہامی کتاب ہے۔ مولانا رومی خود فرماتے ہیں؎

قافیہ اندیشم و دلدارِ من
گویدم مندیش جز دیدارِ من

جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو آسمان سے آواز آتی ہے کہ اے جلالُ الدین! مت سوچ، مثنوی تو ہم لکھوا رہے ہیں بس میری طرف متوجہ رہو، قافیہ میں عطا کروں گا۔ دیدارِ من سے مراد یہی ہے کہ میری طرف متوجہ رہو ورنہ بندہ اللہ کا دیدار اس دنیا میں کیسے کر سکتا ہے۔ دیدار کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ موجود ہے اور وہ دیکھ رہا ہے تو گویا تم بھی اللہ کو دیکھ رہے ہو جیسے اندھا کسی بینا سے ملاقات کر کے کہتا ہے کہ آج ہم ان کو دیکھ آئے اگرچہ اس نے نہیں دیکھا آنکھوں والے نے اس کو دیکھا لیکن اس کے دیکھنے کو اور اس کے سامنے حضوری کو اندھا اپنے دیکھنے سے تعبیر کرتا ہے۔ دنیا میں حق تعالیٰ کی معیتِ خاصہ، مشاہدۂ حق اور توجہ الی اللہ کو حدیثِ احسان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَاللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ[۲] اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو اللہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو تو گویا تم بھی اللہ کو دیکھ رہے ہو اس حدیث کی شرح علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ فرمائی ہے کہ اَنْ یَّغْلِبَ عَلَیْہِ مُشَاھَدَۃُ الْحَقِّ بِقَلْبِہٖ حَتّٰی کَاَنَّہٗ یَرَاہُ تَعَالٰی شَانُہٗ بِعَیْنِہٖ[۳] اللہ تعالیٰ کی حضوری قلب پر ایسی غالب ہو جائے کہ گویا بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اس شعر میں دیدار سے مراد یہی توجہ الی اللہ ہے کہ حضور قلب اور توجۂ کاملہ کے ساتھ میری طرف متوجہ رہو مثنوی کو میں تمہارے قلب پر القاء کروں گا۔ اس شعر میں

---

[۲] صحیح البخاری: ۱/۱۲ (۵۰)، باب سؤال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ، المکتبۃ المظھریۃ

[۳] فتح الباری للعسقلانی: ۱/۱۲۰، باب سؤال جبرئیل عن الایمان والاسلام، دار المعرفۃ، بیروت

مثنوی کے الہامی ہونے کا اشارہ ہے۔ اور اس سے زیادہ واضح اشارہ مولانا کے دوسرے شعر میں ہے۔ فرماتے ہیں؎

چوں فتاد از روزنِ دل آفتاب
ختم شد و اللہ اعلم بالصواب

قلب میں جس دریچۂ باطنی سے آفتاب علم کے فیضان سے علوم و معارفِ غیبیہ وارد ہورہے تھے وہ آفتابِ فیض قلب کے محاذات سے بحکمتِ خُداوندی غروب ہوگیا لہٰذا مثنوی ختم ہوگئی اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور حکمت کس وقت کس چیز میں ہے ان کا ہر فعل حکمت کے موافق ہے لہٰذا اس وقت جب اُنہوں نے ایسا کیا تو یقیناً اس میں کوئی حکمت ہے، اس لیے اب میں بہ تکلف کلام نہیں کروں گا اور مثنوی کو ختم کرتا ہوں لہٰذا مولانا نے مثنوی لکھنا بند کردی اور قصّہ بھی ادھورا چھوڑ دیا۔ یہی دلیل ہے کہ یہ الہامی کلام تھا۔ اگر الہامی نہ ہوتا تو جو شخص ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار لکھ سکتا ہے کیا وہ چند اشعار لکھ کر مثنوی کو پورا نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے بچپن سے مولانا رومی سے عشق ہے۔ میں بہت چھوٹا تھا جب سے مولانا کے اشعار پڑھ پڑھ کے رویا کرتا تھا خصوصاً یہ شعر؎

آہ را جز آسماں ہمدم نبود
راز را غیرِ خُدا محرم نبود

ترجمہ: میں جنگل کی تنہائی میں ایسی جگہ اللہ کا نام لیتا ہوں جہاں سوائے اللہ کے میری آہ کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا اور میری محبت کے راز کو سوائے خُدا کے کوئی نہیں جانتا۔

الحمد للہ! میں نے وہ جنگل دیکھا ہے جہاں مولانا نے یہ شعر کہا تھا اور جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے ساڑھے اٹھائیس ہزار درد بھرے الہامی اشعار مولانا کی زبان سے جاری ہوئے۔ پورا جنگل آج بھی نور سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بچپن ہی سے مجھے مولانا کے شہر قونیہ دیکھنے کی آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو بھی پوری کردی اور اسی سال لندن جاتے ہوئے ترکی کے دارالخلافہ استنبول میں قیام کیا جہاں لندن کے

میزبان اور بہت سے عُلماء آ گئے تھے اور جنوبی افریقہ سے بھی بہت سے عُلماء تشریف لے آئے۔ استنبول سے ایئرکنڈیشن بس میں ہم سب قونیہ گئے۔ قونیہ میں مولانا رومی کی خانقاہ میں، میں نے مولانا کی مثنوی کا درس بھی دیا اور وہیں خانقاہ میں بعض لوگ میرے ہاتھ پر داخلِ سلسلہ ہوئے اور بہت سے عُلماء جو ساتھ تھے اُنہوں نے تجدید بیعت کی۔ میرا ٹرکی کا یہ سفر نامہ شایع ہوچکا ہے جس کا نام ”الطافِ ربّانی“ ہے جس کو میرؔ صاحب نے ترتیب دیا ہے۔

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن
صبر چوں داری ز ربِّ ذو المنَن

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تمہیں اپنے بیوی بچوں پر صبر نہیں آتا۔ اگر بیوی میکے چلی جائے تو تم بے چین ہوجاتے ہو، اگر ناراض ہوجائے تو ساری کائنات کی نبض تمہیں ڈوبتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فانی اپنی بیوی کی ناراضگی پر کہتا ہے ؎

ہم نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

بیوی بچوں پر تمہیں صبر نہیں حالاں کہ وہ تمہارے محسن نہیں ہیں تو پھر اس احسان کرنے والے مولیٰ پر کیوں کر صبر کرلیتے ہو اور اس مالک کو ناراض کرتے رہتے ہو اور تمہیں خیال بھی نہیں آتا کہ میں کیسے محسن کی نافرمانی کررہا ہوں جس کی روٹیوں سے میں زندہ ہوں اور جس کے مجھ پر ہر لمحہ اتنے احسانات ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے احسان کرنے والے مولیٰ کو تو ایک لمحہ نہیں بھولنا چاہیے تھا۔ دیکھو مچھلیوں کو پانی پر صبر نہیں ہے حالاں کہ پانی مچھلیوں کا خالق نہیں ہے صرف مستقر ہے لیکن مچھلیوں کو پانی سے کیسا تعلق ہے؟ کہ اگر ایک سانس کی جدائی ہوجائے تو بزبانِ حال کہنے لگتی ہیں ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اُس عہد کو ہم وفا کر چلے

اور تم انسان ہوکر اپنے محسنِ حقیقی پر صبر کرتے ہو جس نے تمہیں ایک قطرہ منی سے چھ

فٹ کا انسان بنا دیا اور اسی قطرہ میں بینائی کا خزانہ رکھ دیا کہ وہ ناپاک قطرہ آج دیکھ رہا ہے، شنوائی کا خزانہ رکھ دیا کہ وہ ناپاک قطرہ آج سن رہا ہے، گویائی کا خزانہ رکھ دیا کہ وہی قطرہ آج بول رہا ہے وغیرہ۔ دنیا میں کون ایسا مصور ہے جو پانی پر نقش و نگار بنا سکے؟ یہ صرف حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ ہے جو قطرۂ منی پر صورت گری کرتی ہے ؎

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ است بر آب صورت گری

اے اللہ! نطفۂ ناپاک کو آپ خوبصورت انسانی شکل عطا فرماتے ہیں اور آپ کی قدرتِ قاہرہ پانی پر صورت گری کرتی ہے یعنی قطرۂ منی پر آنکھ، ناک آپ نے بنائے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

شکر از نے میوہ از چوب آوری
از منی مُردہ بُتِ خوب آوری

اے اللہ! آپ گنے کے ڈنڈوں میں رس ڈال کر شکر پیدا فرماتے ہیں اور مُردہ اور بے جان منی سے انسان احسنِ تقویم میں پیدا فرماتے ہیں یہ سب آپ کی قدرتِ قاہرہ کا کمال ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے احسان کرنے والے رب پر تو جان دینا چاہیے تھا ان سے تو ہماری جانوں کو ایسا تعلق ہونا چاہیے تھا کہ ؎

ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

ان کی یاد ہماری زندگی اور ایک لمحہ ان کو بھولنا ہماری موت ہے لیکن آہ! ایسے احسان کرنے والے مولیٰ پر ہم صبر کیے ہوئے ہیں جو ہمارا خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، پالنے والا ہے۔ ان پر جان فدا کرکے بھی ان کے احسانات کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیوں کہ جان ان ہی کی دی ہوئی ہے اگر ان پر قربان کردی تو کیا کمال کیا ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۷؍ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز چہار شنبہ

بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

چیست دنیا اَز خدا غافل بُدَن
نے قماش و نقرہ و فرزند وزَن

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی نے اس شعر میں دنیا کی حقیقت بیان فرمادی کہ دنیا کس چیز کا نام ہے۔ بعض نادان لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کو لات مارو، دنیا کو لات مارو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر پیسہ نہ ہو، روٹی نہ ملے تو دنیا کو لات مارنے کے لیے لات بھی نہیں اُٹھے گی۔ معلوم ہوا کہ مال و دولت کا نام دنیا نہیں ہے پھر دنیا کس چیز کا نام ہے۔ مولانا رومی ایک ہی مصرع میں سوال قائم فرماتے ہیں اور اسی مصرع میں جواب بھی دیتے ہیں ؎

چیست دنیا؟ اَز خُدا غافل بُدَن

فرماتے ہیں دنیا کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانا۔ خُدا سے غافل ہو جانے کا نام دنیا ہے۔

نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

قماش معنیٰ کپڑا۔ کپڑے، چاندی سونا، مال و دولت اور بیوی بچے دنیا نہیں ہیں۔ اگر یہ چیزیں کسی کو اللہ سے غافل نہیں کرتیں اور اللہ کی مرضی کے مطابق دنیا رکھتا ہے، اپنی دنیا کو اللہ کی نافرمانی میں نہیں لگاتا تو یہ شخص اللہ والا ہے، ہرگز دنیا دار نہیں۔ اور ایک شخص مُفلس ہے، تنگی ترشی اور فاقوں میں زندگی گزارتا ہے لیکن اللہ سے غافل ہے، نافرمانی میں مبتلا ہے یہ شخص پکا دنیا دار ہے۔ معلوم ہوا کہ عین امارت اور بادشاہت میں آدمی دیندار اور ولی اللہ ہو سکتا ہے اور عین مُفلسی اور فاقہ کشی میں اللہ سے دور اور پکّا دنیا دار ہو سکتا ہے۔ اسی لیے مولانا نے غفلت من اللہ کو فرمایا کہ یہ دنیا ہے نہ کہ مال و دولت

اور امارت و بادشاہت۔ مولانا کے اس قول کی دلیل تفسیر روح المعانی میں ہے۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ[۴] کی تفسیر کے ذیل میں۔ دُنیا متاع الغرور یعنی دھوکے کی پونجی ہے اور متاع کیا چیز ہے؟ علامہ آلوسی نے ایک عجمی عالم علامہ اصمعی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ لفظ متاع اور رقیم کی تحقیق کے لیے عرب کے دیہات میں گئے کیوں کہ دیہات میں اس زمانے میں ٹکسالی زبان بولی جاتی تھی شہروں میں تو دوسری زبانوں کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ علامہ اصمعی نے دیکھا کہ ایک گاؤں میں ایک چھوٹا سا بچہ بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک چتکبرا کتا آیا اور چولہے کے پاس برتن صاف کرنے کا ایک میلا سا کپڑا تھا کُتے نے اس کو منہ میں لیا اور ایک پہاڑ پر جا کر بیٹھ گیا۔ جب ماں آئی تو بچے نے کہا یَا اُمِّیْ جَاءَ الرَّقِیْمُ وَاَخَذَ الْمَتَاعَ وَ تَبَارَكَ الْجَبَلَ علامہ اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک جملے میں تین لغات حل ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ رقیم چتکبرے کُتّے کو کہتے ہیں اور متاع اس حقیر اور میلے کپڑے کو کہتے ہیں جس سے باورچی خانے میں برتن صاف کیے جاتے ہیں جس کو اردو میں صافی کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ دنیا متاع، حقیر ذلیل اور بُری کب ہے؟ اِنْ اَلْهَتْكَ عَنِ الْاٰخِرَةِ اگر آخرت سے غافل کر دے اِنَّ الدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَطَالِبُوْهَا كِلَابٌ دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کُتّے ہیں لیکن یہ دنیا جِيْفَةٌ اور مَتَاع یعنی حقیر و ذلیل بشرطِ شیٔ ہے اور بشرطِ شیٔ کیا ہے اِلْهَاءُ عَنِ الْاٰخِرَةِ یعنی آخرت سے غفلت اور اگر آخرت سے دنیا غافل نہ کرے تو علامہ آلوسی فرماتے ہیں: وَاِنْ جُعِلَتِ الدُّنْيَا وَسِيْلَةً لِلْاٰخِرَةِ وَذَرِيْعَةً لَهَا فَهِيَ نِعْمَ الْمَتَاعِ[۵] اگر تم دنیا کو آخرت کا وسیلہ اور اس کا ذریعہ بنالو تو یہ بہترین پونجی ہے۔ ایک شخص اپنے مال سے عُلمائے دین کی خدمت کر رہا ہے، مسجد اور مدرسے بنا رہا ہے، دین کی کتابیں چھاپ رہا ہے، طلباء و صلحاء کو کھانا کھلا رہا ہے تو کیا اس کی یہ دنیا متاعِ غرور اور ذلیل و حقیر ہے؟ یہ تو اس کی بہترین پونجی ہے جو اللہ پر فدا ہو رہی ہے۔ اسی لیے حدیث

---

[۴] اٰل عمرٰن:۱۸۵

[۵] روح المعانی:۱۸۵/۲۷، الحدید (۲۰)، دار احیاء التراث، بیروت

میں ہے کہ لَا یَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ[٦] متقی تیرا کھانا کھائے کیوں کہ متقی کھانا کھا کر جو نیک کام کرے گا وہ کھلانے والے کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگا پس اس کی یہ دنیا ہرگز حقیر نہیں کیوں کہ آخرت کی تعمیر کا وسیلہ اور ذریعہ بن رہی ہے۔

لیکن یہ دولت ہر ایک کو نہیں ملتی۔ ہر ایک کا یہ نصیب کہاں کہ دُنیا اس کو اللہ سے غافل نہ کرے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا راز ہر سینے کو عطا نہیں فرماتے اور بڑے لطف سے کسی بزرگ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

نہ ہر سینہ را راز دانی دہند
نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

ہر سینے کو اللہ اپنی محبت کا راز نہیں دیتا اور نہ ہر آنکھ کو اپنے راستے کی رہنمائی کا مقام عطا فرماتا ہے۔

نہ ہر گوہرے درّۃ التّاج شُد
نہ ہر مُرسَلے اہلِ معراج شُد

ہر موتی کو اللہ تعالیٰ یہ عزت نہیں دیتا کہ وہ بادشاہوں کے تاج میں لگے اور ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے معراج نہیں عطا فرمائی۔

برائے سرانجامِ کارِ صواب
یکے اَز ہزاراں شود انتخاب

اللہ تعالیٰ اپنے دین کے سرکاری کام کے لیے اپنی ولایت و محبت و دوستی کے لیے ہزاروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے، ہر شخص کو یہ سعادت و عزت و شرف نہیں ملتا اور سرکاری کام کے لیے اللہ کی طرف سے جس کا انتخاب ہوتا ہے اس کو جو ساتھی دیے

---

[٦] جامع الترمذی: ۲/۶۵، باب ماجاء فی صحبة المؤمن، ایچ ایم سعید

جاتے ہیں وہ بھی منتخب ہوتے ہیں۔ صحابہ کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہوا تھا۔ دنیا ہی میں دیکھ لیجیے۔ جب کوئی باپ اپنے بیٹے کو سفر پر بھیجتا ہے تو اس کو اچھے سے اچھے باوفا اور جاں نثار ساتھی دیتا ہے۔ جب ایک باپ کی رحمت کا یہ تقاضا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جب اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تو اپنے پیارے پیغمبر کی نصرت کے لیے آپ کو صحابہ بھی انتہائی باوفا جاں نثار اور نہایت پیارے منتخب کرکے دیے۔ اس لیے صحابہ پر اعتراض کرنے والے انتہائی احمق ہیں۔ صحابہ پر اعتراض کرنا اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ نعوذ باللہ! اپنے پیغمبر کو اللہ نے صحیح ساتھی نہیں دیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی انکار ہے کہ ایک باپ تو اپنے بیٹے کو باوفا ساتھی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ! نبی کے ساتھ یہ رحمت نہیں کی العیاذ باللہ! نقلِ کُفر کُفر نباشد۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ**[1] جس نے میرے صحابی کو بُرا کہا اس نے مجھے بُرا کہا اور جس نے مجھے بُرا کہا اس نے اللہ کو بُرا کہا۔ صحابہ کی عظمتِ شان کے لیے یہی ایک حدیث کافی ہے۔

بتائیے اے عُلمائے کرام! میری تقریر میں جو لطف آپ پاتے ہیں یہ میرا کمال نہیں میرے بزرگوں کا صدقہ ہے جن کی اخترؔ نے جوتیاں اُٹھائی ہیں۔ میرے دو شعر ہیں ؎

مزہ پاتے ہو کیوں اس کے بیاں میں
کوئی تو بات ہے دردِ نہاں میں

مرے احبابِ مجلس سے کوئی پوچھے مزہ اس کا
یہ شرح دردِ دل اخترؔ کا محوِ گفتگو رہنا

الحمد للہ! بزرگوں کی مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنی صحبت عطا فرمائی کہ روئے زمین پر شاید آپ نہیں پائیں گے، شاید کا لفظ دعویٰ توڑنے کے لیے کہتا ہوں۔ میں تو بالغ ہی اہل اللہ کی آغوشِ تربیت میں ہوا۔ پندرہ سے اٹھارہ سال کی عمر تک مسلسل تین سال حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا جن سے ملاقات کے لیے میرے شیخ

---

[1] کنز العمّال: ۱۱/۵۳۱ (۳۲۴۷۷)، کتاب الفضائل من قسم الأفعال، مؤسسة الرسالة

حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ جب ان کے گھر تشریف لے گئے تو زمین کو دیکھا اور پھر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ مولانا محمد احمد صاحب کا نور مجھے زمین سے آسمان تک نظر آرہا ہے اور یہ اس کی آنکھوں کا فیصلہ ہے جس کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں بارہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا کی۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تین سال تک اپنی رحمت سے مجھ کو رکھا۔ روزانہ طبیہ کالج سے فارغ ہوتے ہی شام کو عصر سے رات کے گیارہ بجے تک حضرت کی مجلس میں رہتا تھا۔ بڑے بڑے عُلماء آرہے ہیں، اشعار ہورہے ہیں۔ کیا کہوں کیا مجلس تھی۔ تین سال تک حضرت کی زبان سے میں نے کبھی کوئی غیر اللہ کی بات نہیں سُنی سوائے اللہ تعالیٰ کی محبت کے۔ وہ عالمِ غیب کے ریڈیو تھے، مادر زاد ولی تھے۔ ایک عالم نے بتایا کہ بچپن میں جب ہم لوگ گلی ڈنڈا کھیلتے تھے حضرت اسی بچپن میں لکڑی اور اینٹوں سے مسجد بنا کر اذان دیتے تھے۔

اس کے بعد حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ سے بیعت ہو گیا۔

قصبہ پھولپور میں شہر سے دور حضرت کا مکان تھا جہاں سے قصبہ نظر تو آتا تھا لیکن وہاں کی آواز نہ آتی تھی، دس منٹ کا راستہ تھا۔ جنگل کا سا سنّاٹا، حضرت کی اپنی مسجد، اپنی خانقاہ چھوٹا سا مدرسہ جہاں ہر گھنٹہ دو گھنٹہ پر حضرت کی آہ کا نعرہ سُنائی دیتا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت کا بھی عجیب انداز تھا ایسی عمدہ آواز تھی، معلوم ہوتا تھا کہ ساز بج رہا ہے اور دس بیس آیات کے بعد ایسا لگتا تھا کہ سینہ درد سے بھر گیا پھر پڑھتے پڑھتے اس زور سے اللہ کہتے تھے کہ پوری مسجد ہل جاتی تھی جیسے انجن میں جب اسٹیم زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کا ڈھکن کھول دیا جاتا ہے اور بھاپ شور کے ساتھ نکل جاتی ہے ورنہ انجن پھٹ جائے۔

جب حضرت اللہ کا نعرہ لگاتے تھے تو ایسا ہی لگتا تھا کہ اگر حضرت یہ نعرہ نہ لگائیں تو جسم کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ حضرت کی عبادت عاشقانہ عبادت تھی ایسا لگتا تھا جیسے کوئی شدید بھوک میں پلاؤ قورمہ کھا رہا ہے، روئے زمین پر میں نے کسی کو ایسی عاشقانہ عبادت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تہجّد میں بھی بہت روتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا اختؔر پر فضلِ عظیم ہے کہ اتنے بڑے شیخ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے

ستره برس تک رکھا، دس سال تو خاص پھولپور میں اور سات برس مختلف مقامات پر جس کا میں آج شکر ادا کر رہا ہوں کہ مالک آپ کا احسان و کرم ہے کہ آپ نے مجھے حضرت والا کے ساتھ چپکائے رکھا ورنہ جوانی میں بوڑھے آدمی کے ساتھ کون رہتا ہے۔ جوان آدمی تو ہم عمر جوانوں کو تلاش کرتا ہے گپ لگانے کے لیے۔ میں بیس بائیس سال کا اور شیخ ستّر کے قریب لیکن کیا بتاؤں شیخ کے بغیر میرا کہیں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ سارا عالم مجھے حضرت میں نظر آتا تھا۔ اسی پر میرا شعر ہے ؂

وہ اپنی ذات میں خود انجمن ہے
اگر صحرا میں ہے پھر بھی چمن ہے

مثنوی بھی میں نے حضرت سے پڑھی اور حضرت نے پڑھی حکیم الامّت مجدّد الملّت مولانا تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ سے اور حکیم الاُمّت نے پڑھی شیخ العرب و العجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃُ اللہ علیہ سے اور حاجی صاحب نے پڑھی حافظ عبد الرزاق صاحب رحمۃُ اللہ علیہ سے جو حافظ مثنوی تھے اور حافظ عبد الرزاق صاحب خاص شاگرد ہیں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃُ اللہ علیہ خاتمِ مثنوی کے۔ یہ میری مثنوی کی سند ہے، اتنی قریبی سند بھی کم لوگوں کو حاصل ہوگی۔ غرض جو کچھ ملا شیخ کی صحبت سے ملا۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؂

پیر باشد نردبانِ آسماں
تیرِ پرّاں از کہ گردد از کماں

ارشاد فرمایا کہ نردبان کے معنیٰ ہیں سیڑھی۔ پیر آسمان کی سیڑھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ، ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تک جانا چاہتے ہو تو کوئی پیر حقانی تلاش کرو۔ آسمان سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ تو ایک دعویٰ ہے کہ پیر اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے لیکن اس دعویٰ کی کیا عمدہ دلیل اگلے مصرع میں مولانا دیتے ہیں۔ مولانا رومی کے ان ہی علوم کی وجہ سے ہر زمانے میں سارے عُلماء مولانا کے غلام بن گئے۔ فرماتے ہیں ؂

تیرِ پرّاں از کہ گردد از کماں

تیر کس کے ذریعہ سے اُڑتا ہے؟ کمان سے۔ تیر اگر ایک کروڑ روپے کا سونے کا بنا ہوا ہو مگر زمین ہی پر دھرا رہے گا اگر کمان میں نہیں آئے گا۔ شیخ مثلِ کمان ہے، مُرید جب اس کی صحبت میں آتا ہے تو عرش تک وہ اللہ والا اُڑا دیتا ہے، فرشی عرشی بن جاتا ہے، غافل اللہ والا بن جاتا ہے۔

مولانا روم یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ مثنوی تو قرآن و حدیث کی تفسیر ہے۔ لوگوں کو سمجھانے کے لیے مولانا نے قرآن و حدیث کے علوم کو مثالوں سے عاشقانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس شعر کی دلیل ہے۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[۸]

قرآنِ پاک کو کوئی کیسے جھٹلا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم تقویٰ چاہتے ہو، ہمارا دوست بننا چاہتے ہو تو تقویٰ والوں کے ساتھ رہو۔ اگر ان کے ساتھ رہو گے تو ان کے دل کا تقویٰ تمہارے دل میں منتقل ہوجائے گا مگر دل سے محبت کرو۔ ان کے دل سے اپنا دل ملا دو۔ چراغ سے چراغ جلتے ہیں۔

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل کر دے
یہ آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

اگر ایک چراغ کا برتن ایک کروڑ روپے کا ہے سونے جواہرات، قیمتی پتھروں سے بنا ہوا ہے اور اس کی بتّی بھی مان لیجیے لاکھوں روپے کی بنائی گئی ہے اور اس کا تیل بھی کوئی خاص تیل ہے لاکھوں روپے کا لیکن روشن نہیں ہوسکتا جب تک کسی جلتے ہوئے چراغ کی لو سے مس یعنی (Touch) نہیں ہوگا نہ خود روشن ہوگا نہ کسی دوسرے چراغ کو روشن کرسکے گا۔ اسی طرح کتنا ہی بڑا عالم ہو، علم کا سمندر ہو، چلتا پھرتا کُتب خانہ ہو لیکن اس کا دل اللہ کی محبت سے روشن نہیں ہوسکتا، اس کا علم مقرون بالعمل نہیں ہوسکتا جب تک اللہ کی محبت میں جلتے ہوئے کسی صاحبِ نسبت دل سے اپنا دل نہیں ملائے گا، کسی اللہ والے کی صحبت اور غلامی اختیار نہیں کرے گا نہ اس کے دل میں اللہ کی محبت کی آگ لگے گی نہ یہ

---

[۸] التوبة:۱۱۹

دوسروں کو لگاسکے گا اور دوسری مثال یہ ہے کہ دو تالاب ہیں۔ ایک تالاب مچھلیوں سے محروم ہے اور دوسرے تالاب میں مچھلیاں ہیں تو خالی تالاب اگر اپنی سرحد مچھلیوں والے تالاب سے ملادے تو اس کی ساری مچھلیاں اس خالی تالاب میں آجائیں گی۔ اسی طرح اللہ والوں سے تعلق کرنے سے ان کے دل کا تقویٰ دوسرے دلوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اخترؔ اللہ والوں کا ایک ادنیٰ غلام ہے۔ میں اللہ والا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن میں نے ساری عمر اللہ والوں کی غلامی کی ہے۔ میری اللہ والوں کی غلامی کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ جنوبی افریقہ کے عُلماء موجود ہیں ان سے پوچھ لیجیے کہ کیا حالات ہیں۔ عُلماء کی زندگیوں میں کیسا انقلاب آیا ہے، مولانا...... بہت بڑے دارالعلوم کے مہتمم ہیں میرے ہاتھ پر بیعت ہوگئے، اللہ اللہ کیا، نفس کی اصلاح ہوئی، تقویٰ نصیب ہوا، میری طرف سے ان کو اجازت بھی ہے، اب خود کہتے ہیں کہ میری تقریر میں وہ اثر نہ تھا جو اب اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اب جو بات کہتا ہوں دردِ دل سے کہتا ہوں، اشکبار آنکھوں سے کہتا ہوں روتے ہوئے دل سے کہتا ہوں۔ اب تبلیغ بھی جاری ہے، اصلاحِ نفس بھی جاری ہے۔ لوگ بہت کثرت سے بیعت بھی ہو رہے ہیں۔ دین کا نفع کئی گنا بڑھ گیا اور شیخ الحدیث...... بہت بڑے دارالعلوم کے جو اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت ہوئے بُخاری شریف پڑھاتے ہیں ماشاء اللہ! ساری زندگی تبلیغ میں لگے رہے، اب بھی سارے عالَم میں تبلیغ کے لیے جارہے ہیں مگر یہی کہتے ہیں کہ ہماری تبلیغ میں تاثیر بڑھ گئی، لوگ ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں اور جنوبی افریقہ کے ایک بہت بڑے شہر کے تبلیغی جماعت کے امیر جن کو جنوبی افریقہ کے عُلماء جو یہاں موجود ہیں جانتے ہیں وہ کعبہ شریف میں میرے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ایک سال بعد ملے تو کہا کہ تقویٰ کا اتنا بڑا نفع ملا ہے جو زندگی بھر نہیں ملا تھا اگرچہ ساری زندگی دین ہی کی محنت میں گزری، بیعت ہونے کے بعد نظر کی حفاظت کا انعام ملا۔ اب ایک نظر بھی خراب نہیں ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز میں ہوں، لندن میں ہوں یا کہیں بھی اور اس نعمت پر وہ اتنا مست ہوئے کہ کہتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ سارے تبلیغی دوستوں کو آپ سے (یعنی اس فقیر سے) بیعت کرادوں کیوں کہ بغیر تقویٰ کے ولایتِ خاصہ حاصل نہیں ہوسکتی اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

ایک ہزار سال سے اپنے بزرگوں کا یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ بغیر پیر کے کوئی اللہ والا نہیں بنا۔ کتنے لوگ جنھوں نے بغیر پیر کے چلنا چاہا اللہ اللہ کر کے پاگل ہوگئے کیوں کہ کوئی مُرشد نہیں تھا، ذکر میں مزہ آیا ایک ہزار کے بجائے دس ہزار کرنے لگے، تحمّل سے زیادہ محنت کی دماغ میں خشکی ہوگئی یہاں تک کہ پاگل ہوگئے۔ لوگوں نے سمجھا کہ مجذوب ہوگئے حالاں کہ حقیقت میں پاگل ہوگئے۔ میرے شیخ شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جس طرح کار کے لیے ڈرائیور ضروری ہے اسی طرح اللہ کا راستہ طے کرنے کے لیے شیخ ضروری ہے۔ جس کار پر کوئی ڈرائیور نہ ہو تو جہاں تک موڑ نہیں آئے گا کار سیدھی چلی جائے گی لیکن جہاں کوئی موڑ آیا وہیں تصادم ہو جائے گا اسی طرح جن کا کوئی شیخ نہیں تھا وہ کچھ دور تو صحیح چلے لیکن کہیں جاہ کے موڑ پر ٹکرا کر تباہ ہوگئے کہیں باہ کے موڑ پر تباہ ہوگئے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اگر کار کا بریک ڈرائیور سے کہے کہ گدھے کی لید لگا ہوا بوٹ میری گردن پر رکھ کر میری شان میں گستاخی کرتے ہو! تو ڈرائیور کہے گا کہ میرے بوٹ سے مت گھبرا۔ اگر تیری گردن پر میرا بوٹ نہیں ہو گا تو ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ نہ تو رہے گا، نہ موٹر رہے گی نہ موٹر والا۔ اس لیے بزرگوں کا سایہ بہت بڑی نعمت ہے۔ مُرشد کے سائے میں جیو، اس کی روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ سے نہ گھبراؤ۔ یہی تمہیں عجب و کبر کے ایکسیڈنٹ سے بچائے گی۔ جن کے پاس علم تھا لیکن کسی اللہ والے بزرگ سے تعلق نہیں تھا وہی گمراہ ہوگئے۔ پرویزی، قادیانی وغیرہ جتنے فرقے باطل ہیں ان کے بانی علم کسی درجہ میں رکھتے تھے لیکن کوئی ان کا مربّی نہیں تھا جس سے یہ مربیٰ نہ بن سکے۔ اگر آپ کسی دوکان پر جائیں اور کہیں کہ سیب کا مربّہ چاہیے مگر ایسا ہو جس کا کوئی مُربّی نہ ہو، خود کتاب پڑھ کر مُربّہ بن گیا ہو تو دوکاندار کہے گا کہ آپ کسی دماغ کے ڈاکٹر سے علاج کرائیے۔ دنیا میں کوئی مربّہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کا کوئی مربّی نہ ہو۔ اپنے بزرگوں کو دیکھ لیجیے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃُ اللہ علیہ خلیفہ ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃُ اللہ علیہ کے اور ان کے شیخ ہیں قُطبِ العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃُ اللہ علیہ جو فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے خلیل کو اللہ تعالیٰ نے نسبتِ صحابہ عطا فرمائی ہے۔ حضرت

مولانا الیاس صاحب رحمۃُ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃُ اللہ علیہ سے تربیت پائی، ان سے مُربّیٰ ہوئے پھر مُربّی ہوئے اور آج سارے عالم میں ان کا خلوص پھیل رہا ہے۔ کوئی دیسی آم لنگڑا آم نہیں بنا جب تک کسی لنگڑے آم کی قلم سے پیوند نہیں کھایا۔ دیسی آم کو لنگڑے آم کی قلم سے کَس کے پٹّی باندھتے ہیں اگر کَس کے نہ باندھیں، رابطہ ڈھیلا رہے تو لنگڑے آم کی خاصیت دیسی آم میں نہیں آئے گی اور دوسرا کام یہ کرتے ہیں کہ دیسی آم کو آگے نہیں بڑھنے دیتے، کاٹتے رہتے ہیں اس طرح لنگڑے آم کی تمام خاصیت دیسی آم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی مولوی بھی مولیٰ والا نہیں ہو سکتا جب تک کسی مولیٰ والے سے پیوند نہیں لگائے گا یعنی اس کی صحبت اختیار نہیں کرے گا اور تعلق اس اللہ والے سے ڈھیلا ڈھالا نہ ہو خُوب مضبوط ہو تب اس اللہ والے کی خصوصیات اس کے اندر منتقل ہوں گی اور جس طرح دیسی آم کو آگے نہیں بڑھنے دیتے، کاٹتے رہتے ہیں اسی طرح شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو فنا کر دو، آگے نہ بڑھو ورنہ دیسی کے دیسی ہی رہو گے لہٰذا شیخ سے خوب قوی تعلق ہو اور اس کی رائے میں اپنی رائے کو فنا کر دو تو دیسی آم تو لنگڑا آم بنتا ہے لیکن دیسی دل لنگڑا دل نہیں بنے گا تگڑا دل بنے گا اور ایسا تگڑا دل بنے گا کہ لاکھوں انسان اس سے فیض یاب ہوں گے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

نفسِ خود را کش جہانے زندہ کن
خواجہ را کشتہ ست اُو را بندہ کن

فرمایا کہ اپنے نفس کو مارلو، نفس کی بُری بُری خواہشوں کو قتل کر دو یعنی جب نفس میں بُری خواہش کا تقاضا پیدا ہو تو اس تقاضے پر عمل نہ کرو تو گویا تم نے اپنے نفس کو قتل کر دیا۔ اور ڈرو مت کہ اگر ہم نے خواہشوں کو مار دیا تو ہمارے پاس کیا رہے گا۔ بظاہر تو خواہشوں کی موت نظر آرہی ہے لیکن اگر تم نے ذرا سی ہمت کر لی تو ان خواہشوں کی موت سے تمہیں ایسی حیات عطا ہو گی کہ تم اپنی جان میں سینکڑوں جان محسوس کرو گے اور ایک عالم تم سے زندہ ہو گا۔ نفس تو غُلام تھا، روح آقا تھی لیکن تمہارے نفس نے

روح کو مار دیا ہے، غلام نے آقا کو قتل کر دیا ہے لٰہذا تم اس سے قصاص لو، مولانا رومی نے دلیل قرآن پاک کی پیش کی کہ:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ[۹]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ اگر تم قصاص لے لو یعنی اگر قاتل کو قتل کر دیا جائے تو لاکھوں انسانوں کو زندگی مل جائے گی کیوں کہ ملک سے قتل ختم ہو جائے گا۔ پس اگر تم بھی اپنے نفس کی مملکت میں بُری خواہشوں کو قتل کر دو تو تم کو ایک حیاتِ ایمانی، حیاتِ احسانی، حیاتِ دوستاں، حیاتِ عاشقاں، حیاتِ باصفا و حیاتِ باوفا اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ بہت دن نفس کے غلام رہ چکے اور اس غلامی کی ذلتوں، تکلیفوں اور بے چینیوں کو دیکھ چکے کہ یہ جہاں چاہتا ہے تمہاری روح کو لے جاتا ہے، جہاں چاہتا ہے عورتوں کو دیکھتا ہے، جو گناہ چاہتا ہے کرتا ہے اور روح بیچاری مغلوب و مظلوم ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے لومڑی شیر پر بیٹھی ہوئی ہنس رہی ہو تو یا تو یہ شیر نہیں ہے یا پھر شیر اس کے عشق میں مبتلا ہے ورنہ بھلا لومڑی کی مجال تھی کہ شیر پر سوار ہوتی۔ یہ جسم (نفس) تو گھوڑا اور سواری ہے روح سوار ہے اور سواری کو سوار کے تابع ہونا چاہیے۔ سوار جدھر چاہے اس کا لگام پھیر دے لیکن اگر کسی شخص کو دیکھو کہ بے بس گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے، گھوڑا جدھر چاہتا ہے اس کو لے جاتا ہے تو یہ سوار نہیں ہے، گھوڑا اس پر سوار ہے۔ اسی طرح جس کا نفس اس سے جو گُناہ چاہتا ہے کراتا ہے تو معلوم ہوا کہ روح سوار نہیں ہے نفس خود اس پر سوار ہو گیا ہے، روح سواری بن گئی ہے اور نفس دشمن کے قبضے میں آ گئی ہے لٰہذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس نفس دشمن کو مغلوب و محکوم کر کے روح کا غلام بناؤ، سواری کو سوار کے تابع کرو کہ یہ تمہارے اشاروں پر چلے، جہاں کہو کہ نظر جھکا لے تو یہ نظر جھکا لے، جو حکم اس کو دے دو یہ خلاف ورزی نہ کر سکے۔ جب روحانیت غالب ہو جائے گی تو نفس مغلوب ہو جائے گا۔ جب کہو گے کہ مسجد کی طرف چل تو مسجد کی طرف جائے گا اور اگر

---

[۹] البقرة:۱۷۹

کبھی شرارت کرے کہ گُناہ کرو، سینما کی طرف چلو تو لگام کھینچ کر اس کو روک لو۔ لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب روح میں طاقت ہو اور نفس کمزور ہو لہٰذا اس کو گناہوں کی حرام غذا نہ دو تو یہ کمزور ہو جائے گا ورنہ پوری زندگی گُناہ کراتا رہے گا۔ بتائیے کہ مرنے کے بعد کیا نفس کوئی گُناہ کرا سکتا ہے؟ تو یہ شرافت نہیں ہے کہ جب تک گُناہ کر سکتے تھے گُناہ کرتے رہے اور جب مر گئے تو متقی بن گئے۔ مرنے کے بعد کوئی متقی نہیں بن سکتا کیوں کہ اب تو اختیار ہی ختم ہو گیا اور تقویٰ اس کا نام ہے کہ نفس میں گُناہ کرنے کی طاقت ہو پھر گُناہ نہ کرو تو اب تم متقی ہو۔ بس جس دن اپنے نفس کو مار دیا تو اس دن تم خود جی اُٹھو گے اور ایک عالم تم سے جی اُٹھے گا لہٰذا اللہ کی محبت میں مرنے جینے کا ارادہ کر لو کہ گُناہوں سے بچنے کی تکلیف سے اللہ پر مرتا رہوں گا اور عبادت کی لذتوں سے اللہ پر جیتا رہوں گا۔ یہ ہے اللہ پر مرنا اور جینا۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جس وقت تم گُناہوں سے بچنے کی تکلیف اُٹھانے لگو گے، حرام خواہشوں پر عمل نہ کرو گے، جب آنکھوں کی مٹھاس مجھ پر فدا کرو گے تو میں تمہیں دل کی مٹھاس دوں گا اور میری مٹھاس غیر فانی، غیر محدود اور بے مثل ہو گی۔ اس کے برعکس دنیوی مٹھاس فانی بھی ہے اور محدود بھی مشوّش بھی ہے اور مکلف بھی، ایسی فانی مٹھاس پر کہاں حیات ضایع کرتے ہو۔

اس کے برعکس نفس میں طاقت آتی ہے اس کو گُناہوں کی حرام غذا دینے سے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح بعض شکاری ہرن کا شکار کرنے نکلے، ان کی نیت ہرن کے شکار کی تھی لیکن اتنے میں اچانک جھاڑی سے جنگلی سور نکلا اور شکاری کو منہ میں دبوچ کر مار ڈالا، اسی طرح بعض لوگ اللہ کے راستے میں چلے ولی اللہ بننے کے لیے لیکن نفس و شیطان نے انہیں غیر اللہ میں مبتلا کر دیا، کسی حسین اور نمکین شکلوں کے رنگ و روغن کے عشق میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تک نہ پہنچ سکے۔ اس لیے سالک کو چاہیے کہ ہر وقت ہوشیار رہے، حسینوں کو دیکھ کر کبھی خوش نہ ہو بلکہ دور سے پناہ مانگے کہ یا اللہ بچا۔ جہاں غیر اللہ آیا وہ دل اللہ کے قابل نہیں رہتا۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آ جائے
حریمِ دل کا احمدؔ اپنے ہر دم پاسباں رہنا

بعض بے وقوف لوگ جو اپنے زعم میں اللہ کے طالب ہیں لیکن حسین شکلوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں اور دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں یہ حرام خوشی محسوس کرنے والا انتہائی گدھا، نمک حرام اور خبیث الطبع ہے اور کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

ہم خُدا خواہی و ہم دنیائے دُوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

مولانا رومی فرماتے ہیں: اللہ کو بھی چاہتے ہو اور دنیائے مردار کی حرام لذّت بھی اُڑانا چاہتے ہو۔ لہٰذا اللہ کو پانے کا تمہارا خیال محض جنون اور پاگل پن ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق نصیب ہو جائے وہ تو حسین شکلوں کو دور سے دیکھ کر ہی کانپنے لگے گا اور راستہ بدل دے گا اور کہے گا:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ

میں تو اپنے رب کی طرف جاتا ہوں جو مجھے بہت جلد مل جائے گا۔ لیکن محروم القسمت، نفس کے تابع اور خبیثُ الطبع اسی راستے کی طرف چلتے ہیں اور نفس ان کو دھوکا دیتا ہے کہ دیکھیں گے نہیں۔ نفس کی چالیں بہت باریک ہوتی ہیں، یہ ایسا گراتا ہے کہ سالک کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے شیخ وہ ہونا چاہیے جو ماہرِ نفسیات بھی ہو، بالکل بھولا بھالا نہ ہو کہ اس کو پتا ہی نہ ہو کہ کیا ہوتا ہے خصوصاً حُسن و عشق کے تمام حالات کو خوب جانتا ہو لیکن متقی ہو سب کچھ جانتا ہو مگر بچتا ہو وہی ایسے مریضوں کا علاج کر سکتا ہے۔ یہ میں جو کچھ بتا رہا ہوں فرضی قصے نہیں ہیں مثلاً بہت سے لوگ جہاز میں کنارے والی سیٹ پر بیٹھتے ہیں تاکہ آتے جاتے ایئر ہوسٹس کے جسم سے کہنی لگ جائے (Touch) ہو جائے۔ نفس کی سازشیں بہت باریک ہوتی ہیں ان کو وہی سمجھ سکتا ہے جس پر اللہ کا فضل ہو۔ اس نفس کے اتنے مکر اور کید ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کی حفاظت فرمائیں وہی اپنے نفس کی مکاریوں کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی لیے حضرت حکیم الامت مجدّد الملّت مولانا

اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی حسین کو دیکھ کر اپنی ٹوپی کو صحیح نہ کرو، داڑھی میں کنگھی نہ کرو، چشمہ ٹھیک کرکے نہ لگاؤ، بالوں کو نہ سلجھاؤ، چہرے کا پسینہ نہ صاف کرو کہ یہ سب نفس کے مکر ہیں اس طرح وہ آپ کو اس حسین کی نظروں میں منتخب یعنی (Selected) کرانا چاہتا ہے۔

اسی لیے اس شعر میں مولانا رومی نے فرمایا کہ نفس کو مغلوب کردو، اس کی بُری خواہشات کو ماردو تو تمہاری روح غالب ہوجائے گی اور تم کو ایسی حیاتِ ایمانی عطا ہوگی کہ ایک جہان تم سے زندہ ہوگا۔ لیکن نفس کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ[10] نفس سرکش اور اَمّارَۃٌ بِالسُّوْءِ سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہو اور اللہ کی رحمت ملتی ہے اللہ والوں سے جن کے تذکرے ہی سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں اِنَّ الرَّحْمَۃَ تَنْزِلُ عِنْدَ ذِکْرِ الصّٰلِحِیْنَ فَضْلًا عِنْدَ وُجُوْدِھِمْ[11] کے تذکروں سے رحمت نازل ہوتی ہے تو جہاں وہ خود ہوں گے وہاں کس قدر رحمت کا نزول ہوگا۔ اس لیے جو اللہ والوں کے سائے میں آجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ نفس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

نفس نتواں کشت اِلاّ ظِلّ پیر
دامنِ آں نفس کُش را سخت گیر

فرماتے ہیں کہ پیر کے سائے کے بغیر نفس نہیں مر سکتا، لہٰذا اس نفس کش یعنی اللہ والے کا دامن بہت مضبوطی سے پکڑلو۔

آپ لوگوں کے آنے کی برکت محسوس ہورہی ہے ورنہ میں بوجہ ضعف مثنوی نہیں پڑھاتا لیکن سوچا کہ اتنے بڑے بڑے عُلماء چھ سات ملکوں سے آئے ہوئے ہیں اور ان کی فرمائش بھی ہے درسِ مثنوی کی۔ اس سے یہاں رہنے والوں کا بھی بھلا

---

[10] یوسف:۵۳

[11] مرقاۃ المفاتیح:۴/۱۴۴ (۱۶۴۸)،کتاب الجنائز ،باب المشی بالجنازۃ والصلٰوۃ علیھا،دارالکتب العلمیۃ،بیروت

ہو جائے گا۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کی وجہ سے کھانا اچھا پکتا ہے تو گھر والے بھی اچھا کھا لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے مثنوی شروع کی۔ اس کا پورا مزہ جب آئے گا جب اس کو یاد کر کے سینوں میں رکھ لیں۔ علم در سینہ نہ کہ در سفینہ۔ علم اپنا وہی ہے جو سینے میں ہو ورنہ کشتی میں کتابیں رکھی ہوں پڑھی بھی ہوں لیکن سینے میں نہیں تو کس کام کی۔ جب سینے میں نہیں ہے تو کس کو سناؤ گے۔ یہ بزرگوں کے اقوال ہیں۔ علم پر ایک اور بزرگ کا قول یاد آگیا جو میں نے اپنے شیخ سے بارہا سُنا، آپ لوگ بھی یاد کر لیجیے کام آئے گا۔ شیخ فرماتے تھے: ”یک من علم را دہ من عقل باید“ یعنی ایک من علم کے لیے دس مَن عقل چاہیے، اس علم کے استعمال کے لیے اور یہ عقل بدونِ صحبت و تربیت اہل اللہ نصیب نہیں ہوتی۔ دین کی سمجھ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس پر ایک واقعہ سُناتا ہوں۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب کے ہاتھ پر حضرت کے بچپن کا ایک ساتھی جو حضرت کے ساتھ لاٹھی سیکھتا تھا بیعت ہو گیا۔ بیعت ہوتے ہی اس نے سوال کیا کہ حضرت! میں درُود لکّھی، درُود تاج، دُعائے گنج العرش پڑھتا ہوں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ احقر بھی موجود تھا اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب بھی موجود تھے۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ دیکھو حضرت کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر اس کو منع کرتے ہیں تو یہ ان پڑھ ہے فوراً الزام لگائے گا کہ آپ لوگ وہابی ہیں اور بھاگ جائے گا اور دین سے محروم ہو جائے گا اور اگر منع نہیں کرتے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ دھومی خاں یہ بتاؤ کہ ایک درُود تو اُمّت کے عُلماء کا بنایا ہوا ہو اور دوسرا درُود خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہو تو ان میں کون سا بہتر ہو گا۔ اس نے کہا آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کا درود ہو سکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ نماز میں جو درُود شریف پڑھتے ہو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو عطا فرمایا ہے لہٰذا جتنی دیر تم اُمّت کے لوگوں کے بنائے ہوئے درُود شریف پڑھتے ہو ان کے بجائے اتنی دیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ درُود شریف پڑھ لیا کرو۔ ہم لوگ حضرت کے اس جواب پر حیران رہ گئے کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔

مجلسِ درسِ مثنوی

۲۱؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۲؍ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز دوشنبہ

بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

عشق من پیدا و دلبر ناپدید
در دو عالم ایں چنیں دلبر کہ دید

ارشاد فرمایا کہ جب یہ شعر پڑھتا ہوں تو مجھے اپنے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کی یاد آجاتی ہے۔ حضرت جب رات کو تہجّد کے لیے اُٹھتے تھے تو اس شعر سے ان کا آغازِ بندگی ہوتا تھا۔ استنجے کے لیے لوٹا لیے جارہے ہیں اور یہ شعر پڑھتے جارہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہر وقت وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ آہ! وہ پر کیف دن یاد آتے ہیں جب پھولپور کے جنگل میں جہاں کسی انسان کی آواز نہیں آتی تھی سوائے شیخ کے نعرہ ہائے عشق کے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ پھولپور میں دس برس تک مجھے اللہ نے شیخ کی خدمت کی توفیق دی۔ جون کی گرمی میں جب قریب کے تالاب کا پانی ختم ہوجاتا تھا تو سخت لو میں ایک میل دور ندی سے حضرت کے لیے پانی لاتا تھا اور حضرت کے کپڑے اختر ہی دھوتا تھا اور رات کو تین بجے اُٹھ کر وضو کرانا بھی میرے ہی ذمہ تھا۔ کیا کہوں کیا لُطف آتا تھا۔ رات کو اُٹھنے کے بعد حضرت کی زبان پر یہی شعر ہوتا تھا ؎

عشق من پیدا دلبر ناپدید

میرا عشق تو ظاہر ہے کہ میں رات کو اُٹھ رہا ہوں، وضو کررہا ہوں، نماز میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوں یعنی بندوں کے اعمالِ عشق تو نظر آرہے ہیں، وضو، نماز، روزہ یہاں تک کہ عشّاق اپنی گردنیں بھی جہاد میں کٹارہے ہیں لیکن جن کے لیے یہ اعمالِ محبت کیے جارہے ہیں وہ محبوب نظر نہیں آتا، وہ نگاہوں سے پوشیدہ ہے اس پر ہم ایمان بالغیب

رکھتے ہیں، بغیر دیکھے ان پر نیندیں قربان کرتے ہیں اور اپنی جانیں فدا کرتے ہیں۔

در دو عالم ایں چنیں دلبر کہ دید

دونوں عالم میں میں ایسا محبوب کوئی دکھائے کہ وہ نظر نہ آئے اور بغیر دیکھے جس پر عشّاق اپنی گردنیں کٹارہے ہیں، بغیر دیکھے جس کے لیے آدھی رات کو اُٹھ کر سخت سردی میں وضو کررہے ہیں اور بغیر دیکھے جس کے سامنے سجدے میں سر رکھ رہے ہیں۔ دونوں عالم میں ذرا کوئی ایسا محبوب دکھائے تو سوائے اللہ کے۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتادے
لا مجھ کو دکھا اُن کی طرح کوئی اگر ہے

اس کا کوئی ہمسر، کوئی برابری کرنے والا نہیں، اس کی ذات وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ اور وَحۡدَهٗ لَاشَرِیۡكَ ہے۔ دونوں عالم میں کون ایسا دلبر ہے کہ بغیر دیکھے جس پر ستّر صحابہ نے اپنی جانیں قربان کردیں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا جنازہ پڑھایا تو ہر جنازہ بزبانِ حال اس شعر کا مصداق تھا۔

اُن کے کوچے سے لے چل جنازہ مرا
جان دی میں نے جن کی خوشی کے لیے
بے خودی چاہیے بندگی کے لیے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کی جدائی کا کتنا غم ہوا ہوگا۔ اسلام ہم تک آسانی سے نہیں پہنچا، صحابہ نے اپنی گردنیں دی ہیں، اپنا خونِ شہادت بہایا اور ہم تک اسلام پہنچایا۔ حکیمُ الامّت فرماتے ہیں کہ اسلام نام ہے اللہ سے عشق کا کہ عاشقانہ عبادت کرو۔ عشق کا صحیح استعمال اللہ پر فدا ہونا ہے، صحابہ خُدا پر فدا ہوگئے اور ہمارے ایمان کا آج یہ حال ہے کہ غضِّ بصر کا حکم ہم کو بھاری معلوم ہوتا ہے۔ آہ! انہوں نے جانیں دیں اور ہم اللہ کے لیے ایک نظر نہیں بچاسکتے، جانوروں کی طرح حسینوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور ہم کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ مُردوں پر، مرنے والی لاشوں پر ہم اپنے ایمان کو ضایع کررہے

ہیں۔ جو لاشوں پر مرتا ہے وہ خود لاشئ ہوتا ہے اگر یہ شئ ہوتا تو لاشئ پر نہ مرتا۔ اس وقت بندہ نہایت حقیر و ذلیل ہوتا ہے جب وہ اپنے لمحاتِ حیات کو خالقِ حیات کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے، مرنے والی لاشوں کی خاطر اپنے مالک اور خالق کو ناراض کرتا ہے۔ غیر اللہ پر فدا ہونا بندے کا بندہ بننا ہے، فقیروں کا فقیر بننا ہے کتنا بڑا جُرم ہے کہ بندے کا بندہ بن گئے جس کا حُسن خود اس کے اختیار میں نہیں۔ اگر لقوہ ہو گیا، فالج گر گیا، پائیریا ہو گیا یا مر گیا تو پھر کہاں جاؤ گے دل کو بہلانے۔ احقر کے دو شعر ہیں جس میں، میں نے میر کو مُخاطب کیا ہے، عجیب بات ہے کہ میر ہی کا نام میرے شعروں میں فٹ ہوتا ہے۔

حسینوں کا جغرافیہ میؔر بدلا
کہاں جاؤ گے اپنی تاریخ لے کر
یہ عالم نہ ہو گا تو پھر کیا کرو گے
زُحل مشتری اور مریخ لے کر

مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ اللہ کو بھول جائے۔ حضرت حکیمُ الامّت مولانا تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں ایک بچہ تھا اس کو لڈّو سے عشق تھا۔ کسی نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ کہا عبد الرحمٰن لڈّو اور ابا کا نام؟ محمود خان لڈّو۔ کہاں جا رہے ہو دادا ابا کے لڈّو۔ ہر بات میں لڈّو کہنا اس کے لیے لازم تھا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مسلمان کی بھی یہی شان ہے کہ ہر وقت مولیٰ کو یاد کرے۔ کوئی نعمت ملی تو کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، کوئی تعجب کی بات دیکھی تو کہا سُبْحَانَ اللہ، کوئی بُری چیز نظر آئی تو اَللہُ اَکْبَرُ، کوئی غم آیا تو اِنَّا لِلّٰہِ۔

ان سے ملنے کو بہانہ چاہیے

شریعت تو ہمیں سراپا عشق بناتی ہے اللہ پر فدا ہونا سکھاتی ہے کہ ہر وقت اپنے مالک کو یاد رکھو۔ لہٰذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ دونوں عالم میں جب اللہ تعالیٰ کی ذات لَا مِثْلَ لَہٗ ہے، کوئی اس کا ہمسر نہیں، اس جیسا کوئی محبوب نہیں تو ان کو چھوڑ کر فانی حسینوں پر جان دینا انتہائی ظلم اور گدھا پن ہے جس پر اگر خون کے آنسو بہا کر تلافی کرو گے تو حق ادا نہیں

ہو سکتا کیوں کہ جن پر زندگی ضایع کی یہ ایسے عاجز اور بے خبر ہیں کہ ان کو اپنے عشّاق کے آنسوؤں کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ کوئی ان کے لیے رو رہا ہے۔ میرا شعر ہے؂

صلہ عشقِ مجازی کا یہ کیسا ہے ارے توبہ
کہ عاشق روتے رہتے ہیں صنم خود سوتا رہتا ہے

اور ایک ہمارا اللہ ہے کہ اگر رات کی تنہائی میں ایک قطرہ آنسو ان کی یاد میں گر گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہوتے ہیں۔ اس لیے محبت کے قابل صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی عقلی دلیل یہی ہے کہ محبوب ایسا ہونا چاہیے جس کا کوئی مثل اور برابری کرنے والا نہ ہو اور جو ہر وقت ہمارے پاس ہو۔ دنیا کا کوئی محبوب ایسا نہیں ہو سکتا جو ہر وقت ہمارے پاس رہے کیوں کہ کبھی اس کو نیند آئے گی یا آپ کو نیند آئے گی تو وہ آپ سے بے خبر ہو گیا اور آپ اس سے بے خبر ہو گئے اور اس طرح سے فراق ہو گیا، صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ[۱۲]

تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے، تم نیند میں اس سے بے خبر ہو سکتے ہو لیکن اللہ تم سے بے خبر نہیں ہوتا وہ اس وقت بھی تمہیں دیکھتا ہے، تمہاری نگہبانی کرتا ہے، تمہارے پاس ہوتا ہے اور وہ ایسا محبوب ہے جس کے حُسن و جمال میں کبھی زوال نہ ہو اور دنیا کے حسینوں کے جغرافیے بدل جاتے ہیں كُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ[۱۳] اللہ تعالیٰ کی ہر وقت ایک نئی شان ہے اور محبت کے قابل وہی ہو سکتا ہے جو اپنے عاشق کو سنبھال سکے اور محبوبانِ مجازی تو خود اپنے کو نہیں سنبھال سکتے، اپنے کالے بالوں کو سفید ہونے سے نہیں روک سکتے، وہ اپنے عشاق کو کیا سنبھالیں گے۔ اس لیے عقلاً و نقلاً محبت کے قابل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

---

[۱۲] الحدید:۴

[۱۳] الرحمٰن:۲۹

مجلسِ درسِ مثنوی

۲۳؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۴؍ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز بُدھ

بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

ارشاد فرمایا کہ نفس کا مزاج اپنی فطرت کے حساب سے فرعونیت ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

نفس فرعون است ہیں سیرش مکُن
تانہ یادش آید آں کُفرِ کُہن

نفس اپنے **اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ** ہونے کی وجہ سے فرعون خصلت ہے لہٰذا اس کو زیادہ سیر مت کرو۔ یہ دو خوراک سے موٹا ہو جاتا ہے۔ ایک تو اس کو غذا بہت زیادہ مت دو۔ اتنا زیادہ گھوڑے کو کھلانا کہ جس سے سوار کو گرادے نادانی ہے۔ بس اتنا کھلاؤ کہ وہ قابو میں رہے۔ نفس کو اتنا زیادہ مت کھلاؤ پلاؤ کہ جس سے تم اس پر کنٹرول اور قابو نہ کر سکو اور دوسری خوراک اس کو گُناہ سے ملتی ہے۔ جسمانی غذا سے اس کو اتنا مزہ نہیں آتا جتنا کہ گُناہ سے آتا ہے اور ہر گُناہ کے بعد اس کی طاقتِ گُناہ کے مزاج میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ شیطان تو یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ جی بھر کے خوب گناہ کرلو پھر ہمیشہ کے لیے متقی بن جاؤ۔ گُناہوں سے پیٹ بھر جائے گا مگر نفس کا پیٹ گُناہوں سے نہیں بھرتا، گُناہ کے تقاضوں میں اور شدت آجاتی ہے کیوں کہ گُناہ نفس کی غذا ہے۔ اپنی غذا پاکر یہ اور تگڑا ہو جاتا ہے اس لیے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ نفس کو سیر مت کرو ورنہ اس کو اپنا پُرانا پاپ یاد آنے لگے گا جس طرح فرعون کو اپنا پُرانا کُفر یاد آ گیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوتِ اسلام دی تو اس کا قفلِ کُفر ٹوٹنے لگا اور وہ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوا لیکن کم بخت نے اپنے وزیر ہامان بے ایمان سے مشورہ کیا تو ہامان نے اپنا سر پیٹ لیا اور مولانا رومی فرماتے

ہیں کہ اس بے ایمان نے فرعون سے کہا کہ اگر تم اسلام لاتے ہو تو پہلے مجھے قتل کر دو کیوں کہ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ آسمان زمین ہو جائے اور خُدا بندہ ہو جائے۔ ہامان نے فرعون کے نفس کو حُبِّ جاہ کی غذا دی جس سے فرعون کا نفس پھول کر کُپّا ہو گیا اور وہ پہلے ہی طغیان و سرکشی و تکبر میں مبتلا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ اسلام سے اس کے نفس کی گرفت کچھ ڈھیلی ہوئی تھی کہ حُبِّ جاہ کی غذا ملتے ہی اس کا نفس پھر شیر ہو گیا اور پھر اس کو اپنا پرانا کُفر یاد آگیا جس نے اس کو برباد کر دیا۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں کہ نفس فرعون ہے اس کو گناہوں کی غذا سے سیر مت کرو۔ فرعون کو جاہ نے مار دیا اگر تم نے حسینوں کو دیکھا تو نفس کو باہ کی غذا مل جائے گی اور گُناہوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے کیوں کہ نفس گناہوں سے سیر نہیں ہوتا۔ اس لیے جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن جہنم سے فرمائیں گے کہ کیا تیرا پیٹ بھر گیا هَلِ امْتَلَاْتِ تو جہنم کہے گی کہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ اللہ میاں! ابھی تو پیٹ نہیں بھرا مجھے اور مال چاہیے تو مولانا رومی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مزاج جہنم کا ہے وہی نفس کا ہے۔ گُناہ سبب ہے جہنم کا اور سبب اور مُسبَّب کا مزاج ایک ہوتا ہے۔ لہٰذا جیسے جہنم کا پیٹ گناہ گاروں سے نہیں بھرا تو نفس کا پیٹ بھی گناہوں سے نہیں بھرتا۔ نفس ایک لاکھ گُناہ کر کے بھی کہے گا هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ اور لاؤ یہاں تک کہ ساری دنیا کے حسینوں کو اگر کوئی دکھا دے اور صرف ایک حسین باقی رہ جائے تو حکیمُ الامّت کا ارشاد ہے کہ بد نظری کرنے والے کے کان میں اتنا کہہ دو کہ ساری دنیا کے حسین میں نے تم کو دکھا دیے، بس ایک باقی ہے تو نفس کہے گا وہ بھی دکھا دو۔ یہ ہے نفس کا مزاج۔ اس کا علاج وہی ہو گا جو جہنم کا ہو گا۔ جو ہیڈ آفس کا علاج ہوتا ہے وہی برانچ کا ہوتا ہے، مرکز کا علاج اور شاخوں کا علاج ایک ہوتا ہے تو جب جہنم کہے گی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہ اے اللہ! میرا پیٹ نہیں بھرا اور گناہ گار سب ختم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کسی بے گناہ مخلوق کو جہنم میں تھوڑی ڈالیں گے بلکہ اپنا قدم رکھ دیں گے فَيَضَعُ قَدَمَهٗ[۱۴] جب اللہ اپنا قدم رکھے گا تو جہنم کہے گی قط قط وفی روایۃ قط قط قط بس

---

[۱۴] صحیح البخاری: ۲/۹۸۵ (۶۷۰۱)، باب الحلف بعزۃ اللہ وصفاتہ وکلامہ، المکتبۃ المظہریۃ

بس بس اللہ پیٹ بھر گیا۔ علامہ قسطلانی رحمۃُ اللہ علیہ شرح بُخاری میں لکھتے ہیں کہ اللہ تو جسم سے پاک ہے وہ قدم کیسے رکھیں گے تو فرماتے ہیں کہ قدم سے مراد اللہ کی خاص تجلی ہے، خاص نور ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں: گناہوں کے تقاضوں کی آگ کا علاج گناہوں کا ارتکاب نہیں ہے، نارِ شہوت کا علاج شہوت کو پورا کرنا نہیں ہے، گناہ کرنے کے خبیث ذوق کا علاج گُناہ کرتے رہنا نہیں ہے۔ یاد رکھو کتنے لوگ گُناہ کرتے کرتے مر گئے لیکن گُناہ کا تقاضا ختم نہیں ہوا اور اسی نافرمانی کی حالت میں بُری موت مرے۔ لہٰذا گناہوں سے بچنے کا علاج صرف اللہ سے تعلق ہے کہ اللہ کے نور اور تجلی کو دل میں لاؤ لہٰذا اللہ کا ذکر کرو، اللہ والوں کے پاس رہو، جب قلب میں نور آئے گا تو نفس کا پیٹ بھر جائے گا پھر گُناہ کرنے کو دل ہی نہ چاہے گا اور اگر چاہے گا بھی تو لگام کی بہت معمولی اور ہلکی سی جنبش سے نفس کا مہذب گھوڑا رُک جائے گا۔ بس دل میں جب اللہ کا نور آئے گا تب شہوت کی آگ بجھے گی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں

نارِ شہوت چہ کُشد نورِ خدا

مثنوی کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہے تو مولانا رومی کی کرامت دیکھیے۔ اتنی چھوٹی سی بحر میں سوال بھی ہے اور جواب بھی۔ سوال کیا ہے؟ نارِ شہوت چہ کُشد؟ یہ سوال ہے فاعلاتن فاعلاتن میں کہ نارِ شہوت کو کیا چیز بجھا سکتی ہے؟ ابھی مصرعہ پورا نہیں ہوا فاعلن کی جگہ باقی ہے۔ اب مولانا رومی کی کرامت دیکھیے کہ فاعلن کی جو جگہ تھی اسی میں جواب دے دیا نورِ خُدا۔ یعنی اللہ کا نور جب دل میں آئے گا تو تمہارے گناہوں کے تقاضے ایک دم بجھ جائیں گے کیوں کہ نور کا مزاج ٹھنڈا ہوتا ہے اور نار میں تکبر اور اکڑ ہوتی ہے۔ نار کا الف ہمیشہ کھڑا رہتا اور نور میں واؤ لگنے سے وہ جُھکا رہتا ہے جس کے قلب میں نور آئے گا وہ واؤ بن جائے گا، اس میں تواضع کی شان پیدا ہو جائے گی جیسے کہ پھل دار شاخ جُھک جاتی ہے۔

نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمیں

اور جس شاخ میں پھل نہیں ہوتا اکڑی رہتی ہے۔ تو جس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں

ہوتی ایسے محروم دل تکبّر میں مبتلا رہتے ہیں اور جن کے قلب کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا پھل عطا کرتا ہے ان میں تواضع آجاتی ہے اور جب دل میں اللہ کا نور آئے گا تو ایک دم جنّت محسوس کروگے، جب خالقِ جنت کو پاجاؤ گے تو جنّت کیا چیز ہے اس کے سامنے؟ میرا شعر ہے ؎

مانا کہ میر گلشنِ جنت تو دور ہے
عارف ہے دل میں خالقِ جنّت لیے ہوئے

اگرچہ ابھی جنّت ادھار ہے لیکن اللہ والے خالقِ جنّت کو نقد پاجاتے ہیں، جس کو مُلّا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ[15]

جو اپنے اللہ سے ڈرے ان کو دو جنّت اللہ دے گا۔ اس آیت کی تفسیر بعض صوفیا نے یہ کی ہے کہ جَنَّةٌ فِی الدُّنْیَا بِالْحُضُوْرِ مَعَ الْمَوْلٰی دنیا کی جنّت یہ ہے کہ ان کے قلب کو اللہ تعالیٰ کا قُرب ہر وقت مست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بجمیع صفاتہٖ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے ان کے قلب میں متجلّی رہتا ہے۔ وہ معیتِ خاصہ سے مشرف رہتے ہیں، خواجہ صاحب کا شعر ہے ؎

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کیے ہوئے
روئے زمیں کو کوچۂ جاناں کیے ہوئے

اور دوسری جنّت کیا ہے جَنَّةٌ فِی الْعُقْبٰی بِلِقَاءِ الْمَوْلٰی[16] اور دوسری جنّت آخرت میں ملے گی جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص حضوری اللہ والوں کو دنیا ہی میں نصیب رہتی ہے جس کی وجہ سے دونوں جہاں سے زیادہ مزے میں رہتے ہیں سوائے دیدارِ الٰہی کے جو آخرت میں نصیب ہوگا جس کا دونوں جہاں میں کوئی مثل نہیں لیکن اس نعمتِ دیدارِ الٰہی کے علاوہ دونوں جہاں کی نعمتوں سے زیادہ لذّت اللہ والے دنیا ہی میں پاجاتے ہیں۔ اختر کا شعر ہے جو آپ سے خطاب کررہا ہے ؎

---

[15] الرحمٰن: ۴۶

[16] مرقاۃ المفاتیح: ۱۶۱/۵، باب رحمۃ اللہ تعالیٰ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

اور دلیل کیا ہے؟ دونوں جہاں کی لذّت کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے تو خالقِ لذّاتِ دو جہان جس دل میں اپنی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہو گا اس کے دل کے عالم کا کیا عالم ہو گا سارا عالم اس کو نہیں سمجھ سکتا، مدرسوں میں دین کی مٹھائیوں کی فہرست پڑھنے والے بھی نہیں سمجھ سکتے اگرچہ وہ اوّل نمبر پاس بھی ہو جائیں فہرست کا امتحان دینے میں۔ مولانا گنگوہی رحمۃُ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ آپ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں کیوں گئے مرید ہونے جب کہ آپ بُخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔ سمرقند، بُخارا اور تاشقند سے طلباء پڑھنے آ رہے ہیں، سارے عالم میں آپ کا ڈنکا پٹا ہوا ہے اور حاجی صاحب تو عالم بھی نہیں ہیں۔ تو فرمایا کہ دین کی مٹھائیوں کی جو فہرست میں نے مدرسے میں پڑھی تھی وہ مٹھائیاں مجھے حاجی صاحب کے ہاں کھانے کو مل گئیں۔ فرمایا کہ حاجی صاحب سب مٹھائیاں کھاتے تھے اگرچہ نام معلوم نہیں تھا اور ہم لوگوں کو نام معلوم ہے مُسمّٰی ہمارے پاس نہیں ہے۔ ایک گلاب جامن گُلاب جامن رٹ رہا ہے اور اوّل نمبر پاس ہو گیا اس کے اجزا بتا کر مگر مُنہ میں گُلاب جامن نہیں ہے تو اسم کے رٹنے سے مسمّٰی کا ملنا لازم نہیں ہے۔ مسمّٰی ان سے ملتا ہے جو مسمّٰی والے ہیں، جو صاحبِ نسبت ہیں جو اللہ والے ہیں۔ میرے شیخ فرماتے تھے مٹھائی ملتی ہے مٹھائی والے سے، کپڑا ملتا ہے کپڑے والے سے، امرود ملتا ہے امرود والوں سے، آم ملتا ہے آم والوں سے اور کباب ملتا ہے کباب والوں سے تو اللہ ملتا ہے اللہ والوں سے۔

ابھی تو مولانا کے ایک ہی مصرع کی شرح ہوئی۔ پورا شعر یہ ہے ؎

نارِ شہوت چہ کُشد نورِ خُدا
نورِ ابراہیم را ساز اوستا

سینما، وی سی آر، اور ٹیڈیوں کو دیکھنے سے تمہارے قلب کو سکون نہیں ملے گا، گناہ کرنے سے شہوت کی آگ نہیں بجھے گی۔ گُناہ سے بچنے سے، اللہ کے ذکر سے، اللہ والوں

کی صحبت سے جب دل میں نور آئے گا تو وہ تمہاری نارِ شہوت کو ٹھنڈا کر دے گا اور آگے کے مصرع میں اس دعویٰ کی دلیل بھی ہے۔

نورِ ابراہیم را ساز اوستا

فرماتے ہیں اے استاد! دیکھیے یہاں مولانا نے ہم سب کو استاذ کہا اور تعلیم دے دی کہ استاد میں ایسی شفقت ہونی چاہیے کہ کبھی دلجوئی کے لیے شاگردوں کو بھی استاذ کہہ دے۔ اگر باپ بیٹے سے کہہ دے کہ بابا! میری بات مان لے تو بیٹے کو مارے شرم کے ڈوب جانا چاہیے اور ایسے باپ پر فدا ہو جانا چاہیے۔ تو آہ! مولانا رومی فرما رہے ہیں کہ اے استادو! حضرت ابراہیم علیہ السلام والا نور حاصل کرو کہ ان کے نور کی وجہ سے نمرود کی آگ بجھ گئی تھی۔ تمہارا نفس بھی نمرود سے کم نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا نور دل میں لاؤ پھر ان شاء اللہ تمہارے نفس کی آگ بھی بجھ جائے گی اور تمہیں اتنی ٹھنڈک ملے گی کہ جو تمہارے پاس بیٹھے گا وہ بھی ٹھنڈک پا جائے گا۔ بُری بُری خواہشات سے جو گرم رہتے ہیں وہ بھی آ کر اللہ والوں کے پاس ٹھنڈک پا جاتے ہیں۔

لحنِ مرغاں را اگر واقف شوی
بر ضمیرِ مرغ کے عارف شوی

ارشاد فرمایا کہ اس شعر میں مولانا الفاظ کے چوروں کو فرما رہے ہیں جو اللہ والوں کے الفاظ چُرا کر اپنی پیری چمکاتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ دیکھو میں کتنا بڑا عارف ہوں اور مجھے کتنے ملفوظات یاد ہیں اور اس کے ذریعہ سے دنیا اینٹھ رہا ہے اور اس کو کوئی حق نہیں برتری کا کیوں کہ خالی نام رٹنے سے اللہ نہیں ملتا، اس کے پاس اسم ہے لیکن مُسمّٰی سے دور ہے۔ ایسے ہی اس جامع الملفوظات کا حال ہے، جو شیخ کے پاس ہر وقت رہتا ہے، ملفوظ نوٹ کرتا ہے وہ گویا مٹھائیوں کے نام نوٹ کر رہا ہے جب عمل اور تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ کے راستے میں غم اُٹھائے گا تب اللہ کو پائے گا۔ یاد رکھو کسی کا ساتھ رہنا دلیل نہیں ہے کہ یہ شخص ولی اللہ بھی ہو گیا اور اپنے شیخ کے الفاظ نقل کرنے سے بھی ولایت ثابت نہیں ہوتی۔ ولایت کا مدار تقویٰ پر ہے۔ جو شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا،

حرام لذّت جس قلب میں در آمد ہوگی وہ قلب تجلیاتِ الٰہیہ سے متجلی نہیں ہو سکتا۔ فسق اور ولایت جمع نہیں ہو سکتیں۔ جو متقی نہیں ہوتا اسے ولی نہیں کہتے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں: دیکھو شیخ کے الفاظ نوٹ کرنے سے یا پڑھنے سے یا نقل کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کہ تم صاحب نسبت بھی ہو۔ اب دلیل کیسی پیش کرتے ہیں۔

لحنِ مرغاں را اگر واقف شوی

اگر تم نے مرغانِ چمن اور پرندوں کی آواز کی نقل بھی کرلی۔

بر ضمیرِ مرغ کے عارف شوی

لیکن اس مُرغ کے دل میں جو مضمون ہے اس کی معرفت تم کو کہاں سے حاصل ہوگی؟ مُرغ کے ضمیر اور اس کے قلب میں جو مفہوم ہے اس کو تم نہیں سمجھ سکتے۔

گر بیاموزی صفیرِ بلبلے
تُو چہ دانی کو چہ گوید با گُلے

اگر بُلبل کی سیٹی اور آواز کی تم نے مشق بھی کرلی اور ویسی ہی سیٹی مارنے لگے جیسے بلبل کی ہوتی ہے لیکن تمہیں کیا پتا کہ بُلبل پھول سے کیا گفتگو کر رہا ہے؟ پس جو لوگ اہل اللہ کے ظاہری الفاظ نقل کرکے لوگوں پر اپنی بزرگی کا رعب جماتے ہیں لیکن کسی اللہ والے سے تعلق کرکے راہِ سلوک طے نہیں کرتے ان کو کیا معلوم کہ اہل اللہ کے باطن کو کیا نعمت حاصل ہوتی ہے، محض نقلِ الفاظ سے ان کے ضمیر اور قلبی احوال و مقامات کی ان کو خبر نہیں ہو سکتی۔ اللہ والوں کی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ربطِ خفی اور اتصال خاص ہے اس کو غیر عارف کیا جان سکتا ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

پس الفاظ اہل اللہ کی زبان پر ہوتے ہیں لیکن معانی دل میں ہوتے ہیں لہٰذا جو جعلی پیر اور نقلی درویش اولیاء اللہ کے اقوال و ملفوظات نقل کرکے دنیا بٹورنے کے لیے اپنی مجالس

گرم کرتے ہیں وہ ان معانی کو کہاں سے لائیں گے جو اللہ والوں کے دلوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی اپنے محبوب دوست سے بات کررہا ہو تو الفاظ اس محبت کے ترجمان ہیں لیکن جو محبت اس کے دل میں ہے اس کا ادراک وہ شخص نہیں کرسکتا جس کے دل میں محبت نہ ہو اور اُن الفاظ کو رٹ لے اس کی زبان پر تو الفاظ ہوں گے لیکن دل میں محبت کی وہ کیفیت نہ ہوگی جو ایک محب اپنے دوست کے لیے رکھتا ہے۔

لہٰذا دنیادار، کمینے اور نقلی فقیروں کی طرح اہل اللہ کے حروف و الفاظ چُرا کر مخلوق کو اپنا گرویدہ نہ بناؤ بلکہ اولیاء اللہ کی صحبت میں جاکر دل میں وہ محبت حاصل کرو جو ان اولیاء کے دلوں میں ہے پھر الفاظ زبان پر ہوں گے اور معانی دل میں ہوں گے جس کی دوسروں کو خبر بھی نہ ہوگی لیکن ان الفاظ میں ایسا نور ہوگا کہ دوسرے بھی اللہ والے ہوجائیں گے۔ مولانا رومی اللہ والوں کی شان میں فرماتے ہیں ؎

شیخ نورانی زرہ آگہ کُنَد
نور را بالفظہا ہمرہ کُنَد

اللہ والے صاحبِ نور ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی اتباع کی برکت سے ان کا دل نورانی ہوجاتا ہے لہٰذا وہ اپنے ارشاد سے راہِ سُنّت سے باخبر بھی کرتے ہیں اور اپنے نور باطن کو اپنے الفاظ کے ہمراہ کردیتے ہیں جس کی برکت سے دوسروں کو بھی ہدایت ہوتی ہے اور اللہ کا راستہ نہ صرف آسان بلکہ لذیذ ہوجاتا ہے۔

* * *

مجلس درس مثنوی

۲۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۵؍ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز جمعرات

بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
انچہ درو ہمت نیاید آں دہد

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے میرے پیارے سالکین! اللہ کے راستے میں گُناہ چھوڑنے میں، تقویٰ سے رہنے میں، حسینوں سے نظر بچانے میں، خونِ تمنا کرنے میں، ہر وقت جائز ناجائز کا غم اُٹھانے میں بے شک آدھی جان جاتی ہے، اس مجاہدے میں اللہ تمہاری زیادہ سے زیادہ آدھی جان لے گا اور اس سے جو غمِ حسرت پیدا ہوگا تو نفس کہے گا کہ میں تو نظر بچاتے بچاتے مر گیا لیکن یاد رکھو اللہ اس آدھی جان کے بدلے میں سو جان عطا فرمائے گا۔ ایک گل کے بدلے میں وہ خالقِ گُلستانِ کائنات اپنے قُرب کا گُلستان دیتا ہے آدھی جان لے کر سو جان دیتا ہے اور اپنے قُرب کی ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا جس کو تم اپنے دائرۂ وہم و گمان میں بھی نہیں لاسکتے۔ ان نعمتوں اور ان لذّتوں اور اس عیش و عشرت کو تم سوچ بھی نہیں سکتے جو ایک زخمِ حسرت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو عطا فرماتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے اور آدمی وہی سوچ سکتا ہے جس کا کوئی مثل ہو۔ جب اس کا کوئی مثل نہیں تو کوئی اس لذّتِ قُرب اور حلاوت ایمانی کو اپنے دائرۂ وہم و گمان اور دائرۂ عقل و فکر میں نہیں لاسکتا جب تک اللہ تعالیٰ عطا نہ فرمائیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْہُ اور اللہ رحمٰن و رحیم ہے۔ اگر آپ کے راستے میں کوئی غم اُٹھائے تو کیا آپ اس پر مہربانی نہیں کریں گے؟ اللہ کے راستے میں جو بندے غم اُٹھائیں اور اپنی بُری خواہش نہ پوری کریں تو کیا اللہ تعالیٰ

ان کے قلب کا پیار نہیں لے گا؟ یقیناً اللہ کا پیار اس کو نصیب ہو گا مگر اللہ دل کا پیار لیتا ہے، جسم پر اس کے آثار نظر نہیں آتے اگر یہ جسم پر نظر آجاتے تو پرچہ آؤٹ ہو جاتا اور پھر دنیا میں کوئی کافر نہ رہتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کے قلب کو اپنا پیار عطا کرتے ہیں جس کو ان کا دل محسوس کرتا ہے کہ اس وقت کتنی حلاوتِ ایمانی عطا ہوئی۔

مولانا رومی نے اس شعر میں سلوک کا بہت بڑا مسئلہ اور ایک بہت بڑا انعام بیان فرمایا ہے کہ اللہ کے راستے میں تقویٰ اختیار کرنے میں یعنی گُناہ چھوڑنے کا غم اُٹھانے میں، اپنی حرام آرزوؤں کا خُون کرنے میں اگرچہ مُجاہدہ شدید ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ولایت اور حلاوتِ ایمانی اسی پر موقوف ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی رات بھر تہجد پڑھے اور دن بھر روزہ رکھے اور ہر سال حج و عمرہ کرے لیکن اگر عورتوں سے اور لڑکوں سے نظر نہیں بچاتا، گناہوں سے نہیں بچتا تو باوجود عبادت کے یہ شخص فاسق ہی رہے گا، فاسقین کے رجسٹر سے اس کا خروج نہیں ہو گا۔ اور ایک شخص صرف فرض، واجب اور سُنّتِ مؤکدہ ادا کرتا ہے مگر ایک لمحہ اللہ کو ناراض نہیں کرتا، ایک سانس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے کو مشغول نہیں ہونے دیتا، جان کی بازی لگائے رہتا ہے، نفس دشمن کو للکارتا رہتا ہے کہ اگر گُناہ چھوڑنے سے میری جان بھی چلی جائے گی تو میں موت کو قبول کرلوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کروں گا، یہ شخص ولی اللہ ہے اور جو شخص جیتے جی گُناہ چھوڑنے کو تیار نہیں لیکن ایک دن مرنے کے بعد یہی خبیث سب گُناہ چھوڑے گا لیکن اب اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا کیوں کہ اب یہ گُناہ کر ہی نہیں سکتا۔ بتاؤ مرنے کے بعد کوئی جنازہ کسی عورت کو یا لڑکے کو دیکھ سکتا ہے؟ اگر کوئی وصیت بھی کردے کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے مسجد میں یا کعبہ شریف میں رکھ دینا اب میں تا قیامت اللہ پر فدا رہوں گا تو بتایئے اس وصیت سے اس کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ زندگی بھر تو نافرمانی نہ چھوڑی، بد نظری اور گندے کام کرتے رہے جب لاشئ ہوگئے تو اب کیا فدا کروگے۔ لاش کے معنیٰ ہیں لاشئ، اب تم ہو ہی نہیں، عدم ہو۔ وجود فدا ہوتا ہے عدم نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ زندگی ان پر فدا کردو، مُردہ جسم ان پر فدا نہیں ہو سکتا اور

کوئی وصیت بھی کر دے تو مرے ہوئے جسم کو اللہ قبول نہیں کریں گے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ جیتے جی اللہ پر فدا ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ زندگی ان پر فدا کر دو لہٰذا جتنی اچھی طاقت ہو اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور خاص طور پر جوانی کو فدا کرنے پر اللہ زیادہ خوش ہو جائے گا کہ یہ جوانی اور طاقت کے باوجود ہم پر فدا ہوا ہے۔ ایک کمزور بڈھا بکرا ہو جس کے پیر کانپ رہے ہوں تو بتاؤ اس کی قُربانی کیسی ہو گی؟ پوچھ لو عُلماء سے۔ جس کی جتنی طاقت ہے اللہ پر فدا ہو جائے ورنہ زیادہ کمزور ہو جاؤ گے تو تمہاری قربانی بھی کمزور ہو جائے گی اور روز بروز ہم لوگ کمزوری کی طرف جا رہے ہیں، روز بروز ہم بُڈھے ہوتے جا رہے ہیں لہٰذا کمزور جان فدا کرنے کا انتظار مت کرو تگڑی جان اللہ پر دے دو جس حالت میں ہو دیر نہ کرو اور اس میں خواہ کتنا ہی غم ہو اس کو برداشت کرو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اس مُجاہدے میں اللہ آدھی جان لیتا ہے لیکن اس کے بدلے میں وہ کریم مالک سینکڑوں جان عطا کرتا ہے، اپنے قُرب کی ایسی لذّت عطا کرتا ہے جس کو ابھی تم سوچ بھی نہیں سکتے۔

اس کے برعکس جو شخص مُجاہدے سے جان چُراتا ہے اللہ کی نافرمانی پر جری ہوتا ہے مبتلائے فتنہ کر دیا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از شرابِ قہر چوں مستی دہد
نیست ہارا صورتِ ہستی دہد

اللہ تعالیٰ جس پر اس کے طغیان اور سرکشی کے سبب عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے قہر کی شراب پلا دیتا ہے۔ جس کو خُدا قہر و عذاب کے شراب کی مستی دیتا ہے تو وہ فانی معشوقوں پر مرتا ہے۔ کہتا ہے: ہائے کیسا نمک ہے، کیسا چمک دار چہرہ ہے، ناک اُٹھی ہوئی ہے، پتلے پتلے ہونٹ مثل گُلاب کی پنکھڑی کے ہیں، آنکھیں تو ایسی ہیں کہ ان کو دیکھ کر ہرن کی آنکھیں بھی شرما جائیں، یہ بدمستیاں دلیل ہیں کہ یہ شخص خُدائے تعالیٰ کے قہر میں مبتلا ہے۔ میرا شعر ہے۔

حُسنِ فانی سے ترا آہ یہ شاداں ہونا
یہی دلیل ہے ظالم ترا ناداں ہونا

یہ دلیلِ قہر ہے۔ آہ! یہ مولانا روم ہیں، بہت بڑی شخصیت تھے، یہ شخص سلطان الاولیاء ہے اپنے زمانے کا۔ فرماتے ہیں کہ جس کو خُدا اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتا ہے اسے فانی شکلوں کے عشق میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

نیست ہارا صورتِ ہستی دہد

پھر وہ فانی شکلوں پر مرتا ہے کہ آہا کیسی شکل ہے۔ فانی صورتیں اسے عظیم الشان اور پائندہ حقیقت نظر آنے لگتی ہیں، باطل حق نظر آنے لگتا ہے۔ اس تقلیبِ ابصار سے حدیثِ پاک میں پناہ مانگی گئی ہے اور یہ دعا سکھائی گئی اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔[۱۷] اے اللہ! ہمیں حق کا حق ہونا دکھادیجیے اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمائیے اور باطل کا باطل ہونا دکھادیجیے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

بس اللہ والے اس قہر سے محفوظ کیے جاتے ہیں لہٰذا حسینوں کے فرسٹ فلور پر نظر پڑتے ہی نظریں نیچی کرلیتے ہیں کیوں کہ حسین جسموں کے گراؤنڈ فلور کی گندگی ان کو مستحضر رہتی ہے کہ اندر سب پیشاب پاخانہ بھرا ہے اور اوپر چاندی کا ورق ہے۔ اللہ کی نافرمانی پیشاب پاخانہ سے بھی بدتر چیز ہے۔ تو جب کسی فانی حسین شکل پر نظر پڑتے ہی دل میں مستی آئے تو فوراً نظر ہٹالو اور اس مستی سے پناہ مانگو کہ یہ عذاب کی مستی ہے۔ یہ وہی مستی ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ[۱۸]

ترجمہ: اور وہ (قومِ لوط والے) اپنے نشہ میں مست ہو رہے تھے۔

---

[۱۷] تفسیر ابن کثیر: ۲۸۱/۲، البقرۃ (۲۱۳)، مؤسسۃ قرطبۃ

[۱۸] الحجر: ۷۲

مولانا کا یہ کیسا پیارا شعر ہے جس کی شرح بھی کیسی پیاری مولانا کی برکت سے عطا ہو رہی ہے۔ فانی صورتوں کا عشق عذاب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شکل پر مر رہے تھے، پاگل ہو رہے تھے اس کے بعد جب وہی شکل بگڑ گئی، داڑھی آگئی اور مونچھیں بھی ایسی بڑی بڑی آگئیں کہ ہونٹ ہی چھپ گئے تو اس وقت کیوں اس شکل سے گدھے کی طرح بھاگتے ہو۔

حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَۃٌ فَرَّتۡ مِنۡ قَسۡوَرَۃٍ[۱۹]

اس خاکہ کو میں نے اپنی رباعی میں پیش کیا ہے۔

مونچھوں کے زیرِ سایہ لبِ یار چھُپ گئے
داڑھی کے زیرِ سایہ وہ رُخسار چھُپ گئے

بالوں کی سفیدی میں زُلفِ یار چھُپ گئے
جتنے تھے یارِ حُسن وہ سب یار چھُپ گئے

اس رُباعی کو میں نے جامعہ اشرفیہ لاہور کے تخت پر پڑھا تھا۔ بڑے بڑے عُلماء تھے، الحمدللہ! سارے عُلماء مست ہوگئے اور کہنے لگے کہ عجیب اصلاحی شعر ہے۔ تو معشوق کی اس حالت کو دیکھ کر عاشق کی ساری مستی نکل گئی۔ اس لیے شکلوں پر مرنے والے بین الاقوامی گدھے ہیں۔ واللہ کہتا ہوں اس سے بڑھ کر کوئی خبیث نہیں جو چند دن کے حُسنِ فانی پر اپنے کریم مولیٰ اور اپنے خالق اور پالنے والے کو ناراض کرتا ہے۔ یہ شخص طبیعت کا خسیس اور کمینہ اور نہایت غیر شریف ہے۔ اگر اس میں حیا اور شرم ہوتی تو اپنے اللہ کو ناراض نہ کرتا۔ ملّا علی قاری محدثِ عظیم لکھتے ہیں کہ حیا کی تعریف ہے۔ حَقِیۡقَۃُ الۡحَیَاءِ اَنَّ مَوۡلَاکَ لَا یَرَاکَ حَیۡثُ نَھَاکَ[۲۰] یعنی حیا کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تم کو نافرمانی کی حالت میں نہ دیکھے تب سمجھ لو کہ یہ بندہ حیا اور شرم والا ہے۔ آج آپ

---

[۱۹] المدثر:۵۰

[۲۰] مرقاۃ المفاتیح:۱/۷۰، کتاب الایمان، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

کسی بد نظری کرنے والے کو بے غیرت اور بے حیا کہہ دیں تو وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جائے گا لیکن اللہ کے نزدیک یہ بے حیا ہے کیوں کہ اللہ تو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ جو اللہ سے نہیں شرماتا اس میں حیا کہاں ہے اس لیے ہر وقت اس کا خیال رکھو کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے، میری نظر پر ان کی نظر ہے۔ میرا شعر ہے ؎

میری نظر پہ ان کی نظر پاسباں رہی
افسوس اس احساس سے کیوں بے خبر تھے ہم

جس کو یہ استحضار ہو گا وہ شرابِ قہر اور عذاب کی مستی میں ان شاء اللہ تعالیٰ! مبتلا نہیں ہو سکتا۔ بس آج کا سبق ختم ہو گیا۔ اب مولانا رومی کی ایک دعا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

غالبی بر جاذباں اَے مُشتری
شاید ار درماندگان را واخری

اے اللہ! آپ کے راستے میں نفس سے مقابلے میں، میں مغلوب ہو رہا ہوں، نفس مجھ پر غالب ہو رہا ہے، بار بار توبہ کرتا ہوں پھر توبہ ٹوٹ جاتی اے اللہ! میں کمزور ہوں لیکن آپ تو کمزور نہیں ہیں۔ بچہ اگر کمزور ہے تو ابّا تو طاقتور ہے اگر بندہ کمزور پڑ رہا ہے تو اے ربّا! آپ تو طاقتور ہیں، اپنی طاقت بھیجیے۔ آپ غالب ہیں ہم کو بھی ہمارے نفس پر غالب کر دیجیے۔ اے ہماری جانوں کے خریدار! آپ نے تو قرآنِ پاک میں اپنے مشتری ہونے کا اعلان فرمادیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ[۲۱]

کہ آپ ہمارے خریدار ہیں اور اے اللہ! آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تمہارے قلوب کو اور تمہاری ارواح کو خرید لیا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے تمہارے نفوس کو خرید لیا ہے کیوں کہ جو سودا سب سے گھٹیا ہوتا ہے اور جس کا کوئی خریدار نہیں ہوتا، اس کا

---

[۲۱] التوبة:۱۱۱

مالک بھی مایوس ہوتا ہے کہ میرے اس سودے کو کون خریدے گا تو جو کریم ہوتا ہے اسی کو خریدتا ہے۔ اے اللہ! ہمارے قلوب و ارواح کی نسبت نفس سب سے گھٹیا سودا تھا لہٰذا اے اللہ! آپ تو کریموں کے کریم ہیں، آپ نے غایتِ کرم سے ہمارے نفس کو خرید لیا اور جس کو آپ خرید لیں کون ہے جو اس کو خرید سکے۔ آپ تمام جاذبوں پر غالب ہیں، دنیا میں جتنے حسین لڑکے لڑکیاں ہمیں اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اگر آپ ہمیں اپنی طرف کھینچ لیں تو ان کی کیا مجال ہے کہ یہ ہمیں کھینچ سکیں بلکہ اگر ہم خود بھی ان کی طرف کھنچنا چاہیں تو نہیں کھنچ سکتے کیوں کہ آپ کی قوتِ جاذبہ کے سامنے نفس و شیطان اور دنیا بھر کی گمراہ کن ایجنسیوں کی طاقت کوئی حقیقت نہیں رکھتی بس آپ ہماری ہدایت کا ارادہ فرمالیں تو آپ کے ارادے پر مراد کا ترتُّب یقینی اور تخلُّف مُحال ہے۔ لہٰذا آپ کی رحمت سے اُمید ہے کہ ہم عاجزوں کو آپ خرید لیں۔ ہم جیسے درماندوں کو، توبہ توبہ بار بار توڑنے والوں کو آپ خرید کر غالب کردیں تو پھر نفس کی کُتّی کی کیا مجال ہے کہ ہم کو مغلوب کرسکے۔

◆ ◆ ◆ ◆

مجلس درس مثنوی

۲۵؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۶؍ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز جمعہ

پونے سات بجے صبح بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

اتصالے بے تکیُّف بے قیاس
ہست ربّ النّاس را با جانِ ناس

ارشاد فرمایا کہ اللہ والوں کی ارواح کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو اتصال و قُرب حاصل ہے وہ بے تکیف اور بے قیاس ہے لہٰذا جس کو وہ قُرب نصیب ہے اسی کی جان اس لذّتِ قُرب کو سمجھ سکتی ہے دوسری جان اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہے جس کو خواجہ صاحب نے یوں تعبیر کیا ہے؎

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

یہاں تک کہ ایک ولی بھی دوسرے ولی کے قُرب کی تفصیلاتِ کیف سے بے خبر ہوتا ہے، اجمالاً علم ہوتا ہے کہ یہ صاحبِ نسبت ہے لیکن اس کی روح کو جو مقامِ قُرب، جو کیفیتِ قُرب جو لذّتِ قرب حاصل ہے اس کا تفصیلی علم ایک دوسرے کو نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے، اس کا کوئی کفو اور ہمسر نہیں پس جس دل میں اللہ اپنی تجلّیاتِ خاصہ سے متجلی ہوتا ہے وہ دل گویا حاملِ ذاتِ بے مثل ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایک بے مثل شان عطا فرماتے ہیں جس میں وہ منفرد ہوتا ہے، ہر بندہ میں ایک شان تفرّد اللہ تعالیٰ کی توحید کی ایک علامت ہے۔ اس لیے ہر ولی کو ایک بے مثل لذّتِ قُرب عطا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ [۲۲]

یہ آیت اگرچہ جنّت کے لیے ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک وہ اہلِ جنّت کو پوشیدہ طور پر دیں گے لیکن جو شخص جنت کے راستے پر چلتا ہے جنت کی ٹھنڈک کا اثر دُنیا ہی میں محسوس کرنے لگتا ہے۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے یہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مجھ تک نزول کرکے بہارِ جنت پہنچ رہی ہے

جیسے کوئی دریا کی طرف جارہا ہے تو ہر قدم پر اس کو پانی کی ٹھنڈک ہواؤں میں محسوس ہونے لگتی ہے لہٰذا یہ تفسیر نہیں لطائفِ قرآن میں سے ہے کہ یہاں نکرہ تحت النفی واقع ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے یعنی کوئی ایک نفس بھی نہیں جانتا کہ اللہ کے راستے میں جو آنکھوں کی ٹھنڈک، جو اطمینان اور جو لذّتِ قُرب اس کو عطا ہوتی ہے، ایک ولی بھی دوسرے ولی کے قُرب و اتصال مع الحق کی ماہیت اور حقیقت اور تفصیلی کیفیت سے واقف نہیں ہوتا کیوں کہ ہر ایک قلب کو ایک بے مثل اور منفرد لذّت عطا ہوتی ہے۔ نکرہ تحت النفی سے یہ بات ظاہر ہورہی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کی لذّت جس دل کو عطا ہوتی ہے اس کی حلاوت کو وہ صرف محسوس کرتا ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ اس لذّت کو بیان کردوں تو بیان نہیں کرسکتا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

بوئے آں دلبر چو پرّاں می شود

ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

اس محبوبِ حقیقی کی خوشبو جب عرشِ اعظم سے نزول کرکے میرے پاس آتی ہے تو دنیا

---

[۲۲] السجدۃ:۱۷

بھر کی زبانیں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے۔ ان کے قُرب کی لذّت بھی غیر محدود ہے اور ہماری لغت محدود ہے تو غیر محدود لذّت محدود لغت میں کیسے آسکتی ہے۔

اور یہ تو ارواح کا مُعاملہ ہے جس کی لذّت کو کوئی کیا بیان کرے گا جب کہ اجسام بھی ایسی لذّت چکھتے ہیں جس کو الفاظ و لغت کے دائرے میں نہیں لایا جاسکتا ہے، اس کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، زبان اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے مثلاً ایک شخص شامی کباب کھارہا ہے اور جھوم رہا ہے کہ آہا! بہت لذیذ کباب ہے۔ اب اگر کوئی اس سے کہے کہ بھائی! ذرا بتاؤ تو کہ اس کا کیا مزہ ہے؟ تو وہ کہے گا کہ بیان نہیں کرسکتا ذرا چکھ کے دیکھ لو۔ جب چکھو گے تب ہی سمجھو گے۔

اسی طرح بیاہ کی لذّت ہے اور اس پر ایک لطیفہ یاد آگیا کہ بیاہ کے معنیٰ میرے دل میں یہ آئے کہ بیاہ کے معنیٰ ہیں بے آہ۔ بیاہ سے پہلے وہ بیوی کے لیے آہ آہ کررہا تھا جب بیوی مل گئی تو اب بے آہ ہوگیا۔ یہ ہے تشریح اللغات۔ تو بیاہ کی لذّت کو کوئی الفاظ میں نہیں بیان کرسکتا ہے جیسے قصہ مشہور ہے کہ ایک دیہاتی لڑکی نے اپنی شادی شدہ سہیلی سے دیہاتی زبان میں پوچھا کہ سکھی ری سکھی بیاہ میں کیا مزہ آوے ہے تو اس نے کہا کہ جب تیرا بیاہ ہوجاوے گا تب تجھے پتا چل جاوے گا کہ بیاہ میں کیا مزہ ہے۔

تو جب مدرکاتِ اجسامیہ کا یہ عالم ہے کہ ان کو الفاظ میں تعبیر نہیں کیا جاسکتا تو پھر مدرکاتِ روحانیہ کا کیا عالم ہوگا ان کو بدرجۂ اولیٰ الفاظ و لغت کے احاطہ میں لانا محال ہے یعنی جب جسمانی لذّتوں کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور الفاظ و لغت سے ان کو تعبیر نہیں کیا جاسکتا تو روحانی لذّتوں کو کیسے بیان کیا جاسکتا ہے۔

پس اللہ والوں کو جو اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہے اس کو حضرت خواجہ صاحب نے یوں فرمایا ہے کہ ؎

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

اور یہ قُرب گُناہوں سے بچنے کا غم اُٹھانے سے، اپنی حرام آرزوؤں کا خُون کرنے سے نصیب ہوتا ہے اور اتنا عظیم قُرب نصیب ہوتا ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی ارواح کو اللہ تعالیٰ سے جو قُرب حاصل ہے اس کو وہم و قیاس میں نہیں لایا جاسکتا۔ فرماتے ہیں

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

اللہ کے خاص بندے خُدا نہیں ہیں لیکن خُدا سے جُدا بھی نہیں ہیں۔ اللہ والوں کو خُدا سمجھنا کُفر ہے لیکن ان کو خُدا سے دور سمجھنا بھی غلو اور بے عقلی ہے۔ اہل اللہ کو ہرگز خُدا نہ سمجھو ورنہ کافر ہو جاؤ گے لیکن ان کو خُدا سے دور بھی نہ سمجھو۔ مولانا رومی نے اس کو عجیب مثال سے سمجھایا ہے کہ دیکھو آفتاب آسمان پر ہے اور اس کی شعاع اور دھوپ زمین پر ہے۔ دھوپ سورج نہیں ہے لیکن سورج سے الگ بھی نہیں ہے۔

* * *

مجلسِ درسِ مثنوی

۲۶؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۷؍ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز ہفتہ

بعد نمازِ فجر پونے سات بجے بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

در تگِ دریا گہر با سنگ ہاست
فخر ہا اندر میانِ ننگ ہاست

ارشاد فرمایا کہ دریا کی گہرائی میں موتی کنکریوں میں چھپا ہوتا ہے اس لیے کنکریوں کو اگر حقیر سمجھو گے تو موتی بھی نہیں پاؤ گے۔ ان ہی کنکریوں میں موتی تلاش کرو تو موتی پا جاؤ گے۔ اسی طرح اگر اللہ والوں کے لباس میں جعلی پیر نظر آتے ہیں تو یہ بدگمانی نہ کرو کہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں، ان ہی میں تم اللہ والوں کو تلاش کرو تو ان شاء اللہ! اللہ والے مل جائیں گے جیسے کنکریوں میں موتی چھپے ہوئے ہیں ایسے ہی ان ذلیل و خوار دنیادار جعلی فقیروں میں وہ صاحبِ نسبت بھی چھپے ہوئے ہیں جو پوری انسانیت میں قابلِ فخر ہیں۔

گر گدایاں طامع اند و زشت خُو
در شکم خواراں تو صاحب دل بجُو

اگر بھک منگے فقیر اور پیسہ کے لالچی تمہیں اللہ والوں کے حلیہ اور لباس میں نظر آتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ یہ اللہ والے ہیں بلکہ پیٹ کے لیے خوار ہونے والوں کے لباس میں صاحبِ دل اور سچے اللہ والے بھی چھپے ہوئے ہیں جن کی شان ہی کچھ اور ہے تلاش کرو گے تو پا جاؤ گے۔ تم نے اللہ والوں کو دیکھا ہی نہیں اس لیے بدگمان ہو۔

شاہ صاحب جو سمجھتا ہے تو بِھک منگوں کو
تُو نے دیکھی ابھی وہ صورت شاہانہ نہیں

باچناں رحمت کہ دارد شاہ ہُش
بے ضرورت ازچہ گوید نفس کُش

ارشاد فرمایا کہ ہُش ہوش کا مخفف ہے۔ حکیم الامّت نے اس کا ترجمہ سُلطان العقول فرمایا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت نہ ہوتی تو وہ سلطان العقول جو بے پایاں رحمت کا مالک ہے بے ضرورت نہ کہتا کہ نفس کُشی کرو، بُری خواہش کو مارو یعنی بے ضرورت مُجاہدہ فرض نہ کرتا۔ مُجاہدہ کا فرض کرنا دلیل ہے کہ اس میں بڑے اسرار اور حکمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ الَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا[23]

جو لوگ ہماری راہ میں مُجاہدہ کرتے ہیں یعنی ہمیں راضی کرنے کے لیے مشقت برداشت کرتے ہیں اور ہمارے دین کی نصرت میں تکلیفیں اُٹھاتے ہیں اور ہمارے احکام کو بجا لانے میں مشقت برداشت کرتے ہیں اور جن باتوں سے ہم نے منع کیا ہے ان سے بچنے میں ہر تکلیف اُٹھالیتے ہیں، اپنے دل کا خُون کرلیتے ہیں لیکن مجھے ناراض نہیں کرتے ان کو کیا انعام ملتا ہے؟ لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ان کے لیے ہم ہدایت کے بے شمار راستے کھول دیتے ہیں جس کی تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے اَیْ سُبُلَ السَّیۡرِ اِلَیۡنَا وَ سُبُلَ الۡوُصُوۡلِ اِلٰی جَنَابِنَا[24] ان کو سیر الی اللہ بھی نصیب ہوتی ہے اور وصول الی اللہ بھی نصیب ہو جاتا ہے یعنی وہ اللہ تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور پھر اس سے بڑھ کر درباری بھی ہو جاتے ہیں یعنی قُربِ خاص سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ اس کیفیتِ قُرب اور تجلّیاتِ مقربات کو جو خاصانِ بارگاہِ حق کو عطا ہوتی ہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اپنے کرم سے نصیب فرمادے، آمین۔ جس کو یہ قربِ خاص نصیب ہوتا ہے وہی جانتا ہے، زبان و لغت و الفاظ اس کے بیان سے انگشت بدنداں و حیران و قاصر ہوتے ہیں۔ احقر نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے ؎

---

[23] العنکبوت:۶۹

[24] روح المعانی: ۲۱/۱۴، العنکبوت (۶۹)، دار احیاء التراث، بیروت

گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا

خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گُلستاں نہ تھا
مفہومِ قُربِ خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا

اک پھول جاوداں کے سوا گُلستاں نہ تھا
ان کے سوا کوئی بھی وہاں رازداں نہ تھا

خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا

آنکھوں کے دائرے میں جمالِ جہاں نہ تھا
کون و مکاں کا سامنے کوئی نشاں نہ تھا

اُس بزم کا اک عالمِ ھو نام ہے اخترؔ
گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

لہٰذا اللہ کے راستہ میں مُجاہدہ سے گھبرانا نہیں چاہیے جو مُجاہدہ سے گھبراتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ نہیں۔ آپ بھی اس کو دوست نہیں بناتے جو حلوہ خور ہے، حلوہ کھانے میں سب سے آگے لیکن جب فِداکاری و وفاداری اور قربانی کا موقع آتا ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ ایسے مطلبی اور بے وفا کو آپ اپنا دوست نہیں بناتے جو آپ کے لیے کوئی تکلیف نہیں اُٹھاتا۔ جو آپ کا جاں نثار اور وفادار ہوتا ہے اسی کو آپ بھی اپنا دوست بناتے ہیں پس جو شخص نافرمانی کرکے اللہ تعالیٰ سے بے وفائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی ایسوں کو دوست بنانا پسند نہیں کرتے۔

حضرت حکیمُ الامّت مجدّد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دس برس تک ایک اشکال تھا کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں اور رحمت کا تقاضا تھا کہ

اپنے بندوں کو بغیر نفس کشی اور بغیر مُجاہدہ و مشقت اپنا بنا سکتے تھے پھر مُجاہدہ کیوں فرض کیا، اس کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی تھی اور حضرت نے دس برس تک کسی پر یہ اشکال ظاہر نہیں کیا تاکہ میرے اشکال سے دوسرا کیوں مشکل میں پڑے۔ پھر مثنوی ہی کے ایک شعر سے حضرت کا یہ اشکال حل ہوا۔ وہ شعر یہ ہے؎

لیک شیرینی و لذّاتِ مقر
ہست بر اندازۂ رنجِ سفر

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ منزل کا لطف و آرام سفر کی تکالیف اور مشقتوں پر موقوف ہے۔ سفر میں جتنی زیادہ تکلیف ہوتی ہے منزل کا لُطف اسی قدر زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مُجاہدہ فرض کرکے اپنی راہ کو تھوڑا سا مُشکل کردیا تاکہ ان تکلیفوں سے گزر کر جب بندے جنّت پہنچیں تو ان کو جنّت اور نعمائے جنّت کی خوب قدر ہو۔ اگر مجاہدہ فرض نہ ہوتا اور کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی تو جنّت کا وہ مزہ نہ آتا جو ان شاء اللہ! اب آئے گا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے درسِ بُخاری شریف میں فرمایا کہ قیامت کے دن جب جنّت کہے گی کہ یا اللہ! ابھی میرا پیٹ نہیں بھرا کچھ جنّتی اور عطا فرمائیے تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرکے اسے جنت میں داخل کردیں گے۔ تو ایک طالب علم نے کہا کہ کاش! میں وہی مخلوق ہوتا کہ بغیر نماز روزہ جنّت میں پہنچ جاتا۔ تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ ارے بدھو! بھلا ان کو جنّت کا کیا مزہ آئے گا جنھوں نے نہ روزہ رکھا، نہ نماز پڑھی، نہ جہاد کیا، نہ گُناہوں سے بچنے کا غم اُٹھایا، نہ خونِ قلب بہایا نہ خونِ قالب بہایا، مزہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو آئے گا جو تکلیفیں اُٹھا کر جنّت میں پہنچیں گے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسۡئَلُکَ الۡجَنَّۃَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیۡھَا وَنَعُوۡذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَیۡھَا[۲۵]

اے ز تو کس گشتہ جانِ ناکساں
دست فضل تست در جاں ہا رساں

---

[۲۵] سنن ابن ماجۃ: ۳۸۴۶، باب الجوامع من قول او عمل، المکتبۃ الرحمانیۃ / کنز العمال: ۲/ ۷۷، (۳۲۱۰)، فصل فی اٰداب الدعاء، مؤسسۃ الرسالۃ

آہ! یہ مولانا روم ہیں کس پیارے عنوان سے دُعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! بہت سے بندے نالائق تھے، آپ کے کرم سے لائق ہوگئے۔ آپ کی مہربانی کا ہاتھ جانوں کے اندر پوشیدہ ہے بس آپ نے ارادہ کیا اور نالائق لائق ہوا کیوں کہ آپ کے ارادے پر مراد کا تخلُّف محال ہے۔

جود می جوید گدایان و ضعاف
ہمچو خوباں آئینہ جویند صاف

اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اپنے کمزوروں، فقیروں اور بے نواؤں کو خود تلاش کرتا ہے جیسے حسین صاف آئینہ تلاش کرتے ہیں کہ ہماری شکل اور ناک نقشہ صحیح نظر آئے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جود و کرم بھی غریبوں کو، فقیروں کو، حاجت مندوں کو تلاش کرتا ہے۔ ہمارے فقر و مسکنت کے آئینہ میں ان کے جود و کرم کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہم اللہ کے بھکاری تو بن جائیں اللہ تعالیٰ تو خود ہم کو اپنا بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی رحمت تو خود ہماری منتظر ہے۔

گر بگرید ور بنالد زار زار
او نخواہد شُد مُسلماں ہوش دار

اگر نفس زار و قطار روئے اور فریاد کرے تو بھی اس کی شرارت سے مطمئن نہ رہنا، اس سے ہوشیار رہنا، یہ ظالم پورا فرماں بردار نہیں ہوتا ذرا سی دیر میں بدمعاشیاں شروع کردیتا ہے۔ اس لیے اس کی لگام کھینچے رکھنا ورنہ یہ نافرمانی کی سابقہ رفتار پر آجائے گا۔

ہر ولی را نوحِ کشتی باں شناس
صحبتِ ایں خلق را طوفاں شناس

مولانا فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو حضرت نوح علیہ السلام کا نائب سمجھو۔ اگر تمہیں طوفان سے بچنا ہے تو ان کی کشتی میں بیٹھنا اپنی سعادت اور حفاظت سمجھو۔ مخلوق کے ساتھ اختلاط اور رات دن مخلوق میں رہنا یہی سیلاب اور طوفان ہے کہ اسی سے بندہ گناہ گار

ہو جاتا ہے کیوں کہ غافلین کے ساتھ رہنے سے غفلت پیدا ہوتی ہے اس لیے کسی اللہ والے کی کشتی میں بیٹھ جاؤ یعنی ان کی صحبت اختیار کرو تو فسق و فجور کے سیلاب سے بچ جاؤ گے۔

چوں شوی دُور اَز حضورِ اولیاء
در حقیقت گشتۂ دور از خُدا

اگر اللہ والوں سے بدگمان ہو کر تم ان سے دور رہو گے تو تم ولی اللہ سے دور نہیں ہوئے اللہ سے دور ہو گئے۔ اگر تم اپنے شیخ سے دور رہو گے تو اللہ سے بھی قریب نہیں ہو سکتے۔ میرے شیخ حضرت شاہ ہردوئی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ آئس کریم کو فریج سے نکال کے رکھ دو پانی ہو جائے گی، ماہیئت بدل جائے گی، پہچانو گے بھی نہیں کہ یہ کبھی آئس کریم تھی کیوں کہ آئس کریم اپنے کریم سے دور ہو گئی، فریج اس کے لیے کریم ہے۔ اسی طرح شیخ بھی کریم ہے اس سے دور نہ رہو۔ اگر حسی قُرب حاصل نہ ہو سکے تو کم سے کم خط و کتابت سے تعلق رکھو۔

طبع ناف آ ہویست ایں قوم را
اندروں خوں واندروں شاں مشکہا

اللہ والوں کا مزاج مثل ہرن کے نافہ کے ہے کہ نافہ میں تمام خُون بھرا ہوا ہے اور اسی کے بیچ میں مشک چھپا ہوا ہے۔ اسی طرح اہل اللہ کے لوازمِ بشریت سے دھوکا نہ کھاؤ کہ ان کو بھی بول و براز کی حاجت ہوتی ہے، وہ بھی کھانے پینے اور سونے کے محتاج ہیں، کبھی کھانسی آرہی ہے، کبھی ناک کا بلغم صاف کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کا خُون اور بلغم مت دیکھو بلکہ ان کے اندر نسبت مع اللہ کا جو مشک چھپا ہوا ہے اس کی قدر کرو کہ اس کی قیمت زمین و آسمان، سورج و چاند اور بادشاہوں کے تخت و تاج بھی ادا نہیں کر سکتے۔

ہیں کہ اسرافیلِ وقت اند اولیاء
مردہ راز یشاں حیات است و نما

اولیاء اللہ اپنے زمانے کے اسرافیل ہوتے ہیں۔ جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح ان کے ملفوظات سے مُردہ دل زندہ

ہو جاتے ہیں، جن کے دل مُردہ ہیں اللہ والوں کی صحبت سے وہ حیات پاتے ہیں اور ''نما'' معنٰی میں ارتقاء کے ہے یعنی ان کی صحبت عطائے نسبت، بقائے نسبت، ارتقائے نسبت کا ذریعہ ہے اور فرمایا کہ اللہ والوں کے بارے میں تعجب مت کرو کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے کیسے ہر وقت باخُدا رہتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہیں۔

آں کہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

تم یہ تعجب کرتے ہو کہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ کیسے باخُدا رہتے ہیں، کیسے ہر وقت نظر کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر وقت کیسے گُناہ سے بچتے ہیں اس کا یہ جواب ہے کہ جن کی رفتار افلاک پر ہے ان کو زمین پر چلنا کیا دشوار ہے؟ یعنی اللہ والے جب آسمانی اعمال یعنی اعمالِ صالحہ کی برکت سے افلاک پر پہنچ گئے یعنی صاحبِ افلاک سے جن کو رابطہ و تعلق نصیب ہو گیا تو ان کو ان زمینی اعمال سے بچنا کیا مشکل ہے جو اس تعلق و رابطہ مع الحق کے لیے مضر ہیں۔

آں کہ واقف گشت بر اسرارِ ھو
سرِّ مخلوقاں چہ بود پیش او

جن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے رموز واسرار سے آگاہی نصیب ہوگئی ان کے آگے مخلوق کے راز کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق
یک قناعت بہتر از صد ہا طبق

شیخ کی صحبت کا سایہ تمہاری تنہائی کے ذکر سے افضل ہے کیوں کہ شیطان نے بھی اکیلے بڑی عبادت کی تھی، آسمان پر کوئی جگہ خالی نہ تھی جہاں ظالم نے سجدہ نہ کیا ہو لیکن مردود ہونے سے نہ بچ سکا کیوں کہ عبادت سے فنائیت کے بجائے اس کے اندر تکبّر پیدا ہو گیا اور شیخ کا سایہ تکبر سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور تکبر سے حفاظت مردودیت سے

حفاظت کی ضمانت ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو تکبر سخت ناپسند ہے۔ ابلیس تکبر ہی کی وجہ سے مردود ہوا۔ اسی لیے جب صحبتِ شیخ نصیب ہو تو اس وقت تنہائی میں بیٹھ کر ذکر نہ کرو اس سے بہتر ہے کہ تم شیخ کے پاس بیٹھے رہو کیوں کہ ذکر سے کبھی نشہ آئے گا اور تم اپنے کو بایزید بسطامی اور بابا فرید الدین عطار سمجھنے لگوگے، تکبّر آجائے گا۔ شیخ کا سایہ تمھیں مقامِ فنا پر رکھے گا اور اللہ کو مقامِ فنا پسند ہے۔

نازِ تقویٰ سے تو اچھا ہے نیازِ رندی
جاہِ زاہد سے تو اچھی مری رسوائی ہے

دوسرے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں کہ سینکڑوں طبق سے ایک قناعت بہتر ہے۔ دیکھیے کیسی مثال دی کہ اگر تمہارے پاس سینکڑوں قسم کی بریانیاں سینکڑوں قسم کی پلیٹوں میں رکھی ہوں لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو تم ہائے ہائے کرتے رہوگے اس لیے ان سینکڑوں طبق کے مقابلے میں ایک قناعت اگر تمہارے پاس ہے تو وہ کافی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کثرتِ عبادت کے ناز سے بہتر ہے کہ شیخ کی صحبت سے تمہارے اندر ایک شکستگی آجائے جو ہزار عبادت سے افضل ہے۔

پیر باشد نردبانِ آسماں
تیرِ پرّاں از کہ گردد از کماں

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ پیر آسمان کی سیڑھی ہے۔ کیا تیر بغیر کمان کے اُڑ سکتا ہے؟ تیر چاہے دس لاکھ روپے کا ہو چاہے سونے، چاندی اور جواہرات کا ہو زمین ہی پر پڑا رہے گا جب تک کمان میں نہیں آئے گا۔ شیخ کمان ہوتا ہے۔ اگر شیخ سے تعلق نہیں ہے تو تم علم و فضل کے باوجود زمین ہی پر دھرے رہوگے، کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہمیں اصلاح کی ضرورت نہیں، بس آٹھ سال مدرسہ میں پڑھ لینا کافی ہے، علم سے سب اصلاح ہو جاتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہم کے پاس علم کم تھا جو ان حضرات نے ایک غیر عالم کی غلامی اختیار کی۔ بس حُبِّ جاہ مانع ہے، علم کا پندار کسی کو

اپنا بڑا انہیں بنانے دیتا لیکن آہ! ایسے لوگوں کو اللہ کی محبت کی ہوا بھی نہیں لگتی ہے اور اپنے پندارِ خود پرستی سے ہمیشہ مثل تیر بے کمان زمین ہی پر پڑے رہتے ہیں۔

چوں گُزیدی پیرِ نازک دل مباش
سُست ریزندہ چو آب و گُل مباش

جب تم نے پیر بنالیا تو اب نازک دل نہ رہو کہ ذرا سا پیر نے ڈانٹ دیا تو دِل میں کینہ پیدا ہوگیا اور کیچڑ کی طرح زمین پر نہ پڑے رہو بلکہ اللہ کی راہ میں سرگرم رہو۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

مردانِ خُدا کا کام سرگرمِ عمل رہنا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات پر چلنے اور غیر مرضیات سے بچنے میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اس میں وہ خود بھی سرگرم ہیں اور دوسروں کے لیے بھی روشنی ہدایت اور سرگرمیٔ عمل کا ذریعہ ہیں اور کمینے لوگوں کا کام حیلہ و بہانہ بازی ہے کہ صاحب! آج کل کے معاشرے میں کیسے نگاہ بچائیں، سود سے کیسے بچیں، کیسے شرعی پردہ کریں وغیرہ جب کہ اسی معاشرے میں اہل اللہ عمل کرکے دکھا رہے ہیں۔

* * * *

مجلسِ درسِ مثنوی

۲۷؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۸؍ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز اتوار

بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پیش نُورِ آفتابِ خوش مساغ
رہنمائی جستن از شمع و چراغ

ارشاد فرمایا کہ مساغ معنیٰ رفتار کے ہیں اور آفتاب کی لغت کی ترکیب شاید آپ مجھ سے ہی سُنیں گے کہ آفتاب دراصل آفتِ آب ہے یعنی پانی کے لیے آفت کیوں کہ پانی کو خشک کردیتا ہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے غیر اللہ سے دل لگانے والوں کی مثال مولانا رومی دے رہے ہیں کہ جس طرح بارہ بجے دن کے جب کہ آفتاب اپنی خوش رفتاری کے عروج پر ہو اور سارے عالم کو آب و تاب دے رہا ہو اور سارا عالم اس کے نور سے چمک رہا ہو اس وقت جس طرح موم بتی یا چراغ سے روشنی حاصل کرنا حماقت، نادانی، ناشکری اور ظلم ہے اسی طرح مولیٰ کے ہوتے ہوئے لیلاؤں سے دل لگانا، اللہ کے ہوتے ہوئے غیر اللہ سے تسکین حاصل کرنا انتہائی دناءتِ طبع، کمینہ پن اور ظلم ہے۔ اسی لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ[۲۶] کا عاشقانہ ترجمہ یہ کرتا ہوں کہ اے اللہ! نہیں ہے کوئی محبوب سوائے آپ کے کیوں کہ آپ بے عیب ہیں، تمام عیوب سے پاک ہیں اور ہم انتہائی ظالم ہیں کہ آپ جیسے پاک محبوبِ حقیقی کے ہوتے ہوئے عیب دار، ناپاک اور گلنے سڑنے والی لاشوں سے دل لگا رہے ہیں، ناپاکوں اور عیب داروں کو محبوب بنا رہے ہیں۔

---

[۲۶] الانبیاء: ۸۷

بے گماں ترکِ اَدب باشد زما
کُفرِ نعمت باشد و فعلِ ھویٰ

مولانا فرماتے ہیں کہ سورج کے ہوتے ہوئے موم بتی اور چراغ سے روشنی حاصل کرنے والا انتہائی بے ادب ہے۔ یعنی اللہ کے ہوتے ہوئے غیر اللہ پر فریفتہ ہونا، فانی حسن کو دیکھ کر اللہ کو بھول جانا یہ ہماری طرف سے ترکِ ادب اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناشکری، کفرِ نعمت اور فعلِ ھویٰ یعنی نفس کی خباثت ہے کیوں کہ عالم کا ذرّہ ذرّہ اللہ کی نشانی اور ان کے جمالِ غیر فانی کا مظہر ہے۔ پس کتنا بڑا احمق اور کتنا بڑا ناشکرا ہے وہ شخص کہ سورج کے ہوتے ہوئے موم بتی جلارہا ہے مولیٰ جو ساری کائنات کی لیلاؤں کو نمک دیتا ہے، حُسن کی بھیک دیتا ہے، پھر قبروں میں گلا سڑا کر ان کو خاک کر دیتا ہے، ایسے مولائے پاک کے ہوتے ہوئے تم کہاں جاتے ہو۔ اگر ان حسینوں سے دل لگانے میں کوئی بھلائی ہوتی تو خُدا منع نہ کرتا۔ بتایئے کوئی ابّا اپنے بچوں کو مفید چیز سے منع کرے گا؟ تو ربّا اپنے بندوں کو مفید چیز سے کیسے منع کرے گا۔ اگر یہ فعل اچھا ہوتا تو خُدا پتھر نہ برساتا۔ میرا ایک شعر ہے جو عُلماء و مدرسین کے لیے بہت ضروری ہے ؎

بچو گندے عمل سے امردوں سے دور ہو جاؤ
اگر یہ فعل اچھا تھا خُدا پتھر نہ برساتا

پس مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر مرنے والی شکلوں پر مرنا اور اللہ کو ناراض کرنا انتہائی ناشکری، نفس پرستی اور ظلم ہے جیسے آفتاب سامنے ہو اور کوئی چراغ پر فریفتہ ہو رہا ہو ؎

گر خفاشے رفت در کور و کبُود
بازِ سُلطاں دیدہ را بارے چہ بود

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی کی قبر کو اللہ تعالیٰ نور سے بھر دے، فرماتے ہیں کہ چمگادڑ جو اندھیروں میں لٹکا رہتا ہے اگر وہ اندھیرے میں جا کر پیشاب چوس رہا ہے اور پائخانہ چاٹ رہا ہے تو ہم کو کوئی تعجّب نہیں چوں کہ اس کی خصلت ہی خراب ہے۔ یہ

سورج کا دشمن ہے۔ آفتاب دشمنی کی اس کو یہ سزا دی گئی ہے کہ اندھیروں میں اُلٹا لٹکا ہوا ہے اور جس منہ سے کھاتا ہے اسی منہ سے ہگتا ہے اگر اس سے یہ کمینی حرکتیں ہوتی ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ؎

بازِ سُلطاں دیدہ را بارے چہ بود

وہ بازِ شاہی جس نے بادشاہ کو دیکھا ہو، سلطان دیدہ آنکھیں رکھتا ہو، ہر وقت بادشاہ کی کلائی پر رہتا ہو اس ظالم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بھی چمگادڑ کی طرح گندی نالیوں میں غلاظت چاٹ رہا ہے یعنی جو شخص اللہ والوں کی صحبت میں رہتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے، جس کی جان نے اللہ کے قُرب کا مزہ چکھ لیا اس کو کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عورتوں کو گھور رہا ہے، لڑکوں کو گھور رہا ہے، آفتاب کے ہوتے ہوئے چراغوں پر فریفتہ ہو رہا ہے، غیر اللہ سے دل لگا کر اللہ کو ناراض کر رہا ہے۔ یہ مرض اتنا عام ہے کہ کوئی گاؤں اور کوئی شہر نہیں بچا، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، جوان ہو کہ بوڑھا سب اس میں مبتلا ہیں الّا ماشاء اللہ یہاں تک کہ بعض مولوی جوان لڑکیوں کو بے پردہ قرآنِ پاک پڑھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کا کام کر رہے ہیں۔ فرانس میں ایک لڑکی نے کہا: مولانا! آپ یہ جو ہم کو دیکھ رہے ہیں اور یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ[٢٧] کی تفسیر سُنا رہے ہیں آپ کو شرم نہیں آتی۔ اگر آپ کو پڑھانا ہے تو پردہ لٹکایئے اور پڑھایئے۔ یہ لعنتی بیماری ہے۔ اللہ کے نام پر اختؔر فریاد کرتا ہے کہ اس مرض سے بچو، اس فعل سے ہم سب توبہ کریں کیوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو دوسروں کی بہو، بیٹی کو دیکھتا ہے لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالۡمَنۡظُوۡرَ اِلَیۡہِ[٢٨] اگر لڑکا ہے تو وہ بھی اس میں شامل ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ متعلقاتِ نظر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بیان فرمایا تاکہ ہر نظر جو حرام ہے اس میں داخل ہو جائے۔ یہ کلامِ نبوّت کی بلاغت ہے۔ مولانا نے کیا عمدہ بات فرمائی کہ اگر خفاش خصلت خُدا سے غافل اور

---

[٢٧] النور: ٣٠

[٢٨] کنز العمال: ٧/٣٣٨، (١٩١٦٢)، فصل فی احکام الصلوٰۃ الخارجۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

نافرمان لوگ ایسی گری ہوئی حرکتیں کرتے ہیں تو تعجب کی بات نہیں لیکن سالکین جو اللہ کا راستہ طے کر رہے ہیں وہ ایسی ٹھوکر نہ کھائیں اور ذلیل اعمال میں مبتلا ہو کر اللہ سے دوری کے عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔ اس لیے مولانا دُعا فرماتے ہیں

یارِ شب را روز مہجوری مدہ
جانِ قربت دیدہ را دُوری مدہ

اے خُدا! جس کو آپ نے راتوں میں اپنا دوست بنالیا یعنی رات میں توفیقِ عبادت دی اس کو جدائی کا دن نہ دکھایئے۔ جس جان نے آپ کے قُرب کا مزہ چکھ لیا اس کو گُناہوں میں ابتلاء سے دوری کا عذاب نہ دیجیے۔ کیسی درد بھری دُعا ہے یہ۔ اپنے رات کے دوست کو جُدائی کا دن نہ دکھایئے یعنی ہر گُناہ سے اس کی حفاظت فرمایئے اور جس سے خطا ہو جائے تو توفیقِ توبہ نہایت اعلیٰ مقام سے عطا فرمایئے۔ اپنے آنسوؤں میں خُونِ دل کو باہم کرنے کی اسے توفیق دیجیے تاکہ وہ جان جو گُناہ کرکے آپ سے دوری کے عذاب میں مبتلا ہوگئی دوبارہ آپ کے قُرب کا مزہ چکھ لے جیسے مچھلی پانی سے دور ہو کر بے چین ہوگئی تھی دوبارہ پانی کو پا کر چین پا جائے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح چمگادڑ کو آفتاب دُشمنی کی تکویناً یہ سزا دی گئی ہے کہ وہ اندھیروں میں اُلٹا لٹکا ہوا ہے اور جس منہ سے کھاتا ہے اسی منہ سے ہگتا ہے، اس کا امپورٹ اور ایکسپورٹ آفس ایک ہی ہے، اسی طرح جو لوگ اہل اللہ سے دُشمنی رکھتے ہیں اور ان کی غیبتیں کرتے ہیں یہ بھی مثلِ چمگادڑ کے جہالت اور قہر و عذاب کے اندھیروں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ جس منہ سے یہ اللہ کا نام لیتے ہیں اسی منہ سے اہل اللہ کی غیبت اور دُشنام طرازی کی غلاظت نکالتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے مولانا رومی نے ایک اور تمثیل پیش کی ہے۔ ایک دریائی جانور جو دریا اور سمندر میں رہتا ہے اس کو دریائی گاؤ کہتے ہیں۔ اس کے سینے میں ایک نہایت قیمتی موتی ہوتا ہے۔ رات کو دریا کے کنارے جنگل میں وہ دریائی گاؤ اپنے منہ سے اس موتی کو نکال کر زمین پر رکھتا ہے اور اس کی روشنی میں سنبل وسوسن وریحان وغیرہ خوشبودار پھول اور نباتات چرتا ہے اس لیے اس کا پاخانہ مُشک وعنبر کی طرح خوشبودار ہوتا ہے۔ اس مثال سے مولانا

ایک نہایت قیمتی مضمون بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح اس دریائی گاؤ کی خوشبودار غذاء کھانے سے خوشبو ہی پیدا ہوتی ہے اسی طرح۔

ہر کہ باشَد قوتِ او نورِ جلال
چوں نہ زائد از لبش سحرِ حلال

وہ شخص جس کی غذا نورِ جلال یعنی ذکر و طاعت ہوگی اس کے ہونٹوں سے سحرِ حلال یعنی کلامِ مؤثر کیوں نہ پیدا ہوگا۔ تاجر لوگ اس موتی کی تلاش میں مٹکوں میں مٹی، گوبر بھوسا وغیرہ لے کر درختوں پر تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ جب وہ دریائی گاؤ سمندر کے کنارے اپنا موتی اُگل کر چرنے کے لیے کچھ دور نکل جاتا ہے تو درخت کے اوپر سے تاجر لوگ اس موتی پر مٹی وغیرہ ڈال دیتے ہیں جس سے اندھیرا ہوجاتا ہے۔ اس اندھیرے سے گھبرا کر وہ دریائی گاؤ بار بار موتی کی طرف آتا ہے لیکن کیچڑ کو دیکھ کر مایوس ہوکر بھاگ جاتا ہے، اس کی نگاہ کیچڑ کے اندر چھپے ہوئے موتی کو دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس جانور کی طرح ابلیس ملعون نے حضرت آدم علیہ السلام کے صرف خاکی پتلے کو دیکھا اور تکبر سے سجدۂ تعظیمی سے انکار کیا اور حکمِ خداوندی پر اعتراض کیا کہ میں ناری ہوں اور یہ خاکی ہے اور کرۂ نار چوں کہ خاک سے اوپر ہے اس لیے آگ خاک سے افضل ہے اور تکبر کے سبب ہمیشہ کے لیے مردود ہوگیا اور بدبخت کو یہ نظر نہ آیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسدِ خاکی کے اندر خلافتِ الٰہیہ کا موتی چھپا ہوا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اسی طرح بہت سے احمق بے وقوف اور جانور قسم کے لوگ اللہ والوں کے جسم کے اندر قلب میں ولایت اور نسبت مع اللہ کا جو موتی چھپا ہوتا ہے اس کو دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور ان کی مٹی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ جیسے ہم ہیں ویسے ہی یہ بھی ہیں۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستہ خوابیم و خورَ

ہم بھی انسان، یہ بھی انسان جس طرح ہم غذا اور نیند کے محتاج ہیں یہ بھی محتاج ہیں۔ ہماری بھی ایک ناک ہے اور ان کی بھی ایک ناک ہے، جیسے دو کان ہمارے ہیں ویسے ہی ان کے بھی ہیں لہٰذا ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس بدگمانی اور بصیرت کے اندھے پن سے بہت سے لوگوں نے انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ کر دیا ہے۔

ہمسری با انبیاء بر داشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

اُنہوں نے کبھی انبیاء کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر دیا اور کبھی اولیاء کو اپنے برابر سمجھ لیا۔ مگر یہ اس دریائی گائے کی طرح سے ہیں جس کے اندر عقل نہیں تھی کہ وہ مٹی کے باطن میں چھپے ہوئے قیمتی موتی کا پتا کر لے۔

اشقیا را دیدۂ بینا نبود
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگ چشمِ بصیرت سے محروم تھے اس لیے نیک و بد ان کو ایک جیسے نظر آئے اور وہ اہل اللہ کے باطن میں پوشیدہ نورِ نبوّت، نورِ ولایت اور نورِ نسبت کا موتی نہ دیکھ سکے۔ لہٰذا مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم جانوروں کی طرح اللہ والوں کا خالی جسم مت دیکھو بلکہ ان کے جسم میں جو قلب ہے اور قلب میں نسبت مع اللہ کا جو موتی ہے اس پر نظر رکھو جس کی قیمت زمین و آسمان بھی ادا نہیں کرسکتے، سورج و چاند بھی ادا نہیں کرسکتے، سلاطین کے تخت و تاج بھی ادا نہیں کرسکتے، پلاؤ اور بریانی کی لذّتیں بھی ادا نہیں کرسکتیں، مجانینِ عالم کی عشقیات اور لیلائے کائنات کے نمکیات بھی ادا نہیں کرسکتے کیوں کہ وہ لا مثل لہ ہے، اللہ بے مثل ہے لہٰذا ان کے نور نسبت کے حاملین بھی بے مثل ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس انمول موتی سے تم جانوروں کی طرح محروم نہ ہو جاؤ ورنہ پھر تم اللہ کے نور کی غذا سے محروم ہو کر بھوکے مر جاؤ گے یعنی تمہاری روحانی موت واقع ہو جائے گی۔ اہل اللہ سے بدگمانی کرنا محرومی و شقاوت کا دروازہ ہے، جب عام

مسلمانوں سے حُسنِ ظن کا حکم ہے تو خاصانِ خُدا جو نفس کی آلائشوں سے پاک ہو گئے اور اللہ پر اپنی فدا کاریوں، جانبازیوں اور جاں نثاریوں سے اللہ کے پیارے ہو گئے ان سے بدگمانی کرنا کس قدر جرمِ عظیم اور موجبِ غضبِ الٰہی ہو گا۔ اس لیے مولانا فرماتے ہیں ؎

متہم کم کن بہ دزدی شاہ را
عیب کم گو بندۂ اللہ را

خاصانِ خُدا پر عیب گوئی نہ کرو۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ فارسی میں کم مُطلق نفی کے لیے آتا ہے قلّت اور کمی کے لیے نہیں۔ لہٰذا اپنے عیب کو زیادہ اہمیت دو، اپنے گُناہ کو جو یقینی درجے میں داخل ہے اس کی فکر کرو، خود کو ملامت کرو، استغفار و توبہ کرو، دوسرے کے عیب پر نظر پڑ جائے تو یہی گمان رکھو کہ اس کی توبہ ہماری توبہ سے افضل ہو گی، اور اس کا قُرب ہمارے قُرب سے اعلیٰ ہو گا۔ شیخ سعدی شیرازی کے پیر و مرشد حضرت شیخ شہابُ الدین سہروردی رحمۃُ اللہ علیہ نے ان کو دو نصیحت کی تھی کہ کسی پر بُری نظر مت ڈالو اور اپنے اوپر اچھی نظر مت ڈالو یعنی دوسروں کو بُرا نہ سمجھو اور اپنے کو اچھا نہ سمجھو ؎

یکے آں کہ بر غیر بدبیں مباش
دویم آں کہ بر خویش خودبیں مباش

کیا عُمدہ نصیحت ہے سبحان اللہ! ارے اپنی فکر کرو کہ قیامت کے دن کیا ہو گا۔ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اپنے گُناہوں کو کوڑھ سمجھو اور دوسرے کے گُناہوں کو زکام سمجھو۔ اپنے گُناہوں کو پھانسی کا مقدمہ سمجھو اور دوسرے کے گُناہوں کو میونسپلٹی کا چالان سمجھو۔ اگر کوئی پولیس والا کسی پر میونسپلٹی کا چالان کر رہا ہے تو کیا اس پر وہ شخص ہنسے گا جس پر پھانسی کا مقدمہ قائم ہے؟ لہٰذا یہاں پر میرا ایک شعر سنیے ؎

نامناسب ہے اے دلِ ناداں
اک جذامی ہنسے زکامی پر

اگر ایک کوڑھ والا مریض زکام والے مریض پر ہنس رہا ہے کہ آہا! چھینکیں آرہی ہیں تو لوگ کہیں گے کہ ارے احمق! اپنے کوڑھ کی فکر کر کہ تیرے کوڑھ کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے، سڑ رہا ہے سر سے پیر تک اور کسی کو زکام میں دیکھ لیا تو ہنس رہا ہے۔ ایک مراقبہ اور سنیے۔ ایک بادشاہ کا لڑکا ہے، گٹر میں گر گیا اور سب پیشاب پاخانہ اس کے لگ گیا، بعد میں بادشاہ نے پولیس بھیج کر کے اس کو نکلوا کر نہلا دھلا کر شاہی لباس پہنا کر عطر وغیرہ لگا کر اس کو پیار کیا اور سمجھایا کہ بیٹا! اس طرح سے نہیں چلا کرتے لیکن جن لوگوں نے اس کو دیکھا تھا گٹر میں گرے ہوئے وہ ابھی تک اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور وہ شاہی لباس میں بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوا ہے۔ اب اگر کوئی اس شہزادے کو بُرا کہے گا تو بادشاہ اس کی کھال کھنچوا دے گا۔ پس اسی پر اللہ تعالیٰ کے غضب کو قیاس کر لیجیے کہ اپنے اولیائے کی غیبت اللہ کو کس قدر ناپسند ہوگی۔ حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ کا اعلان ہے کہ

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ[29]

جو میرے ولی کو ایذا پہنچائے میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔ عُلماء نے لکھا ہے کہ یہ گُناہ ایسا ہے جس پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کو چھیڑ دو لیکن ہاتھی کے بچہ کو نہ چھیڑو ورنہ ہاتھی ضرور انتقام لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات تاثر سے پاک ہے، کُفر و سرکشی پر بھی دنیا میں انتقام نہیں لیتے ورنہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ ملتا لیکن اپنے پیاروں کی ایذا رسانی پر انتہائی غضب ناک ہوتے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہیچ قومے راخُدا رسوا نہ کرد
تا دلِ صاحبدلے نامش بہ درد

کسی قوم کو اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں کیا جب تک اس نے کسی اللہ والے کو نہیں ستایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی ایذاء رسانی سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

---

[29] صحیح البخاری: ۲/۹۶۳، (۶۵۴۱)، باب التواضع، المکتبۃ المظھریۃ

مجلسِ درسِ مثنوی

۲۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۹/ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز دوشنبہ بعد نماز فجر

ساڑھے سات بجے بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

اے عظیم اَز ما گُناہانِ عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے عظیمُ الشان مالک! ہمارے بڑے بڑے گُناہ آپ کی غیر متناہی عظمتوں کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔ محترم مقام کی وجہ سے کمّاً و کیفاً حرم کا گُناہ جرمِ عظیم ہے لیکن اے اللہ! اگر ہم سے کعبہ کے اندر بھی گُناہ ہو جائے تو اِس کو مُعاف کرنا آپ کو کچھ مشکل نہیں ہے کیوں کہ ہمارے گُناہ کتنے ہی بڑے ہوں لیکن آپ کی رحمتِ غیر محدود سے بڑے نہیں ہوسکتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چیونٹی ہاتھی کے پاؤں میں لپٹ کر رو رہی ہو کہ حضور میں نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی، میں نے آپ کے پاؤں کو کاٹ لیا تو ہاتھی کو ہنسی آئے گی کہ او نالائق! مجھے تو احساس بھی نہیں ہوا کہ تو نے کب کاٹا۔ جو نسبت چیونٹی کو ایک ہاتھی کے ساتھ ہے اللہ کی رحمت کے سامنے ہمارے گُناہوں کی اتنی بھی نسبت نہیں کیوں کہ ان کی رحمت غیر محدود ہے اور ہمارے گناہ کثیر سہی لیکن محدود ہیں لہٰذا کثیر محدود اپنی کثرت کے باوجود غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اے اللہ! ہمارے گناہوں سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، ہمارے گناہوں سے ہمیں کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے ان گناہوں کو معاف کرنا جو آپ کو کچھ مضر نہیں آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔ لہٰذا کتنا ہی بڑا گناہ ہو اللہ سے مایوس نہ ہو، وہ بہت بڑا مالک ہے، چاند سورج کا، بے شمار ستاروں کا، نظامِ شمسی اور نظامِ قمری کا مالک ہے ان کو ہمیں مُعاف کرنا کچھ مشکل نہیں۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ جس نے ایک بار بھی محبت سے اللہ کا نام لے لیا

اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں نہیں ڈالیں گے وہ ایسے کریم ہیں جس کو ایک بار مقبول بناتے ہیں پھر اس کو کبھی مردود نہیں کرتے۔ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یوں کہے کہ میرے گُناہ تو اتنے بڑے ہیں ان کو اللہ کیسے مُعاف کرے گا تو یہ شخص بظاہر بڑا متواضع نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں انتہائی متکبر ہے کیوں کہ اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑا سمجھتا ہے۔

مولانا رومی عرض کرتے ہیں کہ اے وہ ذاتِ پاک جو بے مثل غیر محدود اور عظیم الشان ہے اور جس کی عظمتِ شان کے سامنے ہمارے گناہوں کی عظیم ترین کثرت کی نسبت اتنی بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے اور ذرّہ کو صحرا سے ہے لہٰذا ہمارے بڑے سے بڑے گناہ کو حتیٰ کہ کعبۃ المکرّمہ کے اندر بھی اگر ہم گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو جائیں تو اس جُرمِ عظیم کو مُعاف کرنا بھی آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ پس اے اللہ! ہمیں مُعاف فرما دیجیے۔

منگر اندر زشتی و مکروہیم
کہ زپر زہرے چو مارے کوہیم

ارشاد فرمایا کہ امام محمد رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْمَکْرُوْہُ ھُوَ ضِدُّ الْمَحْبُوْبِ[۳۰] مکروہ محبوب کی ضد ہے لہٰذا جو مکروہ کام کرے گا وہ اللہ کا محبوب کیسے ہو گا۔ مولانا رومی دعا کرتے ہیں کہ اے خُدا! میری نالائقیوں، بُرائیوں، ناپسندیدہ باتوں یعنی رذائلِ باطنیہ کی طرف نظر نہ فرمائیے کیوں کہ میں مثل پہاڑی سانپ کے زہریلا ہوں یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کے زہریلے مادّے میرے اندر بھرے ہوئے ہیں کہ اگر کوئی مانع نہ ہو اور آپ کا فضل نہ ہو تو میرا نفس کوئی گناہ نہ چھوڑے بس آپ ہی کی توفیق سے بچا ہوا ہوں اور توفیق کی کیا تعریف ہے:

۱) تَوْجِیْہُ الْاَسْبَابِ نَحْوَ الْمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ خیر کے اسباب سامنے آ جائیں۔

---

[۳۰] ردالمحتار: ۳۵۸/۱، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، دار عالم الکتب ریاض

۲) تَسْهِيْلُ طَرِيْقِ الْخَيْرِ وَ تَسْدِيْدُ طَرِيْقِ الشَّرِّ خیر کے راستے آسان ہو جائیں اور شر کے راستے مسدود ہو جائیں۔

۳) خَلْقُ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّاعَةِ[۳۱] طاعت اور فرماں برداری کی قوت پیدا ہو جائے۔

یہ شرح تہذیب کی عبارت ہے۔

نفس نافرمانی سے بچ نہیں سکتا جب تک یہ توفیق اسے حاصل نہ ہو کیوں کہ نفس اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ ہے یعنی کَثِیْرُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے، گناہوں کا بہت زیادہ حکم کرنے والا، برائیوں پر انتہائی حریص ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں نفس کی یہ تعریف کی ہے اَلنَّفْسُ كُلُّهَا ظُلْمَةٌ وَسِرَاجُهَا التَّوْفِيْقُ[۳۲] نفس سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ توفیق ہے۔ جب توفیق نصیب ہو جاتی ہے تو یہ روشن ہو جاتا ہے اور مرقاۃ میں نفس کی یہ تعریف کی گئی ہے اَلْجَسَدُ كَثِيْفٌ وَالرُّوْحُ لَطِيْفٌ وَالنَّفْسُ بَيْنَهُمَا مُتَوَسِّطَةٌ[۳۳] جسم کثیف ہے، روح لطیف ہے، اور نفس ان دونوں کے درمیان متوسط ہے، اعمالِ صالحہ سے لطیف ہو جاتا ہے اور اعمالِ سیئہ سے کثیف ہو جاتا ہے۔ اور نفس کی جو تعریف حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ نہایت عجیب و غریب اور جامع ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ نفس نام ہے مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ کا، نفس کی وہ مرغوبات، جن کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو یعنی نفس کی وہ پسندیدہ باتیں جن سے اللہ راضی نہ ہو۔

نفس کی زشت خوئی تو لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ سے منصوص ہے، اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ کَثِیْرُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے، نافرمانیوں کے زہریلے مادے اور گناہوں کے شدید تقاضے اس کے اندر ہیں اگر اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کا سایہ نہ ہو تو اس کے شر سے انسان بچ نہیں سکتا اسی لیے اس شعر میں مولانا اللہ تعالیٰ سے اس کی زشت خوئی اور تقاضائے

---

[۳۱] شرح مقامات للشیخ اعزاز علی: ۴۲، مطبوعۃ دیوبند

[۳۲] روح المعانی: ۱۳/۸، یوسف (۹۶)، دار إحیاء التراث، بیروت

[۳۳] مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۴۵، (۱۶۷) باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، المکتبۃ الامدادیۃ

خبیثہ کو عرض کر کے دراصل اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت کی درخواست کر رہے ہیں کہ اپنی رحمت سے مجھے اس کے شر سے بچا لیجیے۔

در کمالِ زشتیم من منتہی
لطفِ تو در فضل و در فن منتہی

اے اللہ! میں بُرائیوں کے کمال میں انتہا کو پہنچا ہوا ہوں، منتہی فی السوء ہوں، برائیوں میں، میں اپنی مثال آپ ہوں اور آپ کا کرم و مغفرت و معافی بخشش و درگزر میں کمال غیر محدود کا مقام رکھتا ہے۔

حاجتِ ایں منتہی زاں منتہی
تو بر آرا اے غیرتِ سرو سہی

اے خُدا! میرا یہ نفس جو بُرائیوں اور رذائل میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اس **مُنْتَهِیْ فِی الرَّذَائِلِ** کی اصلاح اپنے بے پایاں اور غیر متناہی لطف و کرم سے فرما دیجیے کہ آپ خالقِ سرو سہی ہیں جو حُسن و دلکشی میں ضرب المثل ہیں پس اخلاقِ رذیلہ کے سبب میرا نفس کریہہ المنظر ہے اس کو اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کر کے رشکِ سرو سہی بنا دیجیے۔

◆ ◆ ◆ ◆

مجلس درسِ مثنوی

۲۹؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۳۰؍ دسمبر ۱۹۹۷؁ء بروز سہ شنبہ (منگل)

بوقت ۷ بجے صبح بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

اے مُحبِّ عفو از ما عفو کن
اے طبیبِ رنجِ ناسورِ کُہن

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی بارگاہِ خُداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے مُعاف کرنے کو محبوب رکھنے والے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرمادیجیے اور اے طبیب رذائل باطنیہ کے پرانے ناسور کے! میرے تمام امراض ورذائلِ باطنیہ کو شفاء دے دیجیے۔ مولانا کا یہ شعر بخاری شریف کی ایک حدیث سے مقتبس، مستنیر ومستفید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ[۳۴]

بعض کُتبِ احادیث میں عَفُوٌّ کے بعد کَرِيْمٌ کا اضافہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ بہت معافی دینے والے ہیں۔ مُلّا علی قاری نے عَفُوّ کی شرح کی ہے کَثِيْرُ الْعَفْوِ یعنی جو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہو اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارحم الراحمین کے دریائے رحمت میں جوش دلانے کے لیے کریم کا اضافہ فرمایا تاکہ میری اُمت کے نالائقوں، نااہلوں، گناہ گاروں اور خطاکاروں کی بھی معافی ہوجائے اُمّت کا کوئی فرد ایسا نہ رہے جس کو معاف نہ کردیا جائے کیوں کہ کریم وہ

---

[۳۴] جامع الترمذی: ۲/ ۱۹۱، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

ہے جو اپنے کرم سے نالائقوں کو بھی محروم نہ کرے اور ناقابل معافی کو معاف فرمادے اور محدّثین نے کریم کے چار معانی بیان کیے ہیں:

۱) اَلْمُتَفَضِّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّۃِ[۳۵] کریم وہ ہے جو اپنے کرم سے نالائقوں کو بھی محروم نہ کرے، جس کا حق نہ بنتا ہو اس کو بھی عطا فرمادے۔

۲) اَلْمُتَفَضِّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ مَسْئَلَۃٍ وَلَا سُؤَالٍ جو بغیر سوال بغیر مانگے ہوئے ہم پر مہربانی کردے۔ بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے عطا فرمائی ہیں جیسے ہمارا ایمان محض حق تعالیٰ کا کرم ہے اس میں ہماری کسی محنت کا دخل نہیں، عالمِ ارواح میں ہم بے زبان تھے، ہم نے سوال نہیں کیا تھا کہ اے اللہ! ہمیں مسلمان کے گھر میں پیدا کیجیے لیکن بدونِ طلب اور بدونِ سوال مسلمان کے گھر میں پیدا کرکے ایمان عطا فرمادیا اور مُفت میں جنّت کا ٹکٹ دے دیا۔ اسی طرح ہر لمحہ بے شمار افضال وعنایات بدونِ سوال عطا فرماتے ہیں۔

۳) اَلْمُتَفَضِّلُ عَلَیْنَا فَوْقَ مَا نَتَمَنّٰی بِہٖ یعنی جو ہماری تمناؤں سے زیادہ دے دے جیسے ایک کریم سے کسی نے ایک بوتل شہد مانگا اس نے ایک مشک دے دیا۔ کسی نے کہا کہ اس نے تو ایک بوتل مانگا تھا۔ آپ نے پوری مشک کیوں دی۔ کہا کہ اس نے مانگا اپنے ظرف کے مطابق میں نے دیا اپنے ظرف کے مطابق۔ جب دنیاوی کریموں کا یہ حال ہے جن کو کرم کی ایک ذرّہ بھیک مل گئی ہے تو اس کریم حقیقی کے کرم کا کیا ٹھکانا ہے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیے ہیں دُربے بہادیے ہیں

۴) اَلْمُتَفَضِّلُ عَلَیْنَا وَلَا یَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَہٗ[۳۶] کریم وہ ہے جو ہمیں بے انتہا عطا

---

[۳۵] مرقاۃ المفاتیح: ۲۱۲/۳، باب التطوع، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

[۳۶] مرقاۃ المفاتیح: ۱۸۶/۵، (۲۲۸۸)، کتاب الدعوات، باب اسماء اللہ تعالیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

فرمادے اور اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا جسے اندیشہ نہ ہو کیوں کہ غیر محدود خزانوں کا مالک ہے اور اپنے خزانوں سے بے نیاز ہے، ہمارے لیے ہی وہ خزانے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ بہت معافی دینے والے ہیں اور کریم بھی ہیں کہ نالائقوں کو اور ناقابلِ معافی کو معاف فرمادیتے ہیں **تُحِبُّ الْعَفْوَ** اور صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ اپنے بندوں کو معاف کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے **اَیْ اَنْتَ تُحِبُّ ظُهُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِكَ**[۳۷]۔ **تُحِبُّ الْعَفْوَ** کی یہ شرح ملّا علی قاری رحمۃُ اللہ علیہ نے کیا عمدہ فرمائی کہ اپنے بندوں پر اپنی مغفرت کی صفت ظاہر کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے یعنی اپنے گناہ گار بندوں کو معاف کرنے کا عمل آپ کو نہایت پیارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مزاجِ الوہیت اور مزاجِ ربوبیت کو کون پہچان سکتا ہے لہٰذا اپنی امّت کو معافی دلانے کے لیے آپ کس کس عنوان سے حق تعالیٰ کی ثنا فرما رہے ہیں کیوں کہ **ثَنَاءُ الْکَرِیْمِ دُعَاءٌ** کریم کی تعریف کرنا اس سے مانگنا ہے جیسے کسی کریم سے کہا جائے کہ آپ کسی کو محروم نہیں کرتے تو اس کے معنیٰ ہیں کہ ہمیں بھی عطا فرمادیں۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے اُمّت کو معافی دلوانی تھی اس لیے آپ نے حق تعالیٰ کی صفتِ عفو کا واسطہ دیا کہ اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کے عمل کو آپ خود محبوب رکھتے ہیں لہٰذا معاف کرنے کے عمل کو جاری کرنے کے لیے کوئی سبب، کوئی تحفہ تو ہونا چاہیے، لوگ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو شاہوں کے مزاج کے موافق تحائف لے کر جاتے ہیں۔ آپ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، سلطان السلاطین ہیں، ہم آپ کے مزاج کو کیسے پہچان سکتے تھے کہ ہم حادث آپ قدیم، ہم فانی آپ لافانی یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ ہم کو بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل ہم پر جاری ہونے کا راستہ توبہ و ندامت ہے لہٰذا ہم گناہ گار اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ کی گٹھڑی کا

---

[۳۷] مرقاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۴، باب لیلۃ القدر، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

تحفہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی درخواست کرتے ہیں کہ فَاعْفُ عَنِّی ہم گناہ گاروں کو معاف فرما کر اپنا محبوب عمل ہم پر جاری کر دیجیے۔ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا لہٰذا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاءِ تعقیبیہ لگادی کہ اے اللہ! معاف کرنے میں دیر نہ کیجیے، جلد معاف کر دیجیے کیوں کہ معاف کرنا آپ کو خود محبوب ہے۔

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلمِ عفو بر گناہم کش

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میری طاعتوں کو قبول فرمالیں کیوں کہ میری کوئی طاعت قبولیت کے قابل نہیں، بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دیں، میرے جرائم کو محو فرمادیں۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کُنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کُنی

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی دُعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! اگرچہ میرے باطن میں اخلاقِ رذیلہ کا دریائے خون بہہ رہا ہے یعنی میرے اعمال و اخلاق نہایت خراب ہیں لیکن آپ کی رحمت ایسا عجیب کیمیا رکھتی ہے کہ آپ ہمارے اخلاقِ رذیلہ کے دریائے خون کو اخلاقِ حمیدہ کا دریائے نیل بنا سکتے ہیں یعنی ہماری سیئات کو حسنات سے اور ہمارے رذائل کو فضائل سے تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس مضمون پر احقر کے چند اشعار۔

ترے دستِ کرم کی کیمیا تاثیر کیا کہیے
کسی ذرّہ کو تیرا دم میں خورشید و قمر کرنا

جو تیری راہ میں روباہ خصلت سے ہیں پسماندہ
تجھے مُشکل نہیں ایسوں کو رشکِ شیرِ نر کرنا

تجھے مُشکل نہیں مسکیں کو سلطانِ جہاں کر دے
کرم سے اپنے اختر کو ترا شمس و قمر کرنا

یہی ہے راستہ اپنے گناہوں کی تلافی کا
تری سرکار میں بندوں کا ہر دم چشم تر کرنا

کیست ابدال؟ آں کہ اُو مبدل شود
خمرش از تبدیلِ یزداں خل شود

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ابدال کون ہے؟ جس کے اخلاق بدل جائیں، جس کا ظاہر و باطن متبعِ سنت و شریعت ہو جائے اور جس کے اخلاقِ رذیلہ کی شراب اللہ کے فضل و مشیت سے اخلاقِ حمیدہ کے سرکہ سے تبدیل ہو جائے۔ دنیوی شراب میں اگر سرکہ ڈال دیا جائے تو شراب سرکہ بن جاتی ہے جس کا چکھنا حرام تھا، جس کو پی کر لوگ بدمست اور بدعقل ہوتے تھے اب سرکہ بن کر نعم الادام یعنی بہترین سالن بن گئی جس کو کھا کر اب لوگ قوت اور صحت حاصل کرتے ہیں اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ تبدیل کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں اس کی گناہوں کی بدمستیاں اور تقاضائے معصیت وغیرہ جملہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جاتے ہیں۔ کل تک جو اللہ سے غافل تھا اب ہمہ وقت اللہ کی یاد سے مست ہے اور ایک مخلوق اس سے اللہ کی محبت حاصل کرنے کو اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے اس کی حیات باعثِ حیاتِ دیگراں ہوتی ہے۔ پس حقیقی ابدال وہی ہے جو بدل جائے جس کے ظاہر و باطن کو تعلق مع اللہ علیٰ سطح الولایۃ والصدیقیت نصیب ہو جائے۔ اس کی دلیل اس کے زبانی دعوے نہیں بلکہ اس کی استقامت علی التقویٰ ہوگی کہ کسی حال میں وہ اللہ تعالیٰ کے دائرۂ غلامی سے نہیں نکلے گا ورنہ محض زبانی دعووں سے کیا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ ہمارے گاؤں میں ایک شخص ہے جو دعویٰ کرنے لگا ہے کہ وہ ابدال ہے۔ حضرت حکیم الامت نے ہنس کر فرمایا کہ جی ہاں یہ پہلے گوشت تھا اب دال ہو گیا اور فرمایا کہ اس کا یہ دعویٰ دلیل

ہے اس کے ابدال نہ ہونے کی کیوں کہ جو ابدال ہوتا ہے وہ گاتا نہیں پھرتا کہ میں ابدال ہوں۔ اہل اللہ تو اپنے آپ کو چھپاتے ہیں، اپنے اشتہار نہیں لگاتے۔

اے خُدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

اے خُدا! اگر میرے گُناہ بے شمار ہیں تو آپ کا پردۂ ستّاریت بھی تو غیر محدود ہے۔ پس میرے بے شمار لیکن محدود گناہوں کو اپنے غیر محدود پردۂ ستّاریت کے کسی گوشے میں چھپا دیجیے اور اس بندہ کو رسوا نہ کیجیے۔ اگرچہ میں بُرا ہوں لیکن میرے عیوب کو آپ نے مخلوق سے چھپایا ہے پس آپ ہمیشہ میری پردہ پوشی فرمائیے اور میرے عیوب کو مخلوق پر ظاہر نہ کیجیے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

ہمارے پردادا پیر سید الطائفہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃُ اللہ علیہ کعبۃ المکرمہ کے سامنے ساری رات سجدے میں اس شعر کو پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

* * *

مجلس درس مثنوی

۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ بمطابق یکم جنوری ۱۹۹۸ء بروز جمعرات

بوقت چھ بج کر پینتالیس منٹ بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

سوئے آہوئے بصیدی تافتی
خویش را در صیدِ خوکے یافتی

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ تم ہرن کی تلاش میں دوڑے ناز و تبختر کے ساتھ کہ آج ہم ضرور ہرن کا شکار کریں گے لیکن تمہارا ناز ٹوٹ گیا اور اچانک تم نے اپنے کو دیکھا کہ ایک جنگلی سور نے جھاڑی سے نکل کر تم کو منہ میں دبالیا اور اپنے بڑے بڑے دانتوں سے تمہیں چبانے لگا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے ہی بعض سالک نسبت مع اللہ اور حصولِ دولت تعلق مع اللہ کے لیے شیخ سے وابستہ ہو کر ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے تاکہ اللہ کے قُرب کا ہرن حاصل کرے مگر نفس و شیطان جنگلی سور کی طرح کسی معشوقِ مجازی کے عشق میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ شیطان تو نفس کو اکسا کر چلا جاتا ہے پھر نفس کا جنگلی سور اس کو اپنے منہ میں چباتا رہتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ مولیٰ تک پہنچتا کسی مرنے والی لاش پر فدا ہو جاتا ہے۔ یعنی کسی لڑکی یا امرد یعنی نوجوان مرد کی محبت میں مبتلا ہو کر پیشاب اور پاخانے کے مقام پر انتہائی ذلّت اور پستی کے ساتھ اپنی زندگی کے شب و روز ضایع کرکے خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃُ کا مصداق بن جاتا ہے۔ نفس کا طبعی مزاج کرگسی ہے یعنی نفس بالطبع کرگس ہے، مردہ خور ہے۔ بڑی مشکل سے اس کو پاکی ملتی ہے، ایک زمانہ چاہیے اللہ سے روتے ہوئے اور شیخ کی خدمت کرتے ہوئے اور اس کی دُعائیں لیتے ہوئے۔ مالک کا جب فضل ہوتا ہے تب جا کر پھر مُردہ خوری سے اس کو نجات ملتی ہے اور اس کی کرگسیت

شاہبازیت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ جب یہ تبدیلی ہوتی ہے اس مقامِ تبدیلی کو مولانا رومی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی دعاؤں سے اور طالب کی ہمت اور ارادے سے جب اللہ کا فضل ہو جاتا ہے تو سالک کو غیر اللہ سے نجات مل جاتی ہے۔ تب فرماتے ہیں۔

بازِ سُلطانم گشم نیکو پیم
فارغ از مُردارم و کرگس نیم

یہ گشم گشتم تھا مگر ”ت“ کی وجہ سے وزن گر رہا تھا لہٰذا ”ت“ کو حذف کر دیا گیا ضرورت شعری کی وجہ سے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سلطان کا یعنی اپنے اللہ کا بازِ شاہی ہو گیا ہوں، ان کے قُرب سے مُشرف ہو گیا ہوں اور لذّتِ قُربِ یار نے مجھے بیگانۂ اغیار کر دیا ہے۔ یعنی میں تمام گناہوں سے توبہ کر چکا ہوں اور توبہ کی سواری عجیب سواری ہے جس پر بیٹھ کر ہر شخص پستی سے پھر بُلندی کی طرف اُڑ سکتا ہے۔

مرکبِ توبہ عجائب مرکب است
تا فلک تازد بیک لحظہ زپست

مولانا فرماتے ہیں کہ توبہ کی سواری عجیب بابرکت سواری ہے جو گناہ گاروں کو آنِ واحد میں گُناہ کی ذلّت کے غار سے نکال کر حق تعالیٰ کی بارگاہ قُرب میں پہنچا دیتی ہے۔ گناہ گاروں کے آہ و نالوں سے دریائے رحمت میں اس طرح جوش آتا ہے کہ کافرِ صد سالہ دم میں فخرِ اولیاء بن جاتا ہے۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبرِ صد سالہ ہو فخرِ اولیاء

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **لَأَنِيْنُ الْمُذْنِبِيْنَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِيْنَ**[۳۸] گناہ گاروں کا رونا مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔

---

[۳۸] کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۲۹۸، (۸۰۵) فی باب حرف الهمزة مع النون/ روح المعانی: ۱۹۶/۳۰، القدر (۴)، دار احیاء التراث، بیروت

اَے جلیل اشکِ گناہ گار کے اِک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

تو مولانا فرماتے ہیں کہ توبہ کی برکت سے اب میں نیک ہوگیا ہوں اور مُردہ کے عشق و محبت سے پاک ہوگیا۔ اے دنیاوالو! اب میں گدھ نہیں ہوں، اب میں کرگس نہیں رہا اب میں اس حیّ وقیوّم کے قُربِ اعلیٰ سے مُشرف ہوں اور کرگسی صفت سے مجھے اللہ تعالیٰ نے پاک فرمادیا ہے۔ باز سُلطان اور ہوتا ہے پھر وہی دوسروں کا شکار کرکے انہیں سُلطان تک لے جاتا ہے، کرگس نہیں لے جاسکتا لہٰذا بازِ شاہی سے دوستی کرو وہ تمہیں سلطان تک پہنچادے گا اور اگر کرگس سے دوستی کروگے تو وہ تم کو لے کر کسی مُردار کے پاس پہنچ جائے گا۔ اس لیے مولانارومی نے فرمایا کہ ؎

یارِ مغلوباں مشو ہیں اے غوی
یارِ غالب جُو کہ تا غالب شوی

ہیں معنیٰ خبردار اور غوی معنیٰ نادان، بے وقوف، سرکش یعنی اے بے وقوف اور نادان جو خود نفس و شیطان سے مغلوب ہیں ان کو اپنا یار مت بناؤ۔ جو پیر عورتوں سے ٹانگیں دبوا رہے ہیں، چرس پی رہے ہیں، سٹے کا نمبر بتا رہے ہیں، طبلہ اور ڈھولک پر قوالی سُن رہے ہیں، نہ نماز ہے نہ روزہ، یہ تو خود مغلوب ہیں، نفس و شیطان کے ایجنٹ ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ ورنہ تم بھی مغلوب ہوجاؤ گے لہٰذا ایسے لوگوں کو دوست بناؤ جو کہ اپنے نفس کے رذائل پر غالب آچکے۔ اگر تم کو اپنے نفس پر غالب ہونا ہے تو ایسے لوگوں کی صحبت میں رہو جو اپنے نفس پر غالب آچکے ہیں۔ تو غالب کی صحبت تم کو غالب کردے گی یعنی ان کی صحبت کی برکت سے تم بھی اپنے نفس پر غالب ہوجاؤ گے۔ حکیمُ الامّت نے وعظ میں اس مضمون کو بیان فرمایا کہ ایک آدمی ایک نواب صاحب کے یہاں ملازم تھا اور بیگمات کی خدمت اس کے سپرد تھی۔ کئی سال تک عورتوں میں رہا، باہر نکلا ہی نہیں۔ ایک دن محل میں ایک سانپ نکل آیا تو بادشاہ کی بیویوں نے کہا کہ ارے بھئی! کسی مرد کو بلاؤ جو اس کو مارے تو وہ مرد بھی چیخنے لگا کہ ارے بھئی! کسی مرد کو بلاؤ۔ بیگمات نے کہا کہ

آپ بھی تو مرد ہیں تو کہا کہ واللہ! کیا میں بھی مرد ہوں۔ تو حضرت نے فرمایا: صحبت کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ اس ظالم کو اپنا مرد ہونا یاد نہ رہا۔ اسی لیے دیہات میں رہنے کو ظلم کہا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے **مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا**[۳۹] جو گاؤں میں رہتا ہے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا کیوں کہ گاؤں میں اکثر مدارس اور دارالعلوم نہیں ہوتے اور وہاں بڑے عُلماء اور بزرگانِ دین نہیں رہتے، علمی ماحول نہیں ہوتا، زیادہ تر جہلاء میں رہنا پڑتا ہے وہاں دین سیکھنے کا اور دینی کام کرنے کا موقع نہیں ہوتا۔ اس لیے شہر میں رہنے میں خیر ہے جہاں بڑے بڑے عُلماء ہوں وہاں دین کی خدمت کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں باپ گاؤں سے جب شہر میں آ گئے تو اُنہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ مُفسرین لکھتے ہیں کہ شہری زندگی کے گاؤں کی زندگی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گاؤں میں جسمانی عافیت بھی نہیں ہوتی اور دین کی ترقی بھی نہیں ہوتی۔ جو خود بھی بڑا اللہ والا ہوگا آہستہ آہستہ کمزور ہو جائے گا کیوں کہ اسے میدان نہیں ملے گا دین پھیلانے کا۔ گاؤں میں نماز باجماعت تک کی پابندی نہیں ہوتی۔ بس دن بھر اپنی کھیتی باڑی کرکے آئے اور رات کو الگ الگ نماز پڑھ کے سوگئے۔ اس شعر میں مولانا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور تصرفاتِ عجیبہ کو ایک مثال سے بیان فرمارہے ہیں کہ مثل ہرن کے شکاری کے بعض سالکین حصولِ نسبت مع اللہ کے لیے سلوک طے کرنا شروع کرتے ہیں لیکن ناز و تکبر کے سبب خود نفس کے جنگلی سور کا شکار ہو جاتے ہیں اور عشقِ مجازی کے عذاب میں مبتلا ہو کر اللہ تک نہیں پہنچ پاتے اس لیے مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ ناز و نخرے مت کرو، اپنے کو حقیر و ذلیل و کمزور سمجھو اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت پناہ مانگتے رہو کہ اے خُدا! اپنی رحمت سے ہمیں اپنی حفاظت میں لے لے اور اپنی منزلِ قرب تک رسائی نصیب فرما۔ دوسرے شعر میں مولانا فرماتے ہیں۔

تیر سُوئے راست پرّانیدۂ
سُوئے چپ رفتہ است تیرت دیدۂ

---

[۳۹] جامع الترمذی: ۲/۵۱، ابواب الفتن، ایچ ایم سعید

اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور قدرتِ قاہرہ کو بندوں کے ناز و تکبر کی شکست وریخت کے لیے مولانا اس شعر میں دوسری مثال سے بیان کر رہے ہیں کہ اے شخص! تو نے تیر کو داہنی طرف چلایا مگر تُو نے دیکھا کہ تیرا وہ تیر بائیں طرف اُڑا جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت سے استمداد اور دعا اور تضرع نہیں کرتے ہو بلکہ ناز کرتے ہو اپنے کمالات پر۔ پس اے سالک! تجھے اپنی تدبیر پر ناز نہ کرنا چاہیے۔ تدبیر کا مفید نتیجہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے لہٰذا تم کو تو اللہ سے دُعا کر کے تیر مارنا چاہیے تھا کہ یا اللہ! میرا تیر میری منزل تک پہنچا دیجیے یعنی میری تدبیر کو اپنی منزلِ قُرب تک رسائی نصیب فرمائیے اور عجب و کبر سے تحفظ فرمائیے کیوں کہ عجب و کبر کی نحوست سے جب اللہ کی رحمت اور نصرت ہٹ جاتی ہے تو تدبیر کا اثر اُلٹا ہو جاتا ہے۔

از قضا سر کنگبیں صفرا فزود
روغنِ بادام خشکی می نمود

مولانا فرماتے ہیں کہ سکنجبین جو باعتبارِ تدبیر کے قاطعِ صفراء ہے قضائے حق سے باعتبارِ انجام زیادتی صفراء کا سبب بن جاتی ہے۔

گہہ چو کابوسے نماید ماہ را
گہہ نماید روضہ قعرِ چاہ را

ارشاد فرمایا کہ خود بینی اور تکبر کی نحوست سے قلب کی بصیرت میں فساد آجاتا ہے جس کی وجہ سے بصارت فاسد ہو جاتی ہے اور ایسا شخص حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ اہل اللہ اور مقبولانِ بارگاہ کے چہرۂ انور بدبختوں کو منحوس اور بُرے نظر آتے ہیں اور اہلِ باطل کے چہرے ان کو محبوب اور منوّر معلوم ہوتے ہیں۔ اس ابتلاء کا سبب ان کے باطن کا کبر اور اعراض ہوتا ہے كَمَا قَالَ تَعَالٰى: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ[۴۰] ان کے مسلسل کُفر اور کُفر پر ہمیشہ قائم رہنے کی نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور یہ ظلم نہیں ہے کیوں کہ ان کا ارادہ حق کو قبول کرنے کا تھا ہی نہیں اس لیے مہر لگا دی گئی لہٰذا یہ عذابِ قہر ہے جو انبیاء اور اولیاء

---

[۴۰] النساء:۱۵۵

کے چاند جیسے چہروں کو کابوس (ڈراؤنی شکل) دکھاتا ہے اور کُفر کے تاریک کنویں کو خوش نما باغ دکھاتا ہے۔ مولانا رومی دوسرے شعر میں فرماتے ہیں ؎

اشقیا را دیدۂ بینا نبود
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگوں کی چشمِ بصیرت خراب تھی اور ظاہری بصارت باطنی بصارت کے تابع ہے پس فسادِ باطن اور فسادِ قلب کے سبب ان کی آنکھوں میں نیک و بد کی پہچان نہ تھی اور بُروں کو نیک اور نیکوں کو بُرا سمجھنے لگے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

اپنی شقاوت اور کور باطنی (بدبختی اور بصیرت کے اندھے پن) اور قلبی فساد یعنی عجب و تکبر کے سبب انبیاء کی برابری کرنے لگے اور اولیاء اللہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور ان کو اپنی طرح قیاس کیا جیسا کہ حکایت ہے کہ ایک حبشی نے جنگل میں ایک آئینہ گرا ہوا دیکھا اور اس کے اندر اپنی کالی صورت لمبے لمبے دانت اور موٹے موٹے ہونٹوں کو دیکھ کر آئینہ کو گالی دے کر کہا کہ کمبخت بدصورت منحوس! تیری ایسی بھدی شکل ہے جبھی تو جنگل کے ویرانے میں کسی نے تجھے پھینک دیا ہے۔ اگر حسین ہوتا تو گھروں میں لوگ تجھ کو آراستہ کرکے رکھتے اس ظالم کو یہ خبر نہ تھی کہ اس آئینہ میں خرابی نہ تھی بلکہ اس کی اپنی ہی صورت کا عکس تھا۔ چناں چہ بصیرت کے اسی اندھے پن کے سبب ابوجہل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مُبارک نہایت بُرا نظر آتا تھا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرتِ صحیحہ یہ فیصلہ کررہی تھی کَاَنَّ الشَّمْسُ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مُبارک میں مجھ کو آفتاب چلتا ہوا نظر آتا تھا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور شامتِ عمل سے جب اللہ کا قہر نازل ہوجاتا ہے تو اسی طرح اولیاء کی معرفت بھی نہیں ہوتی خصوصاً اللہ سے اپنے شیخ کی محبت و عظمت

مانگنی چاہیے کیوں کہ اگر اپنے شیخ کو حقارت سے دیکھے گا تو وہ شخص کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔ ملّا علی قاری فرماتے ہیں مَنِ اعْتَرَضَ عَلٰی شَیْخِہٖ وَنَظَرَ اِلَیْہِ اِحْتِقَارًا فَلَا یُفْلِحُ اَبَدًا[۴۱] جس نے اپنے شیخ پر اعتراض کیا اور اس کو محتقرانہ نظر سے دیکھا تو یہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی جب کسی حسین کو دیکھ کر نفس میں خوشی کی لہریں اٹھیں تو اللہ سے فوراً ڈر جاؤ اور سمجھ لو کہ یہ وہی کنویں کا اندھیرا ہے جو تقلیبِ ابصار سے بہترین باغ معلوم ہورہا ہے۔ اس سے توبہ کرو کیوں کہ نافرمانی سے خوش ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی ہے۔ جب نفس کسی حسین کو دیکھ کر خوشی امپورٹ کرے، درآمد کرے، جو حرام خوشیاں اور بدمستیاں آئیں تو نظر ہٹا کر نفس کو کوئی تکلیف دہ بات یاد دلادو، دوزخ کی آگ کا تصور کرو، قبر کی منزل یا قیامت کی پیشی کو یاد کرو یا تنہائی میں جاکر اپنی کھوپڑی پر تین جوتے لگالو کہ کیوں خوش ہوا، نفس کو فوراً اتنا غم دو کہ توازن اور بیلنس صحیح ہوجائے اور غم پہنچانے کا ایک اور راستہ بزرگوں نے بیان کیا ہے کیوں کہ بعض وقت نفس دوزخ اور عذابِ قبر اور قیامت کی پیشی وغیرہ سے بھی متاثر نہیں ہوتا وہ پاگل سا ہوجاتا ہے لہٰذا اس نفس کو غم دینے کا بہترین اور مجرّب علاج مشائخ نے بتایا کہ فوراً وضو کرو اور آٹھ دس رکعات نفس سے پڑھوالو۔ بس یہ رکعات سارے مراقبوں سے بھاری پڑیں گی۔ پھر شیطان بھی پیچھا چھوڑ دیتا ہے کہ اس سے بد نظری تو میں نے کرائی اور میں نے کوشش کرکے فوکس ڈالا، اس حسین کے چہرے پر مسمریزم کیا جس سے وہ چار آنہ حسن ان کو سولہ آنہ نظر آیا۔ لال لال گالوں کو اور زیادہ لال دکھا کر لالوں کو لالہ زار بنادیا اور یہ لالے جان کے چھالے ہیں جس سے ان کی جان کے ہی لالے پڑگئے لیکن اس نے اشکبار آنکھوں سے توبہ کرلی اور توبہ سے خطا مُعاف ہوگئی اور آٹھ دس رکعات مزید پڑھ لیں اور کچھ صدقہ خیرات بھی کردیا جس سے اللہ کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ[۴۲] یہ سب نیکیاں مستزاد

---

[۴۱] مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۲۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

[۴۲] جامع الترمذی: ۱/۱۴۴، باب ما جاء فی فضل الصدقۃ، ایچ ایم سعید

اس کے نامۂ اعمال میں چڑھ گئیں۔ لہٰذا شیطان کہتا ہے کہ میری بزنس تو یہاں بالکل لاس (خسارہ) میں جارہی ہے لہٰذا توبہ کرنے والے کا تعاقب چھوڑ دیتا ہے۔

شیخ کے مشورے سے گناہ کے ترک کے لیے صدقہ کرنا نہایت مفید ہے۔

ایک شخص یوپی میں کپڑا بیچتا تھا، میرا پیر بھائی تھا۔ اس نے اپنا واقعہ سُنایا کہ اس نے حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے گزارش کی کہ حضرت! مجھے بد نظری کی سخت عادت ہے اور میرا کپڑے کا کاروبار ہے جہاں اکثر عورتیں ہی خریدنے آتی ہیں اور وہ ہر کپڑے میں "فی" نکالتی رہتی ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے اور اس میں وہ۔ ان سے بات بھی کرنا پڑتی ہے۔ حضرت ہردوئی امت برکاتہم نے فرمایا کہ نظر نیچی کرکے سودا دے دو۔ ان کو غور سے مت دیکھو جیسے ریل گزرتی ہے تو درختوں کو تو دیکھتے ہیں مگر پتے نہیں گنتے ایسے ہی تم اچٹی پچھٹی سطحی نظر ڈالو کہ حسن کا ادراک نہ ہو اور اس کی ناک کے اٹھان کی پیمائش مت کرو اور آنکھوں کو مت ناپو کہ وہ کتنی بڑی ہیں۔ پھر توبہ اور استغفار کرو اور اگر بد نظری ہو جائے تو پانچ روپیہ فی نظر صدقہ کرو اور صدقہ میرے مدرسہ میں بھیجو کیوں کہ بعض وقت میں وہ ظالم صدقہ بھی ان ہی معشوقوں پر خرچ کرتا ہے۔ جو نمکین یا نمکینہ اس کو پسند آئی اسی پر صدقہ کر دیتا ہے اور اس شعر کا مصداق ہو جاتا ہے؎

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطّار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

آپ بتائیے بزرگوں کی نظر کہاں تک جاتی ہے۔ حضرت نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ خیرات بھی انہیں ہی دے دے لہٰذا فرمایا کہ میرے مدرسہ میں بھیجو۔ اس نے ایک دن دس بد نظری کی تو پچاس روپیہ بھیجنا پڑا۔ اس نے سوچا کہ پچاس ہی روپے تو آمدنی ہوتی ہے اگر یہی خیرات کروں گا تو کھاؤں گا کہاں سے، بیوی بچے بھوکے مریں گے لہٰذا اس نے پانچ نظر کم کر دیا پھر بھی آدھی آمدنی نکل گئی تو گوشت روٹی میں کمی آگئی دال پر آگیا۔ غرض اس طرح آہستہ آہستہ یہ عادت چھوٹ گئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ تین سال ہو گئے

ایک بار بھی نظر خراب نہیں کی۔ یہ شیخ کی کرامت ہے۔ اگر یہ خود سے اپنے اوپر جرمانہ کرتا تو فائدہ نہ ہوتا۔ شیخ کے مشورہ میں اللہ تعالیٰ نے برکت اور خاصیت رکھی ہے۔ ایک دوا آپ کھالیں اور وہی دوا حکیم کے مشورے سے کھائیں فرق ہوجائے گا۔ ساؤتھ افریقہ میں ایک عالم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ہر وقت باوضو رہنا چاہتا ہوں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے میں نے کہا کہ ہر وقت باوضو رہنا تو اس کا کیا کہنا کہ لیکن صحابہ کے جسم ماشاء اللہ مضبوط تھے ان کی صحت بہت اچھی تھی۔ اس زمانے میں اب صحت اس قابل نہیں کہ ریاح کو دیر تک روکا جائے کیوں کہ اگر ریاح (گیس) کا خدانخواستہ دل کی طرف رجوع ہوجائے تو ہارٹ اٹیک بھی ہوسکتا ہے لہٰذا ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش نہ کرو لیکن آنکھوں کو ہر وقت باوضو رکھو یہ اس کا بہترین بدل ہے۔ اس مشورے سے وہ عالم بہت محظوظ ہوئے۔ باوضو ہیں اور عورتوں کو دیکھ رہے ہیں تو ایسے وضو سے کیا فائدہ۔ ہمارے یہاں ایک گانے والی خبیثہ کا بیان اخباروں میں آیا تھا کہ میں باوضو گانا گاتی ہوں تو میں نے کہا کہ اگر کوئی کہے کہ میں باوضو زنا کراتی ہوں تو کیا زنا حلال ہوجائے گا وضو کرنے سے! بلکہ حرام چیز پر بسم اللہ پڑھنا یا حرام کام کے لیے وضو کرنا اس میں اندیشۂ کُفر ہے۔ لہٰذا آنکھوں کا وضو رکھو کہ آنکھ سے کوئی غلط اور حرام الذّت استیراد اور امپورٹ نہ کرو تو گویا آپ باوضو ہیں یعنی گناہوں سے پاک ہیں۔ گناہ سے بچنا باوضو رہنے سے افضل ہے۔

چوں مُقلّب بود حق ابصار را
او بگر داند دل و افکار را

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقلبِ ابصار بھی ہے اور مُقلّبِ قلوب وافکار بھی ہے یعنی جو اللہ تمہاری نگاہوں میں تصرف کرنے پر قادر ہے وہ تمہارے دل پر تصرف کرنے پر بھی قادر ہے۔ جو ابصار کو تبدیل کرسکتا ہے وہ افکار کو بھی تبدیل کرسکتا ہے، جو آنکھوں کو بدل سکتا ہے وہ دل کو بھی بدل سکتا ہے، جو نظر بدل سکتا ہے وہ تمہاری قوتِ فکریہ اور عقائد وافکار کو بھی بدل سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے تصرفات سے ڈرتے رہو اور استقامت کے لیے توبہ استغفار کرتے رہو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ

کسی گناہ کے عذاب میں قعرِ چاہ یعنی کنویں کی گہرائی کا اندھیرا تمہیں باغ معلوم ہونے لگے اور چاند جیسا چہرہ تم کو ڈراؤنی شکل دکھائی دینے لگے جس طرح سرکشی و کُفر و عناد کی سزا میں ابُو جہل کی اندھی بصیرت کو نبوت کا مقام نظر نہ آسکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مُبارک نعوذ باللہ اس خبیث کو بُرا لگتا تھا اور عشق و محبت کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرت چوں کہ صحیح تھی اس لیے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر آفتاب چلتا ہوا نظر آتا تھا۔ دونوں کی نظر کے فیصلوں میں کتنا زبردست فرق ہو گیا۔ لٰہذا کثرت سے یہ دُعا مانگنی چاہیے۔ **اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ**[٤٣] اے اللہ! ہم کو حق کا حق ہونا دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اسی طرح کسی گُناہ کے عذاب میں جب دل و نظر پر قہرِ خداوندی ہوتا ہے تو قعرِ چاہ کی ظلمت یعنی فانی شکلیں اور گناہ کے مواقع اور گندے مقامات اس کو سلطنت سے بھی افضل معلوم ہوتے ہیں۔ قوتِ فکریہ ہی مفلوج ہو جاتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اسی تقلیبِ ابصار و قلوب کا نتیجہ ہے کہ بعض مُتقشّف اور محروم القسمت عین دین کو غیر دین سمجھ کر پیری مریدی کو بے وقوفی سمجھتے ہیں حالاں کہ یہ خود پرلے درجہ کے بے وقوف ہیں کیوں کہ اگر ان کی بات کو صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ چاروں سلسلوں کے بڑے بڑے عُلماء کو تم نے بے وقوف سمجھا۔ جاہل پیروں اور قبر پُوجنے والوں کی پیری مُریدی سے تو بے شک احتیاط واجب ہے لیکن اہلِ حق سے مُرید ہونے کی حماقت سمجھنا ایک ہزار سال کے تمام اولیاء اللہ اور عُلمائے ربانیین کی شان میں گستاخی ہے۔ یہ شخص گویا امام غزالی، مولانا رومی، جنید بغدادی، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا حکیمُ الامّت تھانوی اور ہمارے سارے اکابر رحمہمُ اللہ علیہم اجمعین کو بے وقوف سمجھتا ہے کیوں کہ بیعت کا یہ سلسلہ چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے۔ یہ سارے اکابر پیری مُریدی کے راستہ سے اللہ والے ہوئے ہیں۔ جو تصوف کے مُخالفین

---

[٤٣] تفسیر ابن کثیر: ٢٨١/٢، البقرة (٢١٣)، مؤسسة قرطبة

ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب تم ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر نہیں چلتے اور جب عملاً تم ان کو حق پر نہیں سمجھتے اور ان کی طرح اہل اللہ سے نہیں جڑتے تو پھر جامعہ قاسمیہ، جامعہ رشیدیہ، جامعہ اشرفیہ وغیرہ نام کیوں رکھتے ہو۔ چندہ لینے کے لیے ان بزرگوں کی ہڈیاں بیچتے ہو، جن کے نام پر مال لیتے ہو اور اپنے مدرسے چلا رہے ہو ان ہی کے نقشِ قدم کی مخالفت کرتے ہو۔

لہٰذا جو شخص راہِ اہل اللہ کی مخالفت کرتا ہے یہ بھی کسی عذابِ قہر میں مبتلا ہے کیوں کہ صراط منعم علیہم یعنی اللہ کے عاشقوں کا راستہ ہی مُستند ہے باقی تمام راستے گمراہی کی طرف جاتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست کا شعر ہے اور کیا خوب ہے۔ فرماتے ہیں ؎

مُستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

آہ کو نسبت ہے کچھ عُشّاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

از شرابِ قہر چوں مستی دہی
نیست ہارا صورت ہستی دہی

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے خُدا! جب آپ کسی پر اس کی شامتِ عمل کے سبب عذاب نازل کرنا چاہتے ہیں تو فانی صورتیں اس کو نہایت مہتم بالشان معلوم ہوتی ہیں اور ایسے شخص کی مٹی مٹی کی صورتوں پر مٹی ہو جاتی ہے اور فانی اجسام قبروں میں بے نام و نشان ہو کر عاشقوں کے لیے باعثِ حسرت و ندامت اور ضیاعِ سرمایۂ زندگانی بن جاتے ہیں۔ احقر کا ایک شعر ہے ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر دیا جس نے جوانی کو

گر زِ صورت بگزری اے دوستاں
گلستان است گلستان است گلستاں

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں اے سالکینِ کرام! اگر صورت پرستی کے عذاب سے تم نجات پاجاؤ تو تمہاری روح کے اندر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قُرب کا باغ ہی باغ نظر آئے گا۔ گُناہ سے بھاگنا یہ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ہے جس کی تفسیر علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں کی ہے اَیْ فَفِرُّوْا عَمَّا سِوَی اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ[۴۴] غیر اللہ سے بھاگو اللہ کی طرف۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ نازل فرما کر اللہ نے اپنے عاشقوں کو دو لذّتیں بخشی ہیں، ایک لذّتِ فرار الی اللہ اور دوسری لذّتِ قرار مع اللہ یعنی غیر اللہ سے بھاگنے کی لذّتِ فرار اور اللہ کے پاس آنے کی لذّتِ قرار اور فرار الی اللہ میں بھی اللہ نے ایک خاص لذّت رکھی ہے جیسے جب بچہ غیروں اور دشمنوں سے جان چھڑا کر باپ کی طرف بھاگتا ہے تو اس فرار میں اس کو ایک مزہ آتا ہے کہ میں باپ سے قریب ہو رہا ہوں اور جب باپ کی گود میں آجاتا ہے تو اس کو ایک دوسری لذّت ملتی ہے یعنی باپ کی گود کی لذّتِ قرار۔ اللہ کی ہر نافرمانی سے بچنا، گناہوں سے بھاگنا، حسینوں سے نظر بچانا یہ فرار الی اللہ ہے جس کے نقطۂ آغاز اور زیرو پوائنٹ سے ہی قلب میں سکون اور چین کا آغاز ہو جاتا ہے کیوں کہ اللہ دیکھ رہا ہے کہ میرا بندہ غیر اللہ سے بھاگ رہا ہے تو اسی وقت اللہ کی رحمت کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام ہے غیر اللہ سے بھاگنے کی لذّتِ فرار اور جب غیر اللہ سے بھاگ گیا تو اللہ کے پاس پہنچ گیا چاہے کوئی نفلی عبادت بھی نہ کرے لیکن یہ اللہ سے قریب ہو گیا کیوں کہ غیر اللہ سے فرار کے بعد لذّتِ قرار خود بخود ملتی ہے اور حلوۂ ایمانی قلب میں اُتر جاتا ہے اور یہ اللہ کے عاشقوں کی عید ہے جو ان کو ہر زمانہ میں نصیب ہے۔ دنیاداروں کی عید تو سال میں ایک بار ہوتی ہے جب ان کو حلوہ ملتا ہے اور ان کا حلوۂ بطنی

---

[۴۴] روح المعانی: ۲۷/۲۵، ذکرہ فی اشارات سورة الذّٰریٰت

معدے میں جاتا ہے جس سے جسم میں طاقت تو آتی ہے لیکن اس حلوہ کا کچھ حصہ جسم میں غلاظت بھی بن جاتا ہے اور اہل اللہ کے حلوۂ باطنی سے رگ رگ میں انوار کے دریا بہتے ہیں اس لیے اہل اللہ کے حلوۂ باطنی کی عید کو دنیا داروں کے حلوۂ بطنی کی عید نہیں پاسکتی، دونوں کی لذّت میں کوئی نسبت اور تقابل نہیں۔ اس کا نام ہے غیر اللہ سے بھاگ کر اللہ سے قریب ہونے کی لذّتِ قرار۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو لذّتِ فرار بھی دیتا ہے اور لذتِ قرار بھی دیتا ہے۔

اور ابھی ابھی ایک علمِ عظیم عطا ہوا کہ فرار کی دو قسمیں ہیں: ایک فرار طبعی اور دوسرا فرارِ شرعی۔ جب حسین محبوب بڈھا ہو گیا اس وقت جو اس سے بھاگتا ہے تو یہ فرار طبعی ہے اس میں کافر بھی شامل ہے۔ کوئی عیسائی اور یہودی بھی کسی بڈھی بڈھے کو نہیں دیکھتا۔ اسی پر میرا شعر ہے؎

میر کا معشوق جب بڈھا ہوا
بھاگ نکلے میر بُڈّھے حسن سے

لیکن اللہ کے دوستوں کا یہ مقام نہیں ہے کہ جب معشوق یا معشوقہ بڈھی ہو گئی، تو اس سے بھاگے، یہ بھاگنا کیا کمال ہے، اب تو ہندو اور یہودی بھی بھاگے گا۔ جو چیز کافر اور مؤمن میں مُشترک ہو وہ مؤمن کی امتیازی شان نہیں ہو سکتی۔ مؤمن کی امتیازی شان یہ ہے کہ حسن کا عالمِ شباب ہو، اور طبیعت کا شدید میلان اور ہیجان ہو کہ اس حسین کو دیکھ لو، اس کا بوسہ لے لو، گناہ کر لو مؤمن اس وقت اللہ کے خوف سے بھاگتا ہے، شبابِ حُسن سے صرفِ نظر کرتا ہے اس کا نام فرارِ شرعی ہے اور فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ میں اسی فرار کا حکم ہے۔

اور فرارِ شرعی کی تین قسمیں ہیں۔ آنکھوں سے حسین لڑکیوں اور لڑکوں کو نہیں دیکھا، شدید تقاضے کے باوجود نگاہِ چشمی کی حفاظت کی یعنی اپنی نگاہوں کو حسینوں سے بچایا اس کا نام فرارِ عینی ہے۔ اس کے بعد نگاہِ قلبی کی بھی حفاظت کی یعنی دل میں گندے گندے خیالات نہیں پکائے، دل میں قصداً اس حسین کا خیال نہیں لائے اس کا نام فرارِ قلبی ہے۔ اس کے بعد جسم سے بھی بھاگے، حسینوں کے پاس سے اپنے جسم کو بھی دور کر دیا، اسبابِ گناہ سے دور ہو گئے کہ اگر قریب رہیں گے تو بکرے کی ماں کب

تک خیر منائے گی، کسی نہ کسی وقت نظر اُٹھ جائے گی یہاں تک کہ گُناہِ کبیرہ میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہے اس لیے جسم کو اللہ کی نافرمانی کے اسباب سے دور کردیا اس کا نام فرارِ قالبی، فرارِ بدنی ہے۔

فرارِ شرعی کی یہ تین قسمیں شاید ہی آپ کسی کتاب میں پائیں گے۔ مُفسرین کی جتنی عربی تفسیریں ہیں اس آیت کی تفسیر دیکھیے مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم میں اختر کو اس وقت خاص فرمایا اور شاید ہی یہ بات آپ کہیں پائیں اور شاید کا لفظ دعویٰ توڑنے کے لیے کررہا ہوں اور اس کو تفسیر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ قرآنِ پاک کے لطائف میں سے ہے۔

اور یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ فَفِرُّوْۤا اِلَی اللّٰهِ کا مطلب خالی حسینوں سے بھاگنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی نافرمانی سے بھاگنا ہے لیکن چوں کہ اس زمانے میں حسن پرستی کی بیماری عام ہورہی ہے اور اس کا کالرا پھیلا ہوا ہے اور جب کالرا پھیلا ہوتا ہے تو زکام کے علاج پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی کیوں کہ زکام کا مریض تو برسوں چل سکتا ہے لیکن کالرا کا مریض آناً فاناً مرجاتا ہے۔ اس دور کا مہلک مرض یہی حسن پرستی، بدنگاہی و عشقِ مجازی ہے اس لیے اس کا تذکرہ زیادہ کرتا ہوں لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ بس حسینوں سے بچ جاؤ اور پھر خُوب سودی کاروبار کرو، رشوت کھاؤ، سودی مُلازمتیں کرو، خوب ٹیلی وژن، وی سی آر اور سینما دیکھو۔ فَفِرُّوْۤا اِلَی اللّٰهِ کے معنیٰ ہیں کہ اللہ کی ہر نافرمانی سے بھاگو۔ جتنے سودی کاروبار اور سودی ملازمتیں ہیں ان سے بھاگنا اور حلال تلاش کرنا اور حلال روزی کے لیے رات دن اللہ سے رونا اور جب حلال مل جائے تو حرام کو فوراً ترک کردینا یہ سب فرار الی اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح خاندان کی ان تقریبات شادی بیاہ وغیرہ میں شرکت نہ کرنا جہاں فوٹو کشی ہورہی ہو یا مووی بن رہی ہو یا عورتیں اور مرد مخلوط ہوکر دعوتِ ولیمہ کھارہے ہوں یا جہاں ساز اور باجا اور گانوں کی ریکارڈنگ ہورہی ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرامینِ عالیہ کو پاش پاش کیا جارہا ہو ایسی مجالس میں شرکت نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں کو چھوڑ دینا سب اس فرار میں داخل ہے۔ ہر گُناہ کو چھوڑنا اللہ کی طرف بھاگنا ہے اور اللہ کی طرف قرار پکڑنا ہے۔

الغیاث از ابتلایت الغیاث
شُد ذکور از ابتلایت چوں اُناث

ارشاد فرمایا کہ اے خدا! فریاد کرتا ہوں کہ اپنی رحمت سے میرا امتحان نہ لیجیے۔ آپ کے امتحان سے پناہ چاہتا ہوں۔ بڑے بڑے مرد جب آپ کے امتحان میں مبتلا ہوئے تو مؤنث ثابت ہوئے یعنی فیل ہو گئے۔

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اِھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

اے فریاد کرنے والوں کی فریاد رسی کرنے والے، اے سارے عالم کی فریاد سننے والے ہم کو اپنی مرضی اور خوشی کا راستہ دکھائیے اور اس راستے پر ہم کو چلائیے۔ ہم کو اپنے علوم پر کوئی فخر نہیں اور بوجہ علم کے آپ کی رحمت سے کوئی استغناء نہیں یعنی ہم کو جو آپ نے علم عطا فرمایا نہ اس پر ہمیں فخر ہے نہ اس علم کی وجہ سے ہم آپ کے کرم سے مستغنی ہو سکتے ہیں کیوں کہ اگر آپ کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو علم اور عمل میں فاصلے ہو جاتے ہیں اور علم کے باوجود آدمی بد عمل رہتا ہے اور کبر و عناد سے مغلوب ہو کر حق کو قبول نہیں کرتا اور حرص و طمع اور جاہ کی خاطر حقائق سے اعراض کرتا ہے۔ اس لیے آپ اپنی رحمت اور اپنی ہدایت کو ہر نَفَس میرے شاملِ حال رکھیے اور مجھ کو میرے نفس کے حوالے نہ فرمائیے۔ ہمارا علم ہمیں آپ کی نافرمانی کے راستوں سے بچانے کے لیے کافی نہیں لہٰذا ہمارا ہر سانس آپ کی رحمت کا محتاج ہے، آپ کی نصرت کا محتاج ہے۔ اگر اللہ کا فضل نہ ہو، اللہ ہمیں اپنی ہدایت کے لیے نہ قبول کرے تو کسی کا تزکیہ نہیں ہو سکتا اور اصلاحِ نفس تین باتوں پر موقوف ہے۔ بغیر تین باتوں کے کوئی پاک نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں جب کہ ہدایت کے سب سے بڑے آفتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی موجود تھی، آپ سے بڑھ کر کون ہدایت کا مرکز ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لیے فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰی مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ[۴۵]

اے صحابہ! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہیں ہو سکتا تھا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو پاک کر دیتا ہے۔ یہ اللہ نے توحید قائم کر دی کہ میرے نبی کو خدا مت بناؤ۔ ہدایت کے مُعاملے میں تم لوگ نبوّت کے فیض کے ساتھ میری مشیت کے بھی محتاج ہو، ہدایت کے لیے صرف فیضِ نبوّت کافی نہیں بلکہ میری مشیت بھی ضروری ہے کیوں کہ میرے نبی کو تو اَبُو جہل نے بھی پایا، ابُو لہب نے بھی دیکھا لیکن ان کو کیوں ہدایت نہیں ہوئی۔ اگر نبی کے لیے ہدایت لازم ہوتی تو اَبُو جہل بھی کافر نہ رہتا، ابُو لہب بھی کافر نہ رہتا لیکن کیوں کہ میری مشیت نہیں تھی اس لیے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست انوارِ نبوّت کے باوجود ان اشقیاء کو ہدایت نہ ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ تین چیزوں سے ہدایت ملتی ہے۔ (۱) اللہ کا فضل (۲) اللہ کی رحمت (۳) اللہ کی مشیت۔ لٰہذا ہم سب کو چاہیے کہ دو رکعت حاجت پڑھ کر یہ بھی مانگیں کہ اے اللہ! اپنا وہ خاص فضل اور وہ رحمت اور مشیت عطا کر دے جس پر قرآنِ پاک میں آپ نے تزکیۂ نفس کی بنیاد رکھی ہے۔ اس عنوان سے مانگ کے تو دیکھو جو اختر سکھا رہا ہے۔

جس کے اندر جو صلاحیت ہے اس سے اگر کام نہ لیا جائے تو وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ ہماری طب میں بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ ایک سال تک ایک طرف کو کھڑا رکھے اور گرائے نہیں تو ہاتھ اکڑ جائے گا، اس کے گرانے کی قوّت ختم ہو جائے گی اور وہ ہاتھ مفلوج ہو جائے گا۔ اسی طرح جو لوگ نظر بچانے کی اپنی قدرت کو استعمال نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے تو سزا کے طور پر ان کی قدرت کے مفلوج ہو جانے کا اندیشہ ہے کہ تم نے ہماری دی ہوئی قوت و طاقت کو کیوں نہیں استعمال کیا، ہمارے راستے میں نفس چور کی لذّتِ حرام سے بچنے کی، نمک حرامی سے باز آنے کی جو ہم نے تمہیں ہمّت اور طاقت دی تھی اس کو استعمال نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کے لیے ڈر ہے ایسا نہ ہو کہ مسلسل بد نظری کرنے کے عذاب میں پھر

---

[۴۵] النور: ۲۱

تمہاری گُناہ سے بچنے کی صلاحیت پر فالج گرادوں اور تم ولی اللہ ہُوئے بغیر فاسقانہ حالت میں مر جاؤ۔ لہٰذا نعمت کو استعمال کرنا چاہیے یا نہیں؟ آپ کسی کو ایک موٹر دے دیں اور وہ اس کو کبھی استعمال نہ کرے، گیرج میں پڑی رہے تو دینے والا وہ موٹر واپس لے لیتا ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی جو قوت ہمیں دی ہے اس نعمتِ قوت کو استعمال کرنا چاہیے جس کا نام تقویٰ ہے۔ یہ اس نعمت کا شکریہ ہے۔ اگر اللہ نظر بچانے کی، گناہ سے بچنے کی طاقت نہ دیتا تو اللہ تعالیٰ تقویٰ فرض ہی نہ کرتا کیوں کہ کمزور آدمی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ رکھنا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گُناہ سے بچنے کی طاقت دی ہے پھر تقویٰ فرض کیا ہے اور طاقت موجود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً ایک دوکاندار ہے اور ایک لڑکی آرہی ہے اور اس کی اچانک نظر اس پر پڑ گئی، شیطان نے اس کے چہرے پر فوکس مار دیا یعنی چار آنے حسن کو بیس آنہ دکھادیا جس کے بعد اس کا ارادہ ہو گیا کہ اس کو خوب دیکھنا ہے بعد میں توبہ کرلوں گا۔ اتنی دیر میں ایک غنڈہ آیا اور اس نے پستول دکھایا تو یہ کیا کہے گا کہ پستول وغیرہ نہ دکھاؤ میں آج پاگل ہو گیا ہوں میں اس حسینہ کو ضرور دیکھوں گا، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کروں گا۔ بولو کیا اس کو گولی مارنے دوگے؟ ارے دُم دبا کر بھاگو گے، اپنی جان کے خوف سے عاشقی بھول گئے۔ یا اسی وقت دوکان میں ایک سانپ نکل آیا اور اسی لڑکی نے کہا: ارے مولوی صاحب! وہ سانپ! تو اس وقت کیا آپ یہ کہیں گے ؎

ترے جلوؤں کے آگے ہمتِ شرح و بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

یا دوکان کا دروازہ کھول کر کے وہاں سے تیر کی طرح بھاگو گے۔ یہ بھی یاد نہ رہے گا کہ اس سے آپ کو پیسے وصول کرنا ہیں۔ اپنی جان کے لیے ایک مخلوق سے ڈر گئے۔ یہ سب مثالیں دے رہا ہوں کہ ہمارا ایمان کس قدر کمزور ہے اور ہم کس درجہ کمینہ اور بے غیرت ہیں کہ ایک سانپ سے اور ایک غنڈے کی پستول سے ڈر گئے اور اپنی جان بچانے کے لیے ساری عاشقی فراموش کر دی اور جس سے ڈرنا چاہیے اس سے نہیں ڈرتے۔ وہ اللہ

جس کے قبضے میں ہماری موت و حیات ہے، ہماری راحت و آرام ہے، جس کے قبضے میں جنت و دوزخ کا فیصلہ ہے آہ! اس سے ہم بے خوف ہیں۔ لہٰذا اللہ کے نام پر فدا ہو جاؤ، اس کی ناراضگی سے ڈرو اور اس کی محبت میں گناہوں کو چھوڑ دو ورنہ کل قیامت کے دن کیا جواب دو گے؟ بس آج کا مضمون ختم ہے اور آخری شعر کا ترجمہ ہو گیا۔

سارے عالم میں آج کل اختر کا یہی ایک مضمون ہے کہ تم لیلاؤں سے بچ جاؤ تو مولیٰ پا جاؤ گے اور مزہ بھی پاؤ گے یہ نہیں کہ خشک مضمون ہے یہ جو لیلاؤں سے بچتا ہے مولیٰ اس کے دل کی خوشی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ یہی حلاوتِ ایمانی ہے کہ تمہارے دل میں رس گھل جائے گا اور تمہارا دل ایمان کی مٹھاس کو محسوس کرے گا اور لیلاؤں کو دیکھنا تو ایک عذاب ہے، دل اسی وقت تڑپنے لگتا ہے۔ تو لیلاؤں کے عذاب سے بچو اور مولیٰ کی لذتِ قُرب سے مستی حاصل کرو۔ لیلاؤں کی ہستی قابلِ مستی نہیں ہے اور نہ ان کی بستی رہنے کے قابل ہے اگرچہ سستی ہو، مُفت کی بھی ملے تو مت لو۔ حکیمُ الامّت نے فرمایا کہ ایک شخص نے مجھے سُرمہ دیا تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی! اس کے اجزاء بتاؤ تا کہ میں اپنے خاندانی حکیم سے مشورہ کر لوں تو وہ غصہ ہو گیا۔ کہا کہ میں تو آپ کو مُفت میں دے رہا ہوں اور آپ کے یہ ناز و نخرے! تو حضرت نے فرمایا کہ تیرا سُرمہ تو مُفت کا ہے میری آنکھ مُفت کی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر گُناہ مفت کا ملے تو کہہ دو کہ یہ گناہ تو مُفت کا ہے لیکن میرا ایمان مفت کا نہیں ہے۔ جو مضمون میں آج کل پیش کر رہا ہوں واللہ! اگر ہم لوگ اس پر عمل کر لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ سورج و چاند کی روشنیاں لوڈ شیڈنگ میں آجائیں گی اور ساری دنیا کی لیلاؤں کے حُسن پھیکے پڑ جائیں گے بلکہ ان کے گراؤنڈ فلور کے گُو موت نظر آئیں گے اور دونوں جہاں کی لذّت تم ایک اللہ میں پا جاؤ گے ان شاء اللہ۔ جو دونوں جہاں کی لذّتوں کا خالق ہے وہ مولیٰ جب دل میں تجلّی فرمائے گا۔ تو میرا یہ شعر پڑھو گے۔

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

بس سبق ختم ہو گیا۔ اس بیان کو معمولی مت سمجھو، یہ بیان ہم کو، آپ کو مولیٰ سے ملانے والا ہے اور لیلیٰ سے چھڑانے والا ہے ۔ بس ارادہ کرلو، قرآنِ پاک کی آیت ہے یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ[۴۶] یعنی اللہ اسی کو ملتا ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے، اور اگر لیلاؤں کا ارادہ کروگے تو مری ہوئی لاشیں ہی پاؤ گے اور جوتے بھی پاؤ گے جس کو اختر کہتا ہے کہ جس نے لیلاؤں کو ہینڈل کرنے کی کوشش کی اس کی کھوپڑی پر سینڈل پڑے۔ جو حسینوں پر مرتا ہے اس کی کھوپڑی پر جوتے پڑتے ہیں اور جو اللہ پر فدا ہوتے ہیں اُن کے جوتے اُٹھائے جاتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو، اس زمان میں حاملانِ عرش فرشتے روزہ داروں کی دُعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ اے اللہ! ہم سب کو اللہ والی حیات نصیب فرما، اپنے اولیاء اور دوستوں کی زندگی عطا فرما، اے خُدا! گناہ کرتے کرتے ہم بڈھے ہوگئے، بال سفید ہوگئے ہمارے حالوں پر رحم فرمادے، ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض نہ کریں اور ہر سانس آپ پر فدا کریں ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمادے اور دونوں جہاں کا اطمینان اور چین اور راحتیں عطا فرما، ہر غم اور پریشانی کو یا اللہ! عافیت سے بدل دے اور جملہ حاسدین اور دشمنوں کے شر کو مغلوب و مقہور کرکے مطرود کردے اور ظالموں کو ان کے مظالم پر نادم فرما کر ان کو مظلومین سے معافی مانگنے کے لیے مضطر فرمادے۔ اور ہماری زندگی کو یا اللہ! رشکِ سلاطین اور رشکِ آفتاب اور رشکِ لیلائے کائنات اور رشکِ نعمائے دوجہان بنادے کیوں کہ آپ ہی نعمت دینے والے ہیں اور آپ نعمتِ دوجہاں کے حاصل ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ ہم کو مل جائیں تو آپ ہمارے لیے حاصلِ لذّاتِ دوجہاں ہیں، اپنی رحمت سے یا اللہ! ہم سب کو اپنا قُربِ خاص عطا فرما اور جو نہیں مانگا وہ بھی عطا فرمادیجیے۔ بے مانگے دونوں جہاں عطا فرمادیجیے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

---

[۴۶] الکہف: ۲۸

مجلس درس مثنوی

۴؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۳؍ جنوری ۱۹۹۸؁ء بروز ہفتہ

بوقت ۷ بجے صبح در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

ارشاد فرمایا کہ آج کے اشعار میں معرفت کا عظیم الشان مضمون ہے۔ اگر یہ مضمون سامنے ہو تو نماز میں، تلاوت میں، سجدہ میں مزہ آجائے گا کہ کتنے عظیمُ الشان مالک کے قدموں میں میرا سر ہے، کتنے عظیمُ الشان مالک کے سامنے میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوں، کتنے عظیمُ الشان مالک کو اس مالک ہی کا کلام سُنا رہا ہوں۔

گر تُو ماہ و مہر را گوئی خِفا
گر تو قدِّ سرو را گوئی دوتا

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ان چاند سورج کی روشنی اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے کیوں کہ نور کی تعریف ہے ظَاھِرٌ لِنَفْسِہٖ جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور یہ اپنی ذات سے ظاہر نہیں ہیں، ان کا نور اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ بھیک ہے اور پھر یہ غُروب بھی ہو جاتے ہیں اور اللہ کا نور کبھی غروب نہیں ہوتا اور قیامت کے دن یہ لپیٹ دیے جائیں گے کَمَا قَالَ تَعَالٰی: اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ پس ان کی یہ بھیک بھی عارضی ہے لہٰذا اللہ کے نور کے مقابلے میں ان کی روشنی کیا پچتی ہے۔ اس کے علاوہ چاند اور سورج کا نور فانی بھی ہے اور محدود بھی اور اللہ تعالیٰ کا نور غیر فانی غیر محدود ہے اور فانی محدود اپنی اکثریت کے باوجود غیر فانی غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے۔ اس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ چاند اور سورج کو حقارت سے طعنۂ خِفا دیں کہ اے بے نورو! تمہارے اندر کوئی روشنی نہیں ہے، تم مخفی ہو، تم پر تو نور کا اطلاق بھی نہیں ہوتا، تم تو ظَاھِرٌ لِنَفْسِہٖ بھی نہیں ہو تو مُظْھِرٌ لِغَیْرِہٖ کیسے ہو سکتے ہو، میری دی ہوئی بھیک سے تم روشن ہو اور کائنات کو روشن کر رہے ہو، اور روزانہ تم کو غروب کر کے تمہاری حقارت

اور بے کسی کا تماشا کائنات کو دکھاتا ہوں کہ تم بے نور ہو جاتے ہو اور کائنات کو روشنی دینے کے قابل بھی نہیں رہتے۔ پس اے چاند اور سورج! تمہارا نورِ حادث و فانی میرے نورِ قدیم واجب الوجود کے مقابلے میں خفا و استتار، کالعدم اور بے حقیقت ہے۔

اور اے اللہ! اگر آپ سرو کے درخت کو (جس سے شعراء محبوبانِ مجازی کے قد کو تشبیہ دیتے ہیں) فرمادیں کہ اے سرو کے درختو! تم میں ٹیڑھا پن، انحنا، عیب اور کجی ہے کیوں کہ یہ رعنائیِ قد تمہاری ذاتی صفت نہیں ہے، میری عطا ہے اور میری رعنائیِ جمال اور حُسنِ ازلی غیر فانی سے اسے کوئی نسبت نہیں اور

گر تو کان و بحر را گوئی فقیر
گر تو چرخ و عرش را گوئی حقیر

اگر آپ معادنِ سیم و زر اور مخازنِ لعل و گہر اور معدنیات کے انمول ذخائر اور بحر حاملِ سواحلِ جواہر یعنی اے خُدا! اگر آپ سونے چاندی کی کانوں اور قیمتی موتیوں کے خزانوں اور معدنیات کے انمول ذخیروں اور ساحلِ سمندر میں چھپے ہوئے کروڑوں کروڑوں کے موتیوں کو فرمادیں کہ تم سب فقیر اور بھک منگے ہو، اگرچہ تم ایسے غنی ہو کہ دوسروں کو بھی غنی کرتے ہو لیکن چوں کہ یہ صفتِ غنا تمہاری ذاتی صفت نہیں میری بھیک ہے لہٰذا تم فقیر اور بھک منگے حقیر اور ناچیز اور بے حقیقت ہو اور اگر آپ عرشِ اعظم جیسی عظیم مخلوق کو جو ساتوں آسمان کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے، فرمادیں کہ اے آسمانو! اور اے عرش و کرسی! تم سب حقیر مخلوق ہو۔

آں بہ نِسبت باکمالِ تو رواست
ملک واقبال و غناہا مر تو راست

تو اپنی مخلوقات کو ان تعبیرات سے خطاب کرنا آپ کے کمالات کے پیشِ نظر آپ کو زیب دیتا ہے کہ ملک و سلطنت اور اقبال مندی و غنا آپ ہی کے لیے خاص ہے، کسی اور کو زیبا نہیں کیوں کہ آپ کی ذات قدیم اور واجب الوجود ہے اور مخلوق حادث و فانی ہے۔

نیست زُرْ غِبًّا وظیفہ عاشقاں
سخت مستسقی ست جانِ صادقاں

ارشاد فرمایا کہ مولانا کا یہ شعر دراصل ایک حدیثِ پاک کی شرح اور توضیح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کُنْتُ اَلْزَمَ لِصُحْبَةِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ[۴۷] میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ایک دم چمٹا رہتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا[۴۸] ناغہ دے کر ملو اس سے محبت بڑھتی ہے تو صحابی کا عمل بظاہر اس حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہ کو منع فرمادیتے کہ ہر وقت ہمارے پاس نہ رہا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکیر نہ فرمانا دلیل ہے کہ صحابی کا عمل درست تھا لیکن حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں تطبیق نہیں ہورہی تھی کہ اس کا جواب اور اس حدیث کی شرح مجھے مثنوی کے مذکورہ شعر میں مل گئی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

نیست زُرْ غِبًّا وظیفہ عاشقاں
سخت مستسقی ست جانِ صادقاں

ناغہ دے کر ملاقات کرنا یہ عاشقوں کا وظیفہ نہیں ہے۔ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا کا حکم رشتہ داروں کے لیے ہے کہ مثلاً سسرال میں نہ پڑے رہو ورنہ ساس سُسر کہیں گے کہ کہاں سے یہ بے حیا داماد ملا کہ جب دیکھو پڑا رہتا ہے۔ رشتہ داروں کے یہاں روزانہ مت جاؤ، وہاں جاکر ڈیرہ مت ڈال دو ورنہ محبت میں کمی آجائے گی لیکن جو اللہ کے عاشق ہیں ناغہ دے کر ملاقات کرنے کا حکم ان کے لیے نہیں ہے کیوں کہ ان کی جان اللہ تعالیٰ کی

---

[۴۷] صحیح البخاری: ۱/۲۷۴ (۲۰۴۳)، کتاب البیوع، باب ما جاء فی قول اللہ تبارك وتعالٰی، فاذا قضیت الصلٰوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ الخ، المکتبة المظهرية

[۴۸] شعب الایمان للبیهقی: ۱۰/۵۶۷-۵۶۸، (۸۰۰۸)، مکتبة الرشد

سخت پیاسی ہے کہ بغیر اللہ کے عاشقوں کی ملاقات کے وہ کہیں چین نہیں پا سکتی۔ اگر مچھلیوں سے کہا جائے کہ پانی میں ناغہ دے کر آیا کرو تو وہ مر جائیں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دریائے نبوّت کی مچھلی تھے، وہ ناغہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نیست زُرْ غِبًّا وظیفہ ماہیاں
زانکہ بے دریا ندارند انسِ جاں

ناغہ دے کر پانی سے ملاقات کرنا مچھلیوں کا کام نہیں ہے کیوں کہ بغیر پانی کے وہ زندہ نہیں رہ سکتیں، بغیر پانی کے وہ اپنی جان سے بے زار ہو جاتی ہیں۔

میر صاحب کا واقعہ ہے، جب اُنھوں نے آنا شروع کیا تو صبح فجر کے بعد آتے تھے اور رات کو جاتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ تیسرے دن آیا کرو۔ لیکن ایک ہی دن میں وہ تڑپ گئے اور ایسے پاگل ہوئے کہ بس سے اُتر کر ناظم آباد میں میرے گھر کی طرف بھاگنے لگے۔ راستے میں ایک بوڑھا آدمی جا رہا تھا، اس نے جو انہیں بھاگتا ہوا دیکھا تو ایک طرف کو ہو گیا۔ اتفاق سے یہ بھی اُدھر کو ہوئے پھر وہ دوسری طرف ہٹا تو یہ بھی جلدی میں اُدھر کو ہو گئے۔ وہ بے چارہ یا تو یہ سمجھا کہ یہ مجھ سے ٹکرا جائے گا اور میری ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی یا یہ سمجھا کہ کہیں یہ مجھ پر حملہ تو نہیں کر رہا ہے تو زور سے چیخا کہ ہائے! مر گیا مر گیا۔ میر صاحب مُعافی مانگتے ہوئے ہنستے ہوئے بھاگتے رہے۔ اُنھوں نے بتایا کہ میری جدائی ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد ملاقات ہو۔ لہٰذا مولانا نے اسی لیے فرمایا کہ ناغہ دے کر ملاقات کرنے کا حکم عاشقوں کے لیے نہیں ہے کیوں کہ بغیر محبوب کے ان کی زندگی دُوبھر ہے جیسے مچھلیوں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ پانی سے وہ ناغہ دے کر ملاقات کریں کیوں کہ پانی ان کی زندگی کی اساس ہے بغیر پانی کے وہ زندہ نہیں رہ سکتیں۔ اسی کو مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانِ عاشق زُرْ غِبًّا کی متحمل نہ تھی اس لیے وہ ہمیشہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر پڑے رہتے تھے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیمُ الامّت تھانوی کو دس برس تک ایک اشکال تھا مگر حضرت کا ظرف دیکھیے کہ دس برس تک کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ میں اس اشکال میں مبتلا ہوں۔ اس لیے کہ بتا کر دوسرے کو کیوں اشکال میں ڈالوں۔ کمال ہے کہ دس سال تک چھپایا۔ بعد میں وہ اشکال مثنوی سے حل ہوا۔ اشکال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ارحمُ الراحمین ہیں اپنی رحمت سے بدونِ مُجاہدہ سب کے نفس کو ولی اللہ بنانے پر قادر ہیں لیکن پھر مُجاہدہ کیوں فرض کیا کہ ہر وقت نظر بچاؤ، یہ کرو وہ نہ کرو۔ اپنے راستے کو اتنا مشکل کیوں کر دیا۔ اس کا جواب مولانا نے مثنوی میں دیا ہے۔

لیک شیرینی و لذّاتِ مقر
ہست بر اندازۂ رنجِ سفر

حضرت کا دس سال کا اشکال اسی شعر نے حل کر دیا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ منزل کی لذّت و شیرینی و لطف و آرام کا ادراک سفر کی تکالیف و صعوبات پر موقوف ہے۔ سفر میں جتنی تکلیف ہوتی ہے منزل کا لطف اسی قدر زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کو تھوڑا سا مشکل کر دیا اور اپنے بندوں کو تھوڑے مجاہدات سے گزارا تاکہ ان کو جنت کا مزہ خوب آئے اور داخل ہوتے ہی کہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْۤ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ[۴۹] سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں حزن و غم سے نجات دی لہٰذا اگر حُزْنْ نہ رہے گا تو اَذْھَبَ کیا ہوگا؟ بولیے اگر جنتی دنیا میں حُزْنْ سے نہ گزرتے تو اَذْھَبَ کیسے کہتے۔ لہٰذا جنت کا مزہ اسی مُجاہدے سے آئے گا۔ مولانا گنگوہی رحمۃُ اللہ علیہ نے بُخاری شریف پڑھاتے وقت فرمایا کہ قیامت کے دن جب سب دوزخی دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے هَلِ امْتَلَئْتِ[۵۰] کیا تیرا پیٹ بھر گیا تو دوزخ کہے گی کہ اللہ میرا پیٹ نہیں بھرا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے یعنی تجلّی خاص نازل

---

[۴۹] المستدرك على الصحيحين للحاكم: ۳/۴۵۱، (۵۷۰۴)، كتاب المناقب مناقب صهيب بن سنان، دار الكتب العلمية، بيروت

[۵۰] قٓ: ۳۰

فرمائیں گے اَلْمُرَادُ بِالْقَدَمِ التَّجَلِّیَاتُ الْخَاصَّۃُ جس سے اس کو سکون ہو جائے گا۔

ایسے ہی جنت بھی کہے گی کہ یا اللہ! میرا پیٹ نہیں بھرا تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کر کے جنت میں ڈال دیں گے کیوں کہ یہ انعام ہے اور انعام دینا شانِ کرم کا ظہور ہے اور دوزخ کے سوال پر کوئی نئی مخلوق پیدا کر کے دوزخ میں نہیں ڈالی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور شانِ عدل کے خلاف تھا کہ بے گناہ مخلوق پیدا کر کے اس کو آگ میں جلاتے۔ اللہ کی ذات ظلم سے پاک ہے لہٰذا وہاں اپنے نور سے اس کو بجھا دیا اور اس کا پیٹ بھر گیا اور یہاں ایک مخلوق پیدا کر کے اس کو جنت میں ڈال دیا تو ایک طالب علم نے کہا کہ کاش! میں وہی مخلوق ہوتا کہ نہ روزہ، نہ نماز، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ گناہ سے بچو، نہ نظر بچاؤ اور مُفت میں جنت پا جاؤ۔ تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ ارے بُدھو! ان کو جنت کا کیا مزہ آئے گا۔ مزہ تو ہم لوگوں کو آئے گا جو تکلیفیں اُٹھا کے جنت میں جائیں گے۔ جنھوں نے روزہ رکھا نہ نماز پڑھی نہ غم اُٹھایا نہ کوئی تکلیف برداشت کی نہ جہاد کیا نہ خُون بہایا اور نہ خونِ تمنّا کیا وہ کیا جانیں گے کہ مزہ کیا چیز ہے کیوں کہ راحت کا مزہ تکلیف کے بعد ہے۔ جو تکلیفیں اُٹھاتے ہیں ان کو احساس ہوتا ہے کہ راحت و آرام کیا چیز ہے لہٰذا حضرت نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو جنت کا جو مزہ آئے گا وہ اس مخلوق کو نہیں آئے گا جس کو اللہ تعالیٰ پیدا کر کے جنت میں ڈال دیں گے۔

الحمد للہ! اس وقت روزے کی برکت سے کیسے عجیب علوم بیان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور قیامت تک صدقۂ جاریہ بنائیں، آمین۔

اے اللہ! آپ نے محض اپنے کرم سے اختر کو جو دردِ دل عطا فرمایا ہے اور اس دردِ دل کے نشر کے لیے جو زبان ترجمانِ دردِ دل عطا فرمائی ہے اور اپنے کرم سے جو کان قدر دان درد دل عطا فرمائے ہیں اے اللہ! میری آہ کو میرے دل میں اور ان کے دل میں اُتار دیجیے اور اے خُدا! میری کسی آہ کو ضایع نہ ہونے دیجیے اور سارے عالم میں میری ہر آہ کو اور میرے دردِ دل کو قیامت تک نشر کا سامان فرما کر اسے شرفِ قبول عطا فرما دیجیے۔

اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مجلس درسِ مثنوی

۷؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۶؍ جنوری ۱۹۹۸؁ء بروز سہ شنبہ

بعد نماز فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

کودکے از حُسن شد مولائے خلق
بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ وہ لڑکا جو بوجہ حُسن کے مولائے خلق بنا ہوا ہے یعنی سردار شمار ہو رہا ہے کہ آیئے آیئے بادشاہ! حُسن کے دیوتا اور حاملِ زُلف دو تا یعنی ہر طرف عزت ہو رہی ہے لیکن جب یہ بڈھا ہو جائے گا تو کوئی اس کو پوچھے گا بھی نہیں اور مخلوق میں ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔ جس کو لوگ گود میں اُٹھائے پھرتے تھے، اس کو لے کر رقص کرتے تھے اور اس کا رقص دیکھتے تھے اب ہر آدمی اس کو ذلیل کرتا ہے۔ جو مولائے خلق بنا ہوا تھا زوالِ حُسن کے بعد وہی رسوائے خلق ہو گیا، اس لیے حُسنِ فانی کی عارضی چمک دمک بہت بڑا دھوکا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد ایک ادیب گزرا ہے۔ اس نے ایک لڑکے کا قصہ لکھا ہے علی گڑھ یونی ورسٹی کا جہاں سے میر صاحب نے بی کام کیا ہے کہ اس یونی ورسٹی کا ایک لڑکا بہت ہی حسین تھا۔ لڑکے تو اس کے چکر میں تھے ہی لیکن استاد لوگ بھی اس کے چکر میں رہتے تھے۔ یہ حُسن عجیب ظالم چیز ہے کہ اگر دل میں خوفِ خدا نہ ہو تو حسین شاگرد استاد بن جاتا ہے۔ سب استاد اس پر لٹّو ہو گئے، کوئی مٹھائی لا رہا ہے، کوئی کباب لا رہا ہے، تحفے دیے جا رہے ہیں، ہر وقت خدمت میں لگے ہوئے ہیں لیکن آخر میں کیا ہوا؟ دو تین سال کے بعد جب اس کے گالوں پر بال آگئے اور بال بھی ایسے آئے کہ ناک تک رخسار چھپ گئے اور سارے

بدن پر بھی بال ہی بال ہوگئے، کندھے پر گردن پر سینے پر، بغل میں ہر جگہ بال ہی بال اور مونچھیں بھی اس کی بڑی بڑی ہوگئیں جس پر میرا ایک قطعہ ہے۔

مونچھوں کے زیرِ سایہ لبِ یار چُھپ گئے

یعنی جس لبِ یار کو چوس رہا تھا اس پر بڑی بڑی مونچھیں آگئیں وہاں اب اگر اندھیرے میں منہ لگایا تو منہ میں بڑی بڑی مونچھیں جو آئیں تو سب مزے کرکرے ہوگئے اور۔

داڑھی کے زیرِ سایہ وہ رخسار چُھپ گئے

وہ گال اب نظر بھی نہیں آتے جن پر مرا تھا اور ہر وقت پوچھ رہا تھا ”تہاڈا کیہ حال اے“ (یعنی تمہارا کیا حال ہے) اس کے بعد حُسن کا اور زیادہ زوال ہوا تو۔

بالوں کی سفیدی میں زُلفِ یار چُھپ گئے
جتنے تھے یارِ حُسن وہ سب یار چھپ گئے

جب مونچھوں کے سائے میں لبِ یار چُھپ گئے اور داڑھی کے سائے میں رُخسار چھپ گئے اور بالوں کی سفیدی میں زُلفِ یار چھپ گئے تو جتنے یارِ حُسن تھے وہ سب یار بھی چُھپ گئے یعنی منہ پھیر کر بھاگ نکلے۔ اس پر میرا ایک شعر ہے۔

شکل بگڑی تو بھاگ نکلے دوست
جن کو پہلے غزل سُنائے ہیں

یہ ہے عاشقانِ مجاز کی بے وفائی و خود غرضی اور نفس پرستی۔ تو یونیورسٹی کے اس لڑکے کا جب حُسن بگڑ گیا اور اس کے سب پرستار بھاگ گئے تو وہاں اس ادیب نے ایک شعر لکھا ہے جو بہت عبرتناک ہے۔

گیا حُسن خوبانِ دل خواہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

صرف اللہ کا نام اور اللہ کے نام کی لذّت اور اللہ کا نور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کے منہ سے ایک بار اللہ کا نام نکل گیا اس کا نور قیامت تک روح پر باقی رہے گا، اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

رنگِ طاعت رنگِ تقویٰ رنگِ دیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

اللہ کی طاعت و تقویٰ اور دین کا نور ارواحِ عابدین میں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ حُسن بھی فانی ہے اور ان حسینوں کا عشق بھی فانی ہے لٰہذا مولانا فرماتے ہیں۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را باحیّ و باقیوم دار

ان مرنے والی لاشوں کا عشق پائیدار نہیں ہوتا اس لیے اس حی و قیوم سے محبت کرو جس کو فنا نہیں، مُردوں کا اور اس حی و قیوم کا عشق جمع نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ہمارے بزرگوں نے امارد سے سخت احتیاط کی ہے۔

نواب قیصر صاحب نے بتایا کہ ہم اور مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم تھانہ بھون جاتے تھے اس وقت ہمارے داڑھی مونچھ نہیں آئی تھی تو ہم دونوں کو رات میں خانقاہ میں قیام کی اجازت نہ تھی یعنی جتنے لڑکے بے ریش ہوتے تھے تو ایسے لڑکوں کے لیے حضرت کا حکم تھا اور حضرت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ جو لڑکے ے داڑھی والے نہیں ہیں جلدی سے خانقاہ خالی کردیں۔ ایک گھر خانقاہ کے قریب کرائے پر لیا گیا تھا جس میں ایسے سب لڑکے رکھے جاتے تھے اور ایک اللہ والے متقی بڑے میاں ان کے نگران ہوتے تھے جو مہتمم الاطفال تھے۔ یہ تھی ہمارے اکابر کی احتیاط۔ اس کے برعکس سُنّت و شریعت کے خلاف جو خانقاہیں ہیں وہ دراصل خانقاہ نہیں خواہ مخواہ ہیں اور ان کے شاہ صاحب شاہ صاحب نہیں سیاہ صاحب ہیں کہ بے ریش لڑکوں کے سر پر پٹے رکھوا کر اور آنکھوں میں کاجل لگوا کر نعتیں سُنتے ہیں حالاں کہ ایسے لڑکوں کو دیکھنا اور ان سے نعتیں سُننا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی اجنبیہ عورت کو دیکھنا اور اس سے نعتیں یا عارفانہ کلام سُننا حرام ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں اَلْاَمْرَدُ الْحَسَنُ الَّذِیْ طَرَّ شَارِبُهٗ وَلَمْ تَنْبُتْ لِحْیَتُهٗ فَحُکْمُهٗ کَحُکْمِ الْمَرْأَةِ

لَا یَجُوْزُ النَّظَرُ مِنْ فَرْقِہٖ اِلٰی قَدَمِہٖ[۵۱] یعنی امرد کا حکم مثل عورت کے ہے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھنا حرام ہے لہٰذا ہم لوگ جتنا اللہ کا شکر کریں کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچے اللہ والوں سے ہمیں جوڑ دیا ورنہ نہ جانے کیا حال ہوتا۔

آہ! ایک بار حضرت حکیم الامّت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بھتیجے مولانا شبیر علی صاحب نے ایک لڑکے کو خانقاہ کے بالاخانے پر جہاں حضرت باوضو تفسیر بیان القرآن لکھ رہے تھے بھیج دیا۔ حضرت حکیم الامّت ایک لمحہ وہاں نہیں رُکے، فوراً نیچے آگئے اور فرمایا کہ مولوی شبیر علی! جس کے داڑھی مونچھ نہ ہو ایسے لڑکے کو میری تنہائی میں مت بھیجو، نفس کا کوئی بھروسہ نہیں اور فرمایا کہ جو لوگ مجھے حکیم الامّت اور مجدد الملّت سمجھتے ہیں وہ میرے اس عمل سے سبق حاصل کریں کہ جس کو وہ اپنا بڑا سمجھتے ہیں وہ جب اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرتا اور اسبابِ گُناہ سے احتیاط کرتا ہے تو خود انہیں کتنی احتیاط کرنی چاہیے۔

بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

ہمچو امرد کز خُدا نامش دہند
تا بداں سالوس در دامش کنند

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ بعضے خبیث الطبع امردوں کو خُدائے حُسن کہتے ہیں کہ آپ تو حُسن کے دیوتا اور حُسن کے خدا معلوم ہوتے ہیں تاکہ اس تعریف اور چاپلوسی سے اس کو اپنے مکروفریب کے جال میں پھنسالیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، یہ مولانا روم ہیں جو آٹھ سو برس پہلے گزرے ہیں وہ صوفیوں کو سبق دے رہے ہیں کہ دیکھو نفس سے ہوشیار رہنا یہ کس طرح چاپلوسی اور تعریف کرتا ہے تاکہ وہ معشوق اس کے چکر میں آجائے۔ سالوس کے معنٰی ہیں خوشامد اور تعریف کرنا کسی کو دھوکا دینے کے لیے۔

---

[۵۱] ردالمحتار ۱/ ۴۰۷، مطلب فی النظر الٰی وجه الامرد، باب شروط الصلٰوة، ایچ ایم سعید

اس پر بھی ایک واقعہ سُن لو جو میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ نے سُنایا تھا کہ ڈاکیے سے ایک شخص کی لڑائی ہو گئی تو اس نے کیسے بدلہ لیا کہ جدھر سے وہ ڈاکیا گزرتا تھا تو وہ زور سے شور کرتا تھا کہ ہٹو سرکاری آدمی جا رہا ہے اور خود بھی ایک طرف ہو جاتا تھا اور اگر کبھی اپنی موٹر سے جا رہا ہوتا تو موٹر کو ایک کنارے کھڑا کر کے موٹر سے اترتا اور کھڑے ہو کر سیلوٹ مارتا کہ اَرے بھئی! دیکھو سرکاری ڈاک جا رہی ہے، یہ سرکاری آدمی ہے اس کا خوب احترام کرو۔ ڈاکیا سمجھنے لگا کہ میں کوئی بہت بڑی چیز ہوں۔ ایک دن ایس پی جا رہا تھا تو ڈاکیے نے اس سے بھی اکرام طلب کیا اور اس کی کار کے سامنے اپنی سائیکل کھڑی کر کے منہ چڑا کر بے ادبی سے بات کی کہ دیکھتے نہیں ہو سرکاری ڈاک جا رہی ہے، میرا راستہ روکتے ہو۔ بس ایس پی نے وہ پٹائی کی کہ مزاج درست ہو گئے۔ تو بعض لوگ بہت زیادہ اکرام کر کے پٹواتے ہیں۔ اسی طرح اہلِ نفس معشوقوں کی تعریف اور خوشامد کرتے ہیں تاکہ ان کو چکر میں ڈال کر اپنا اُلّو سیدھا کریں۔ مولانا کا مقصد صوفیا و سالکین کو تنبیہ کرنا ہے کہ اگر تم ان صورتوں اور شکلوں میں پڑے تو سمجھ لو لیلائے کائنات میں جو پھنسا وہ مولائے کائنات سے محروم ہوا اور پھر ان کا حُسن بھی باقی نہیں رہا۔ لہٰذا نہ دنیا ملی نہ آخرت ؎

نہ خُدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

مولانا رومی سمجھانے کے لیے ایک تمثیل پیش کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریا میں چاند کے عکس کو دیکھ کر سوچا کہ آج تو چاند پانی میں آگیا چلو اس کو پکڑ لو کیوں کہ آسمان پر جانا تو مشکل تھا اب تو چاند زمین پر آگیا ہے کیوں نہ اس کو دبوچ لیں۔ جب وہ اندر گھسا تو پیر کے نیچے بالو جو ہلا تو پانی گدلا ہو اور عکس غائب ہو گیا اور اصلی چاند سے بھی محروم ہو گیا بلکہ چاند سے اور دور ہو گیا۔ مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ ان حسینوں سے نامحرموں سے دور رہو تو اللہ کو پالو گے ورنہ جو عکس کے پیچھے دوڑے گا اصل سے بھی محروم ہو جائے گا اور معشوقوں کا حُسن جب زائل ہو جاتا ہے تو عالم شباب کی رعنائیاں، مستیاں اور

رنگینیاں بھی چلی جاتی ہیں اور ان کے عشاق بھی ہاتھ مل کر رہ جاتے ہیں کہ ہائے ان کو جو بریانیاں، مٹھائیاں، خوبانیاں اور رس ملائیاں کھلائی تھیں سب بے کار گئیں۔ اس کے برعکس اہلِ تقویٰ بڈھے بھی ہو جائیں گے مگر ان کے قلب کی مستیوں کو اللہ باقی رکھتا ہے کیوں کہ ان کی جوانی اللہ پر فدا ہوئی ہے، انہوں نے اپنی جوانی کو اللہ کے پاس جمع کر دیا اور جو چیز اللہ کے پاس جمع ہو گئی وہ باقی ہو گئی۔ لہٰذا بڑھاپے میں بھی اہل تقویٰ کی روح پر عالم شباب طاری ہوتا ہے، ان کو ذکر میں ایسا مزہ آتا ہے کہ ساری کائنات کی لذّتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ [۵۲]

جو کچھ تمہارے پاس ہے فنا ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

لہٰذا جو تم نے اپنے نفس کی خواہش پر خرچ کر دیا، زندگی کی جوانی کو اور کالے بالوں کو حسینوں کے گالوں پر فدا کر دیا تو تم نے سب فنا کر دیا۔ یہ سب مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ ہو گیا، نہ کالے بال رہیں گے، نہ گورے گال رہیں گے ڈھونڈنے سے بھی نہیں پاؤ گے کہ جوانی کدھر گئی۔ ایک بڈھا جھکا ہوا جا رہا تھا۔ بڑھاپے میں کمر جُھک جاتی ہے تو کسی نوجوان نے شرارتاً کہا کہ بڑے میاں! جھکے جھکے جا رہے ہو کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں اپنی جوانی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ پس جو مرنے والوں کے ڈسٹمپروں پر مرتے ہیں اور خلاف پیغمبر زندگی گزارتے ہیں ان کا یہی حال ہے کہ ان کو نہ دنیا ملتی ہے نہ آخرت اور یہ شخص ولی اللہ تو ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ ولایت تقویٰ پر مبنی ہے اور معشوقوں سے دل لگانا فسق ہے اور فسق و تقویٰ جمع نہیں ہو سکتے یہ اجتماعِ ضدین ہے جو محال ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں بہ بدنامی بر آید ریشِ او
دیو رانگ آید از تفتیشِ دیواو

---

[۵۲] النحل:۹۶

جس حسین لڑکے کو عاشقانِ مجاز خدائے حسن کہہ رہے تھے اور اس کی خوشامد و چاپلوسی کر رہے تھے اور اس پر مال خرچ کر کے اسے دامِ شہوت و فسق میں لے رہے تھے یہی لڑکا اسی بدنامی معشوقیت کے ساتھ جب کچھ دن بعد داڑھی مونچھ والا ہو جاتا ہے تو پھر شیطان بھی اس کی خیریت نہیں پوچھتا اور اس کے عشاق راہِ فرار اختیار کرتے ہیں اور اگر کہیں اس کو دیکھتے ہیں تو کھسک جاتے ہیں۔

چوں رود نور و شود پیدا دُخاں
بفسرد عشقِ مجازی آں زماں

مولانا فرماتے ہیں کہ داڑھی مونچھ آنے سے جب چہرے پر دھواں ظاہر ہوتا ہے اور چہرے کا حُسن غائب ہو جاتا ہے اس وقت عشق مجازی کا بازار ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور مجاز کی گرم بازاری عشق ایسی سرد پڑتی ہے کہ پھر کبھی گرم نہیں ہوتی۔ اس لیے مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را با حیّ و با قیّوم دار

مرنے والوں کے ساتھ عشق پائیدار نہیں ہوتا کیوں کہ ایک دن یا تو وہ مر جائیں گے یا مرنے سے پہلے ہی ان کا حُسن ایسا زائل ہو گا کہ ان کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہ چاہے گا۔ لٰہذا محبت صرف اس زندہ حقیقی سے کرو جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور جس کی حیات کے فیضان سے ساری کائنات کی حیات قائم ہے اور جو قیوم بھی ہے کہ خود اپنی ذات سے قائم ہے کسی کا محتاج نہیں اور ساری کائنات کو اپنی قدرتِ قاہرہ سے سنبھالے ہوئے ہے۔ پس صرف وہ حی و قیوم ہی محبت کے قابل ہے کیوں کہ مرنے والے جب ایک دن خود مر جائیں گے تو یہ دوسرے کو کیسے حیات دے سکتے ہیں اور جو خود کو نہیں سنبھال سکتے وہ دوسروں کو کیا سنبھالیں گے۔

نافِ ما بر مہرِ خود ببریدہ اند
عشقِ خود در جانِ ما کاریدہ اند

ارشاد فرمایا کہ جب بچّہ پیدا ہوتا ہے تو بچہ کی ناف میں ایک رگ ہوتی ہے جو شکمِ مادر سے جڑی رہتی ہے جسے نال کہتے ہیں، دائی اس نال کو کاٹتی ہے جو دلیل ہے کہ اس کا رابطہ شکمِ مادر سے کٹ گیا اور اب یہ دنیا میں آگیا اور اس کو ایک الگ وجود عطا ہوگیا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی شرط پر ہماری نال یعنی ناف کاٹی ہے۔ بر مہرِ خود اپنی محبت کی شرط پر "بر" معنیٰ میں یہاں شرط کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبت کی شرط پر ہم کو وجود بخشا ہے کہ جا تو رہے ہو مگر میری محبت کے پابند رہنا، اس شرط پر ہم تم کو دنیا میں بھیج رہے ہیں کہ تم غیروں کے نہ بننا، نہ نفس کے بننا، نہ شیطان کے بننا، ہمارے ہو تو ہمارے بن کر رہنا۔

نہیں ہُوں کسی کو تو کیوں ہُوں کسی کا
اُن ہی کا اُن ہی کا ہوا جا رہا ہوں

میرے شیخ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ ذوقِ شراب ہے
لبِ یار چوسے تھے خواب میں وہی ذوقِ مستیِ خواب ہے

پھر حضرت اس کے معنیٰ بتاتے تھے کہ جب اللہ نے ارواح کو اپنی تجلّی دکھائی اور سوال فرمایا **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ**[۵۳] کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو اس میں اپنی شانِ ربوبیت کی تجلی دکھادی اور اپنی محبت کی چوٹ لگادی۔ وہی چوٹ لگی ہوئی ہے کہ آج اللہ کا نام سن کر کافر کا بھی دل ہل جاتا ہے اور کتنا ہی فاسق ہو مگر اللہ کا نام سن کر وہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ آہ! جیسے ہم نے کبھی اس نام کو سُنا ہے۔ اپنی چوٹ لگا کر ہمیں دنیا میں بھیجا ہے، ان کی محبت ہماری جانوں کا فطری ذوق ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

---

[۵۳] الاعراف:۱۷۲

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اِک چوٹ پرانی وہ اُبھر آئی ہے

جب پُروا ہوا چلتی ہے تو پرانی چوٹ درد کرنے لگتی ہے۔ اللہ کی محبت کی یہ پروا ہوائیں اللہ والوں کی مجالس میں ملتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جامع صغیر کی روایت ہے کہ:

إِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْه وَأَبِيْ سَعِيْدٍ وَقَدْ تَقَدَّمَ وَتَمَامُهٗ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا وَفِيْ نُسْخَةٍ لَعَلَّهٗ أَنْ يُّصِيْبَكُمْ نَفْحَةٌ مِنْهَا فَلَا تَشْقَوْنَ بَعْدَهَا اَبَدًا[۵۴]

اے میری اُمت کے لوگو! تمہارے زمانے کے شب و روز میں اللہ تعالیٰ کے قُرب کی ہوائیں آتی رہتی ہیں، تجلیاتِ جذب نازل ہوتی رہتی ہیں۔ تم ان کو تلاش کرو شاید کہ تم ان میں سے کوئی تجلّی، نسیمِ کرم کا کوئی جھونکا پا جاؤ جس کا یہ اثر ہے کہ پھر تم کبھی بد بخت و بد نصیب نہیں ہو سکتے۔

اس حدیث میں اللہ کے قُرب کی ہواؤں کا، تجلّیاتِ قُرب کے نزول کا زمانہ بتایا گیا۔ لیکن بُخاری شریف کی حدیث میں ان کا مکان بھی بتا دیا گیا کہ یہ کہاں نازل ہوتی ہیں۔

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ[۵۵]

یہ اللہ والے ایسے ہم نشین ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت و بد نصیب نہیں رہ سکتا۔

دونوں حدیثوں کو ملانے سے ایک علمِ عظیم عطا ہوا۔ زمانے کے شب و روز میں جو تجلیاتِ جذب نازل ہوتی ہیں اور جو شقاوت کو سعادت سے بدل دیتی ہیں ان کی منزل اور محل اور ان کا مکان اہل اللہ کی مجالس ہیں کیوں کہ ان کا جلیس و ہم نشین بد بخت نہیں رہ سکتا۔ معلوم ہوا کہ ان تجلیاتِ مقربات کی جائے نزول مجالسِ اہل اللہ

---

[۵۴] جامع الصغير: ۲/۱۴۵، (۲۳۹۸)، دار الكتب العلمية، بيروت

[۵۵] صحيح البخارى: ۲/۹۴۸ (۶۴۴۳)، باب فضل ذكر الله تعالىٰ، المكتبة المظهرية

ہیں لہٰذا جو اللہ والوں کے پاس بیٹھتا ہے تو جذب کی کوئی تجلّی اس پر بھی پڑ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے سعید ہو جاتا ہے اور محبت کی پرانی چوٹ جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر اللہ تعالیٰ نے لگائی تھی پھر اُبھر آتی ہے اور یہ اللہ کی محبت کا دردِ مستقل پا جاتا ہے۔

دونوں حدیثوں کے ارتباط سے جو علمِ عظیم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس کی حلاوت سے دل مست ہو رہا ہے۔ جامع صغیر کی روایت سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کے شب و روز زمانِ تجلّیاتِ جذب ہیں کہ ان ہی شب و روز میں جن کو وہ تجلّیات مل گئیں اس کے بعد کوئی شقی و بد بخت نہیں رہ سکتا۔

مندرجہ بالا حدیثِ پاک سے ان تجلیاتِ جذب، تجلّیاتِ مقربات اور نفحاتِ کرم کا زمانہ تو معلوم ہو گیا لیکن دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ تجلیات کہاں ملتی ہیں؟ بُخاری شریف کی حدیث لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ سے اللہ تعالیٰ نے فوراً دل میں یہ بات عطا فرمائی کہ اہل اللہ کی مجالس ہی وہ مکان ہیں جہاں ان تجلیات کا نزول ہوتا ہے جن کو پانے کے بعد شقاوت سعادت سے اور بد بختی نیک بختی سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ تجلیاتِ جذب کے زمان و مکان کا تعین مدلل بالحدیث ہو گیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے عجیب و غریب علوم عطا فرما رہے ہیں اور یہ آپ حضرات ہی کی برکات ہیں، اس مہینے کی برکات ہیں اور میرے ان بزرگوں کی برکات جن کے ساتھ ایک عمرِ اختر نے بسر کی اور ایسی بسر کی کہ جنگل میں دس سال تک فجر سے لے کر ایک بجے تک ناشتہ نہیں کیا کیوں کہ میرے شیخ بھی ناشتہ نہیں کرتے تھے تو میں کیسے کرتا۔ مجھے شرم آتی تھی کہ شیخ تو ناشتہ نہ کریں اور گھر سے میرے لیے ناشتہ آئے۔ میرا ناشتہ اشراق و چاشت اور ذکر و تلاوت سے ہوتا تھا۔ دوپہر ایک بجے تک ایک دانہ اُڑ کر پیٹ میں نہ جاتا تھا۔ خوب کڑاکے کی بھوک لگتی تھی لیکن کیا بتاؤں کہ شیخ کی صحبت میں کیا لطف آتا تھا کہ آج تک وہ مزہ دل میں محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ کیا کہیں عجیب و غریب معاملہ تھا وہاں نہ بیتُ الخلاء تھا نہ غسل خانہ اور جنگل میں استنجا کے لیے جانا اور تقریباً ایک میل سے شیخ کے لیے پانی لانا کیوں کہ حضرت کنویں سے وضو نہیں کرتے

تھے۔ فرماتے تھے کہ ہندو یہاں پانی بھرتے ہیں اور کنویں میں اپنا ڈول ڈالتے ہیں اگرچہ اس سے وضو کرنا جائز ہے لیکن میرا دل نہیں چاہتا لہٰذا گرمیوں کی دھوپ میں روزانہ ایک میل دور ندی سے حضرت کے لیے پانی لاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ؎

آہ جائے گی نہ میری رائیگاں
تجھ سے ہے فریاد اے ربِّ جہاں

اللہ والوں کی خدمت اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں کرتا، اپنے پیاروں کی خدمت اور ان کی محبت خدائے تعالیٰ ضایع نہیں فرماتے۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم جو اب میرے مُرشد ہیں جدہ میں مجھ سے فرمایا کہ سارے عالم میں جو تم کو پوچھا جارہا ہے اور تم سے جو دین کا کام لیا جارہا ہے یہ سب حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت کا صدقہ ہے اور اپنے سگے بھائی اسرار الحق صاحب سے جو حیدرآباد سندھ میں رہتے تھے فرمایا کہ میں نے جو کتابوں میں پڑھا تھا کہ لوگ اپنے شیخ پر پہلے زمانے میں کس طرح فدا ہوتے تھے اور کتنی مشقت اور محبت سے ان کی خدمات میں سرگرم رہتے تھے وہ کتابوں میں تو پڑھا تھا، میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھا تھا مگر اخترؔ کی زندگی میں وہ کتابوں کا پڑھا ہوا مجھے نظر آگیا، یہ ان کے بھائی نے مجھے بتایا کہ مولانا ابرار الحق صاحب یوں فرمارہے تھے۔ اس کی مجھے اتنی خوشی ہے کہ اگر سلطنتِ ہفت اقلیم دے دوں تو حق ادا نہیں ہوسکتا۔

ایک دفعہ میں گیارہ بجے رات کو پھولپور آیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت اور مولانا ابرار الحق صاحب اعظم گڑھ چلے گئے جو وہاں سے تیس چالیس میل ہے۔ میں وہاں سویا نہیں اگرچہ سونے کی جگہ تھی۔ سیدھا اسٹیشن آگیا اور پلیٹ فارم پر جاگتا رہا۔ دو تین بجے کے قریب دوسری ریل جب آئی تو اس سے میں تہجد کے وقت اعظم گڑھ پہنچ گیا۔ حضرت سو رہے تھے۔ میرے شیخ کا معمول تھا کہ تھوڑی تھوڑی دیر پر اللہ اللہ اللہ کرتے۔ آدھا گھنٹہ یا بیس منٹ کے بعد آنکھ کھل جاتی تھی۔ ایسی نیند نہیں تھی کہ جس میں تسلسل ہو۔ ہر آدھا گھنٹہ بعد جب آنکھ کھل گئی تو اللہ اللہ کہہ کے پھر سو جاتے

تھے گویا اللہ اللہ حضرت کی غذا تھی، حضرت کی حیات کی بنیاد تھی۔ پس حضرت نے جیسے ہی اللہ اللہ کیا میں نے کہا: السلام علیکم ورحمۃُ اللہ، فرمایا: وعلیکم السلام ورحمۃُ اللہ وبرکاتہ اور حیرت سے فرمایا کہ ارے! تم کیسے آگئے اس وقت؟ ابھی تو رات ہے صبح صادق بھی نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی تلاش میں پھولپور گیا تھا جب وہاں آپ کو نہ پایا تو میری نیند اُڑ گئی اور میں دوسری ریل سے یہاں پہنچا۔ پھر میں نے یہ شعر پڑھا ؎

صبا بہ لُطف بگو آں غزالِ رعنا را
کہ سر بہ کوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

اے صبا! اس ہرن سے جو چوکڑی مار کر بھاگ رہا ہے اس کے کان میں یہ کہہ دے کہ میرا سر تو نے پہاڑوں کے دامنوں میں اور جنگلوں میں ٹکرا دیا اور تو مجھے دستیاب نہ ہوا۔ بس یہ سن کر حضرت پر کیفیت طاری ہوگئی اور مولانا ابرار الحق صاحب کے کان میں کچھ فرمایا۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے بعد فجر مجھ سے فرمایا کہ اب تم حضرت سے دور نہ رہو، تم حضرت کے پاس ہی رہا کرو اور حضرت کی باتیں نوٹ کرتے رہو۔ تمہارا خرچہ پانی بال بچوں کا میں ہردوئی سے بھیجوں گا۔ ارے! میری خوشی کی تو کوئی انتہا نہ رہی۔ جب حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: اندھا آنکھ مانگے گا اور بھوکا روٹی۔ حضرت کئی برس تک مجھے ہردوئی سے ساٹھ روپے ماہانہ بھیجتے تھے۔ میرے شیخ کی کرامت تھی کہ سارا کام چلتا تھا۔ مولانا مظہر کی والدہ زمیندار تھیں، غلّہ گھر کا تھا لیکن پھر بھی چائے کی پتی، دودھ چینی وغیرہ کے لیے ساٹھ روپے اس زمانے میں بہت ہوتے تھے۔ اس وقت سے ہی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا احقر پر خاص کرم تھا۔ اُس وقت حضرت میرے شیخ بھی نہیں تھے اور اُن کا میرے شیخ سے اصلاحی تعلق تھا، ہمارے ساتھ وہ اس طرح رہتے تھے گویا پیر بھائی اور ہم دونوں حضرت سے لاٹھی بھی سیکھتے تھے۔ حضرت لاٹھی چلاتے تھے اور ہم روکتے تھے اور کبھی ہم چلاتے تو حضرت ہماری لاٹھی کے وار روکتے تھے اور حضرت سکھاتے رہتے تھے کہ اس طرح روکنا چاہیے اور اس طرح وار کرنا چاہیے۔

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

راہِ لذّت اَز دروں داں نز بروں
اَبْلَھی داں جستنِ قصر و حصوں

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ لذّت کا راستہ اندر سے ہے نہ کہ خارج سے یعنی لذّت کا مدار اسبابِ خارجیہ پر نہیں ہے بلکہ قلب پر ہے۔ اگر قلب میں سکون ہے تو لذّت اور سکون کے خارجی اسباب نہ بھی ہوں تو بھی دل مست رہے گا، اس کے سکون اور مزے کو کوئی چھین نہیں سکتا اور دل میں بے چینی ہے تو اسبابِ سکون، اسبابِ لذّت اور اسبابِ عیش میں وہ بے چین رہے گا۔ اس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ سکون کے لیے قلعہ اور محل کے خارجی اسباب کو سہارا بنانا بے وقوفی ہے کیوں کہ خارجی اسباب سے اگر دل میں لذّت در آمد بھی ہوئی تو عارضی ہوگی۔ دیکھو پانچ راستے ہیں جن سے قلب میں لذّت آتی ہے دل باہر سے لذّت در آمد کرنے میں حواسِ خمسہ کے ان پانچ راستوں کا محتاج ہے۔ اچھی آواز سے شعر سُنا تو کان سے سُن کر دل خوش ہوگیا۔ تو یہ لذّت کان کے راستے سے آئی۔ اسی طرح دیکھنے میں جو مزہ آیا یہ قوّتِ باصرہ سے آیا اور عمدہ عمدہ کھا کر جو مزہ آیا وہ قوتِ ذائقہ سے آیا، ناک سے عطر سونگھ لیا تو یہ مزہ قوّتِ شامّہ سے آیا۔ ہاتھ سے کوئی چیز چھو کے مزہ آیا تو یہ قوتِ لامسہ سے آیا۔ تو یہ ساری لذتیں جو قلب میں آتی ہیں قلب ان تمام لذّتوں کے لیے باصرہ، سامعِہ، شامّہ، لامِسہ، ذائِقہ کے ان پانچ راستوں کا محتاج ہے لیکن یہ سب مزہ قلب میں جمع ہوتا ہے لہٰذا قلب مَسْکنِ مُسْتَوْرِدَاتِ ہے، گودام ہے یا اسٹاک ہاؤس کہہ لو۔

لیکن مولانا رومی فرماتے ہیں کہ خارج سے لذتوں کو درآمد کرنے کی مثال اس قلعہ کی سی ہے جس میں باہر سے میٹھے پانی کی پانچ نہریں قلعے کے اندر آرہی ہوں اور اہلِ قلع ان کی لذّت سے مست ہوں، لیکن ایک دن جب دُشمن کی فوج آ پہنچی اور اس نے قلعے کا محاصرہ کرکے نہروں کے راستوں کو بند کردیا اس وقت اہلِ قلعہ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس کر مرجائیں گے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کا جسم بھی ایک قلعہ ہے جس میں حواسِ خمسہ کے

پانچ دریاؤں سے لذّتیں درآمد ہو رہی ہیں۔ ایک دریائے باصِرہ ہے یعنی آنکھوں سے دیکھ کر لذّت درآمد ہو رہی ہے، ایک دریائے سامِعہ ہے یعنی کانوں سے سُن کر دل میں لذّت درآمد کی جارہی ہے ایک دریائے ذائقہ ہے یعنی زبان سے چکھ کر دل مزہ لے رہا ہے، ایک دریائے شامّہ ہے یعنی ناک سے سونگھ کر لذّت درآمد ہو رہی ہے اور ایک دریائے لامِسہ ہے یعنی چھو کر باطن میں لذّت داخل ہو رہی ہے لیکن جب موت آتی ہے تو آنکھ، کان، ناک اور زبان وغیرہ کے راستوں کے ذریعے درآمد ہونے والی لذّتوں کے راستوں کو کاٹ دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں؎

قاطعُ الاسباب لشکرہائے مرگ
ہمچو دے آید بقطعِ شاخ و برگ

ایک دن موت کا لشکر تمام اسبابِ لذّت کو قطع کرنے کے لیے آپہنچتا ہے اور باغ زندگی کے شاخ و برگ کاٹ کر بہارِ ہستی کو خزاں میں تبدیل کر دیتا ہے پس وہ محروم جان جو خارج سے درآمد ہونے والی لذات میں مُستَغرَق تھی اور جس نے اللہ کو راضی کر کے اپنے باطن میں تعلق مع اللہ کی بہارِ لازوال حاصل نہیں کی موت کے وقت اس کی تمام بہاریں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس وقت لذّاتِ فانیہ کی کوئی بہار اس کو نفع نہیں پہنچا سکتی۔ حسین سے حسین صورت جس کو دیکھ کر حرام لذّت حاصل کرتا تھا سامنے کھڑی ہے، لیکن اب آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں، زبان پر شامی کباب رکھا ہوا ہے لیکن زبان لذّت کے ادراک سے قاصر ہے، بچے کان میں ابّا ابّا کہہ رہے ہیں لیکن کان اب سُننے سے مجبور ہیں، ناک عطر عود، عنبر و شامہ کی خوشبو سونگھنے سے معذور ہے۔ لاکھوں نوٹ جن کو گِن کر مزہ لیا کرتا تھا ہاتھ پر رکھے ہوئے ہیں، لیکن قوّتِ لامِسہ مفلوج ہے۔ جسم کے قلعے میں حواسِ خمسہ کے راستوں سے لذّتوں کے جو دریا آرہے تھے موت نے ان کو کاٹ دیا لہٰذا جسم اب ادراکِ لذّت سے قاصر ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے؎

قضا کے سامنے بے کار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

اور احقر کا شعر ہے؎

آ کر قضا با ہوش کو بے ہوش کر گئی
ہنگامۂ حیات کو خاموش کر گئی

مولانا رومی فرماتے ہیں؎

آں زماں یک چاہ شورے اندروں
بہ ز صد جیحونِ شیریں از بروں

پس اگر یہ شخص باصرہ، شامّہ، ذائقہ، سامعہ اور لامسہ کے دریاؤں سے باطن میں درآمد ہونے والی لذّاتِ فانیہ میں بالکلیہ غرق نہ ہوتا اور زندگی میں اللہ کی محبت و طاعت کا کوئی کھاری چشمہ ہی اپنے دل میں کھود لیتا یعنی فرماں برداری و طاعت میں تھوڑی سی بھی کوشش ہوتی تو یہ بے ہودہ اور ذرّہ بھر کوشش جس کی مثال بوجہ نقصانِ عبدیت کھاری چشمہ کی سی ہے، تو طاعت کا یہ کھاری چشمہ بھی اس وقت لذّاتِ فانیہ کے ان سینکڑوں میٹھے دریاؤں سے بہتر ہوتا جو حواسِ خمسہ کے ذریعہ باہر سے جسم کے قلعے کے اندر داخل ہو رہے تھے۔

پس جب اللہ کی محبت کا ایک کھاری چشمہ بھی فائدہ سے خالی نہیں تو ہم کیوں نہ اس زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا غیر محدود اور لازوال دریا اپنے دل میں حاصل کرلیں اور کیوں نہ منتہائے اولیائے صدّیقین تک پہنچنے کی اللہ سے فریاد کریں کیوں کہ یہ زندگی ایک ہی بار ملی ہے، دوبارہ نہیں ملے گی۔ جب دوبارہ زندگی نہیں ملے گی تو اللہ تعالیٰ کی دوستی کے مُنتہائے مقام تک پہنچنے کے لیے کیوں نہ جان لڑا دیں۔ اس کا کیا طریقہ ہے؟ حواسِ خمسہ کے جو پانچ راستے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں ان سے صرف حلال لذّتیں درآمد کریں، حرام لذّتوں کا ایک ذرّہ قلب میں داخل نہ ہونے دیں۔ پس اگر کسی نے اپنے پانچوں حواس پر تقویٰ کی پاسبانی مقرر کردی اور ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے حرام لذّت کو دل میں نہیں آنے دیتا تو اس کے قلب میں نورِ تقویٰ سے اور غمِ مُجاہدہ سے تجلّیات کا پیہم نزول ہوتا رہتا ہے۔ اس علمِ عظیم کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ احقر کو عطا فرمایا کہ ایسے قلب پر جو مُجاہدہ کرکے میرا غم اُٹھاتا ہے، ایک لمحہ اور ایک

سانس بھی مجھ کو ناراض نہیں کرتا اور میری ناخوشی کے راستے سے اپنے دل میں ایک اعشاریہ خوشی داخل نہیں ہونے دیتا، زبردست پاسبانی رکھتا ہے، خونِ تمنا کرتا ہے اور زخمِ حسرت کھاتا ہے تو ایسے قلب پر تجلّیاتِ الٰہیہ وافرہ متواترہ بازغہ نازل ہوتی ہیں۔ وافرہ میں کمیت ہے اور بازغہ میں کیفیت ہے یعنی نہایت خاص اور قوی تجلّی اور متواترہ یعنی تسلسل ہوتا ہے اور یہ تسلسل کیوں ہے؟ کیوں کہ اس کا مُجاہدہ مسلسل ہے، اس لیے تجلّیات بھی مسلسل نازل ہوتی ہیں۔

اسی لیے حدیثِ پاک میں ہے اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ[۵۶] تم حرام سے بچ جاؤ سب سے بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے کیوں کہ عابدین کی عبادت و نقطے محدودیہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی عبادت میں ایک محدود وقت تک ہی رہ سکتے ہیں مثلاً نوافل، ذکر و تلاوت ایک محدود وقت تک ہی کرسکتے ہیں لیکن جو شخص تقویٰ سے رہتا ہے، گُناہ سے بچتا ہے وہ ہر وقت عبادت میں ہے۔ اس کا ہر منٹ، ہر سیکنڈ، ہر سانس اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرنے کی عبادت میں مشغول ہے، اس لیے متقی چوبیس گھنٹہ کا عبادت گزار ہے کیوں کہ چوبیس گھنٹے وہ اللہ کو ناراض نہ کرنے کی عبادت میں ہے۔ قلباً و قالباً و عیناً ایک لمحہ بھی اللہ کو ناراض نہیں کرتا اسی لیے اس حدیث پاک میں متقی کو سب سے بڑا عبادت گزار فرمایا گیا اور اگر کبھی خطا ہو جائے تو جب تک توبہ و استغفار سے، اشکبار آنکھوں سے اللہ کو راضی نہیں کرلیتا اس کو چین نہیں آتا۔ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: متقی رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا باوضو رہنا کہ وضو اگر ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کرلو۔ اسی طرح تقویٰ اگر کبھی ٹوٹ جائے تو توبہ کرکے دوبارہ متقی ہو جاؤ۔ بس شرط یہی ہے کہ توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو، پکا ارادہ ہو کہ اب یہ گُناہ کبھی نہیں کروں گا۔ اگر وسوسہ آئے کہ تو پھر یہ گُناہ کرے گا تو وسوسہ کا اعتبار نہیں۔ وسوسۂ شکستِ توبہ عزمِ شکستِ توبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بالفرض اگر آیندہ کبھی نفس سے مغلوب ہو کر توبہ ٹوٹ گئی تو اس سے پہلی توبہ باطل نہیں ہوئی وہ ان شاء اللہ! قبول ہے۔

---

[۵۶] جامع الترمذی: ۴/۵۵۱، باب من اتقی المحارم فھو اعبد الناس، مطبوعۃ مصر

پھر دوبارہ توبہ کرلو اور پھر عزم کرو کہ آیندہ کبھی توبہ نہ توڑوں گا، کبھی یہ گُناہ نہ کروں گا۔

تو میں نے گزارش کی کہ قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا دریائے لازوال و غیر محدود حاصل کرنے کا یعنی منتہائے اولیائے صِدیقین تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ حواسِ خمسہ کے راستوں سے حرام لذّت کا ایک ذرّہ داخل نہ ہونے دو اور ارادہ کرلو کہ اولیائے صِدّیقین کی آخری سرحد تک پہنچ کر مریں گے اور دُعا بھی کرو کہ اے اللہ! ہم سب کو اولیائے صِدّیقین کی خطِ انتہا تک پہنچادے، ہم کو بھی، ہمارے بال بچوں کو بھی، ہمارے احباب حاضرین اور غائبین کو بھی۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اولیائے صِدّیقین کون ہیں؟ تو علّامہ آلوسی نے صِدّیقین کی تین تعریف کی ہے (۱) اَلَّذِیْ لَا یُخَالِفُ قَالُہٗ حَالَہٗ جس کا قول اور حال ایک ہو یعنی دل و زبان ایک ہو۔ جس پر میرا ایک شعر ہے جو لندن میں وارد ہوا جب ایک عالم صاحب نے کہا کہ تمہاری تقریر میں زبردست درد محسوس ہوا تو میں نے کہا؎

اس طرح دردِ دل بھی تھا میرے بیاں کے ساتھ
جیسے کہ میرا دِل بھی تھا میری زباں کے ساتھ

ایک مُلک والوں نے کہا تمہاری تقریر میں بڑی مٹھاس تھی تو میں نے کہا؎

اس درجہ حلاوت ہے مرے طرزِ بیاں میں
خود میری زباں اپنی زباں چوس رہی ہے

آپ بتائیے اگر کوئی سوئیوں میں زیادہ شکر ڈال دے تو زبان لپٹ لپٹ جاتی ہے کہ نہیں؟ مٹھاس سے آدمی اپنی زبان خود چوسنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بزرگوں کے صدقے میں میرے کلام میں ایسی حلاوت عطا فرمائی ہے کہ میں خود مست ہوجاتا ہوں اور یہ میرا کمال نہیں، محض حق تعالیٰ کی عطا ہے، بزرگوں کی دُعاؤں کا صدقہ ہے۔

پس صِدّیق کی پہلی تعریف یہ ہے جس کا قول و حال ایک ہو، جس کا دل اس کی زبان کے ساتھ ہو یعنی زبان اس کے دل کی ترجمان ہو۔ اس کے قول و حال اور دل اور زبان میں فاصلے نہ ہوں۔

اور صِدّیقین کی دوسری تعریف ہے اَلَّذِیْ لَا یَتَغَیَّرُ بَاطِنُہٗ مِنْ ظَاھِرِہٖ جس کا باطن ظاہری حالات سے متأثر نہ ہو۔

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

اللہ کا شکر ہے لندن، اٹلانٹا، شکاگو، ڈیٹرائٹ، بفیلو، ٹورنٹو اور ایڈمنٹن جہاں بھی اختؔر گیا الحمد للہ! بزرگوں کی دعاؤں کے صدقے میں یہی حال تھا جو آج یہاں پا رہے ہو۔ ہر لمحۂ حیات اللہ تعالیٰ پر فدا کرنے کی درخواست اور توفیق مانگتا ہوں اپنے لیے بھی اپنے بچوں کے لیے بھی اور دوستوں کے لیے بھی اور ایک لمحۂ حیات بھی اپنے مالک کو ناراض کرکے حرام خوشیوں کی اِستیراد اور درآمدات پر سیل (Seal) کرنا چاہتا ہوں، یعنی سخت پابندی لگانا چاہتا ہوں، اور اسی محنت کے لیے میری سارے عالم میں اس وقت گردش اور سفر ہے۔

اور صِدّیق کی تیسری تعریف ہے اَلَّذِیْ یَبْذُلُ الْکَوْنَیْنِ فِیْ رِضَا مَحْبُوْبِہٖ[57] صدیق وہ ہے جو دونوں جہاں اللہ پر فدا کردے۔ دنیا فدا کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن آخرت کیسے فدا کریں؟ یعنی جنت کے لالچ میں نیک عمل مت کرو اللہ کی خوشی کے لیے کرو اور جنت کو ثانوی درجہ میں رکھو۔ دلیل اس کی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کو مؤخر کرنا دلیل ہے کہ اے اللہ کے عاشقو! پہلے اللہ کو خوش کرنے کے لیے روزہ نماز کرو، جنت کو ثانوی درجہ میں رکھو اور گناہ جب چھوڑو تو پہلے اللہ کی ناراضگی کے خوف سے چھوڑو اور اس کی دلیل ہے وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ سَخَطِکَ[58] اے خدا! پہلے میں تیری ناخوشی سے پناہ چاہتا ہوں پھر دوزخ سے۔ اور جہنم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثانوی درجہ میں کردیا کیوں کہ اے اللہ! تیرا ناراض ہونا جہنم سے کم نہیں۔ اس دُعا میں اُمّت کو آپ نے تعلیم دے دی کہ اے اللہ! آپ کو ناخوش کرنا، گناہ کرکے حرام خوشی لانا اور حسینوں کے حرام

---

[57] روح المعانی: ۱۳/۷۸، یوسف (۴۶)، دار احیاء التراث، بیروت

[58] مسند الامام الشافعی: ۱۲۳/ تفسیر اللباب لابن عادل: ۱۷/۵۱۹، الفتح (۲۹)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

نمک کو چکھنا یہ آپ کی ناراضگی کا سبب ہے اسی لیے ہم آپ کی ناخوشی سے بچنا چاہتے ہیں، ہم ایسی خوشیوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

ہم ایسی لذّتوں کو قابلِ لعنت سمجھتے ہیں
کہ جن سے ربِ مرا اے دوستو ناراض ہوتا ہے

اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے غم میں جان دینا ہماری سعادت ہے۔ ہم اللہ پر جان دینے ہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس پر میرے دو شعر ہیں۔

ہے روحِ بندگی بس اُن کی مرضی پر فِدا ہونا
یہی مقصودِ ہستی ہے یہی منشائے عالم ہے

خوشی پر ان کی جینا اور مرنا ہی محبت ہے
نہ کچھ پروائے بدنامی نہ کچھ پروائے عالم ہے

زیادہ سے زیادہ حسینوں کو نہ دیکھنے سے دل کو تکلیف ہوگی اور اگر دل کہے کہ حسینوں کو نہ دیکھ کر مجھے تم تکلیف دیتے ہو تو دل سے کہہ دو کہ اے دل! تیری کیا قیمت ہے ہم تو جان دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بے زار بیٹھے ہیں

یہ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے۔ ان کی باتیں یاد آتی ہیں۔ حضرت والا کی یاد میں احقر کا شعر ہے۔

لُطفِ تو چوں یاد می آید مرا
بوئے تو جانم بجوید در سرا

جب آپ کا لطف و کرم مجھے یاد آتا ہے تو میری جان دیوانہ وار آپ کو اس عالم میں تلاش کرتی ہے۔

صِدّیق کی تین تعریفیں تو آپ نے سُن لیں اور چوتھی تعریف اللہ تعالیٰ نے

اختر کو اپنے مبدءِ فیض سے براہِ راست عطا فرمائی۔ یہ دُعائے بزرگاں بطفیلِ اہل اللہ۔ جس مبدءِ فیّاض سے علامہ آلوسی کو عطا ہوا اسی مبدءِ فیّاض سے اگر اختر کو بھی عطا ہوجائے تو کیا تعجّب ہے۔ وہ چوتھی تعریف یہ ہے کہ جو بندہ اپنی ہر سانس کو اللہ پر فدا کرے اور ایک سانس بھی اللہ کو ناخوش کر کے حرام خوشیاں اپنے اندر نہ لائے یہ بھی صِدّیق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے یہ مقام ہم سب کو عطا فرمائے اور ولایت صدّیقیت کی انتہا تک محض اپنے کرم سے ہم سب کو پہنچا دے، اگرچہ ہمارے سینے اس کے اہل نہیں لیکن اے اللہ! آپ تو اہل ہیں ہم نا اہلوں کو اہل بنانے پر بھی قادر ہیں، لہٰذا ہم نالائقوں پر اپنے کرم کی موسلا دھار بارش برسا دیجیے۔ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

◆ ◆ ◆ ◆

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گُنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اخترؔ کہکشاں کو

اخترؔ

مجلسِ درسِ مثنوی

۹؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۸؍ جنوری ۱۹۹۸؁ء، بروز جمعرات

بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر پیاسے لوگ دنیا میں پانی کو تلاش کرتے ہیں تو ؎

آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔ بتاؤ کیسا پیارا شعر ہے۔ اس سے کیسی محبت ٹپک رہی ہے اور کیسی امید بندھ جاتی ہے کہ اگر ہم شیخ سے محبت کریں گے تو شیخ خود ہم کو تلاش کرے گا اور شیخ بھی ہم سے محبت کرے گا۔ میں چند منٹ کے لیے کہیں جاتا تو حضرت پوچھتے تھے کہ بھئی! حکیم جی کہاں گئے؟ واہ کیا مزہ آتا تھا کہ بابا تلاش کر رہے ہیں۔ لوگ معشوق بننا چاہتے ہیں مولانا رومی فرماتے ہیں کہ عاشق بن کے رہو، معشوقیت چھوڑ دو ورنہ پیمایش دینی پڑے گی کہ گردن کتنی لمبی ہے، سینہ کتنا چوڑا ہے، ناک چپٹی تو نہیں ہے، آنکھیں کیسی ہیں۔ تمہاری ہر خوبی میں فی نکل سکتی ہے کہ تم نے نماز صحیح ادا نہیں کی، روزہ صحیح نہیں رکھا، تم اللہ کی عظمت کے شایانِ شان بندگی نہیں کرسکتے اور عاشق بننے میں کچھ ناپ تول نہیں۔ ناک کیسی ہی ہو، آنکھیں کیسی ہی ہوں، چاہے رنگ پکّا ہو بس آپ کا عشق نہ کچّا ہو، عاشقوں کی کوئی پیمایش نہیں، سراپا عیب ہوتے ہوئے بھی تم اللہ سے محبت کرسکتے ہو اور کہہ سکتے ہو کہ اے اللہ! مجھ میں کوئی خوبی نہیں لیکن میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ کی محبت کو اللہ نہیں ٹھکرائے گا۔ اسی کو مولانا نے فرمایا

کہ اگر پیاسے لوگ پانی کو ڈھونڈتے ہیں کہ پانی کہاں ہے تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔ دیکھو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ کس نے محبت کی؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے! جب اُنہوں نے جنگِ اُحد میں خونِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم بہتے دیکھا تو صدّیقِ اکبر نے تلوار نکالی اور کافروں کی طرف جھپٹے اور اعلان کیا کہ آج یا تو صدّیق شہید ہو جائے گا یا پھر ایک کافر کو نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے خونِ نبوّت نہیں دیکھا جاتا۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے کہ میں اپنے پیغمبر کا خُون دیکھوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھپٹ کر ان کو پکڑ لیا اور فرمایا **شِمْ سَیْفَكَ** اے صدّیق! اپنی تلوار کو نیام میں رکھ لے **لَاتَفْجَعْنَا بِنَفْسِكَ**[۵۹] اپنی شہادت سے مجھے جدائی کا غم نہ دے۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر صدّیق کی حیات کا عاشق ہوتا ہے کیوں کہ صدّیق کارِ نبوّت کی تکمیل کرتا ہے، اس لیے صدّیق کی زندگی شہید سے افضل ہے۔ **مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ**[۶۰] کی ترتیب بتارہی ہے کہ صدّیقین کا درجہ شہداء سے زیادہ ہے۔

تو مولانا فرماتے ہیں کہ پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے اس کی دلیل قرآنی **یُحِبُّهُمْ** ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں سے محبت کرتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا **وَیُحِبُّوْنَهٗ** کہ میرے بندے بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں **قَدَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَحَبَّتَهٗ عَلٰی مَحَبَّةِ عِبَادِهٖ لِیَعْلَمُوْا اَنَّهُمْ یُحِبُّوْنَ رَبَّهُمْ بِفَیْضَانِ مَحَبَّةِ رَبِّهِمْ**[۶۱] اللہ نے اپنی محبت کو اپنے بندوں کی محبت سے پہلے بیان کیا تاکہ میرے بندے جان لیں کہ ان کو جو میرے ساتھ محبت ہے یہ میری ہی محبت کا فیضان ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ تصوّف کہاں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ سارا قرآنِ پاک اور ساری حدیثِ پاک تصوّف ہی تصوّف ہے۔ تصوّف نام ہے محبت کا اور قرآن و حدیث میں محبت ہی محبت ہے۔ منکرینِ تصوّف دراصل وہی ہیں جو محبت سے خالی ہیں۔ ظالموں

---

[۵۹] کنز العمال: ۶۵۸/۵، (۱۴۱۵۸)، مؤسسۃ الرسالۃ

[۶۰] النساء: ۶۹

[۶۱] روح المعانی: ۱۹۲/۶، المائدۃ (۵۴)، دار احیاء التراث، بیروت

کو اللہ والوں کی غلامی کرنے میں حُبِّ جاہ مانع ہے کہ اس راستے میں تو چھوٹا بننا پڑے گا، کسی کو اپنا بڑا بنانا پڑے گا لہٰذا حبِّ جاہ مانع ہے کہ میں بڑا بنا رہوں، لوگ مجھے سلام کریں حالاں کہ اگر یہ اپنے آپ کو اللہ والوں کے سامنے مٹا دیتے تو مخلوق بھی ان کو دل سے چاہتی، مخلوق کے دل میں اللہ ان کی عزت ڈال دیتا۔

تو یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناز نہ کریں کیوں کہ یہ میری ہی محبت کا فیضان ہے اور اہل اللہ چوں کہ مظہر صفاتِ حق ہوئے ہیں، مُتَخَلِّقٌ بِاَخۡلَاقِ اللہِ ہوتے ہیں، واسطۂ ظہورِ رحمت ہوتے ہیں لہٰذا پہلے وہ اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں جس کے فیض سے مریدین ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے شیخ سے کہا کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ میری ہی محبت کا فیض ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت! میں آپ کو زیادہ چاہتا ہوں تو فرمایا اچھا! اور حضرت نے اپنی توجہ ہٹالی۔ پھر چھ مہینے تک وہ شخص نہیں آیا جب کہ روزانہ آتا تھا۔ پھر شیخ نے توجہ ڈالی اور محبت سے اُس کو یاد کیا تو پھر آگئے تو فرمایا کہ آپ کی محبت کہاں گئی، چھ مہینے کہاں رہے؟ وہ مرید نادم ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! یقین آگیا کہ میری محبت آپ ہی کی محبت کا فیضان ہے۔

وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

اور یہ آیت مرتدین کے مقابلے میں ہے کہ یہ مرتد بے وفا ہیں ان میں محبت نہیں ہے اب ان کے مقابلے میں فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللہُ بِقَوۡمٍ میں ایک قوم لاؤں گا یُّحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ یہ وہ قوم ہے جس سے میں محبت کروں گا اور جو مجھ سے محبت کرے گی۔ معلوم ہوا کہ عاشقوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے فَسَوۡفَ یَاۡتِیۡ کا ظہور ہے جس کا سلسلہ قیامت تک رہے گا کیوں کہ اِتۡیَان میں سَوۡفَ ہے مگر اس کا تسلسل منقطع نہیں ہے لہٰذا جو اپنے شیخ کا عاشق ہو تو سمجھ لو کہ یہ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللہُ بِقَوۡمٍ کا ایک فرد ہے۔ اس لیے بِقَوۡمٍ نازل فرمایا بِاَقۡوَامٍ نازل نہیں فرمایا کہ ہم بہت سی قومیں نازل کریں گے۔ مُفرَد نازل فرما کر بتا دیا کہ سارے عالم کے عاشق ایک ہی قوم ہیں لہٰذا ہم سب

ایک قوم ہیں اگرچہ کوئی پنجابی ہے، کوئی بنگالی ہے، کوئی ہندوستانی ہے، کوئی فارسی ہے، کوئی عربی ہے، لاکھوں زبانیں ہیں مگر اللہ کے عاشقوں کو اللہ نے ایک قوم فرمایا۔ دیکھو یہاں کتنے ملکوں کے لوگ جمع ہیں۔ یہ برطانیہ کا ہے یہ انگریزی میں ہاؤ آر یو کہے گا، یہ جنوبی افریقہ کا ہے یہ تمہاری طبیعت کیم چھو پوچھے گا اور بنگلہ دیش والے پوچھیں گے کیمن آچھی اور پٹھان کہے گا پخیر راغلے اور فارسی والا کہے گا مزاجِ شما چہ طوراست اور عربی والا کہے گا کَیۡفَ حَالُکَ لیکن یہ سب ایک قوم ہیں۔ معلوم ہوا کہ قومیت زبانوں سے نہیں بنتی، معلوم ہوا کہ قومیت رنگ و روغن اور الوان والسنہ کے اختلاف سے نہیں بنتی۔ یہ قومیت یُحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ سے بنتی ہے، اللہ کے عاشقوں سے بنتی ہے جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں لہٰذا پورے عالم میں جو بھی اللہ کا عاشق ہوگا وہ ہماری قوم ہے اور جو ان کا عاشق نہیں وہ ہمارا نہیں، وہ ہماری قوم کا نہیں اگرچہ ہمارے وطن کا ہو، اگرچہ ہمارا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، ہمارا خون، ہماری زبان، ہمارا صوبہ، ہمارا علاقہ، ہمارا ملک کیوں نہ ہو لیکن وہ ہماری قوم کا نہیں ہے کیوں کہ وہ اللہ کا عاشق نہیں ہے، یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ کا فرد نہیں ہے۔ ہماری قوم اللہ کے عاشقوں سے بنتی ہے۔ سارے عالم کو اس قوم کی خبر نہیں، یہ وہ قوم ہے جس کو خالقِ کائنات نے نازل فرمایا ہے۔ اے روس و امریکا! تم کیا جانو کہ قوم کیا چیز ہے؟ پیدا کرنے والا جانتا ہے۔ جس نے ہم سب کو پیدا کیا اس کی بنائی ہوئی قومیت معتبر ہے یا تمہاری بنائی ہوئی۔ تمہاری قومیت تو رنگ و نسل ملک و قوم اور زبانوں کے اختلاف سے بنتی ہے جس کا نتیجہ نفرت و عداوت ہے اور عاشقانِ خدا کی قوم کی امتیازی شان یُحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے عاشقوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔ ایک عاشق دوسرے عاشق سے مل کر مست ہو جاتا ہے ؎

یوں تو ہوتی ہے رقابت لازماً عُشّاق میں
عشقِ مولیٰ ہے مگر اس تہمتِ بد سے بری

کیوں کہ ایک قوم ہونے کے احساس سے محبت میں خود بخود اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی کو اپنی قوم سے محبت ہوتی ہے۔ اس آیت کا نزول سارے عالم کے عشاق میں اضافۂ محبت کا

ضامن ہے کیوں کہ یہ علم کہ ہم ایک قوم ہیں اور ایسی قوم ہیں کہ جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں تو ہر شخص اپنی قوم کو محبوب رکھتا ہے جیسے جن بچوں کو باپ سے تعلق قوی ہوتا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور باپ سے تعلق کمزور ہوتا ہے تو آپس میں لڑائی ہوتی ہے۔ جو اللہ کی محبت سے محروم ہیں وہی آپس میں لڑتے ہیں اور جن کے قلب اور قالب پر اللہ کی محبت غالب ہے وہ ایک دوسرے پر فِدا ہوئے جاتے ہیں۔

مثنوی کے اس شعر کی شرح میں آج ایک عظیم علم اللہ نے عطا فرمایا کہ جتنے مرتد ہیں بے وفا ہیں، یہ اہلِ محبت نہیں ہیں۔ یہ پیاسے نہیں تھے ورنہ پانی ان کو خود تلاش کرلیتا۔ اگر ان کے دل میں محبت کی پیاس ہوتی تو اللہ کی رحمت ان کو خود تلاش کرلیتی، اپنے آغوش کرم میں لے لیتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو محروم نہیں فرماتے کیوں کہ عاشق بھی اپنے محبوب کا در نہیں چھوڑتا۔ خواجہ صاحب نے اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں پیش کیا ہے؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے

جبیں معنیٰ پیشانی یعنی ہماری پیشانی اللہ کی چوکھٹ کو رگڑتی رہے گی قیامت تک اگر اللہ ہمیں زندگی دے دے تو ہم بے وفا اور بھاگنے والے نہیں ہیں، اللہ کے دروازے پر ہماری پیشانی قیامت تک رہے گی۔

سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

یہ عاشقوں کا سر ہے، یہ زاہدِ خشک کا سر نہیں ہے جو ان کے دَر کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔

اگر اہلِ محبت بھی بے وفا ہوتے تو مرتدین کے مقابلے میں یہ آیت نازل نہ ہوتی۔ اگر اہلِ محبت بے وفا ہوتے تو نعوذ باللہ مرتد کا مقابلہ مرتد سے ہوتا حالاں کہ مقابلہ تو ضد سے ہوتا ہے جیسے دو من طاقت والے پہلوان کے مقابلے میں چار من طاقت والا پہلوان لایا جاتا ہے۔ پس اس آیت میں اہلِ ارتداد کا مقابلہ اہلِ وفا سے ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ قوم اہلِ وفا ہے جو کبھی مرتد نہ ہوگی۔ بے وفائی کی کُلّی مشکّک کے فردِ کامل

یعنی اہلِ محبت لائے جارہے ہیں لہٰذا یہ کبھی بے وفا نہ ہوں گے۔ اس قومیت کے عالم میں جتنے افراد ہوں گے وہ کبھی مرتد نہیں ہوں گے، بے وفا نہیں ہوں گے، اللہ کا دروازہ نہیں چھوڑیں گے اور شیخ کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ شیخ سے بھاگنے والے بھی وہی ہوتے ہیں جن میں محبت نہیں ہوتی، جس طرح نبی سے بھاگنے والے جو تھے وہ پہلے ہی سے بے وفا تھے۔ شیخ نائبِ رسول ہوتا ہے جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اسی کے دل میں شیخ کی محبت ہوتی ہے، جس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہوتی اس کو اہل اللہ سے محبت نہیں ہوتی اور جس کے دل میں اہل اللہ کی محبت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت نہیں کرتے۔ اللہ کے پیاروں کے صدقے میں ہی اللہ تعالیٰ کی عنایت و محبت نصیب ہوتی ہے۔ جو نبی پر ایمان نہیں لاتے، کیا اللہ نے ان سے محبت کی؟ کیا ابوجہل سے اللہ نے محبت کی؟ کیا ابو لہب سے اللہ نے محبت کی؟ نبی سے دشمنی کے سبب ان پر غضب نازل ہوا اور جنہوں نے نبی سے محبت کی اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرفراز ہوئے۔ معلوم ہوا کہ جو اپنے شیخ و مُرشد سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت و عنایت ان کو نصیب ہوتی ہے اور جو اہل اللہ سے محبت نہیں کرتے عنایاتِ حق سے محروم رہتے ہیں۔

اور اس میں حُسنِ خاتمہ کی بشارت بھی ہے کہ اہلِ محبت کا خاتمہ ایمان پر ہوگا کیوں کہ اللہ جس سے محبت کرے اور جو اللہ سے محبّت کرے گا بھلا اس کا خاتمہ خراب ہوگا؟ اسی لیے حضرت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ محبت کی صحبت میں رہو تاکہ ان کی برکت سے تمہارے دل میں بھی اللہ کی محبت آجائے جو ضامن ہے حُسنِ خاتمہ کی۔

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ دار
سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

ارشاد فرمایا کہ زاہدِ خشک کہتے ہیں ایسے لوگوں کو جو عبادت تو بہت کرتے ہیں لیکن دین کی سمجھ نہیں رکھتے کیوں کہ کسی اللہ والے سے اللہ کی محبت نہیں سیکھتے اس لیے عبادت کے ساتھ گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اس لیے باوجود عبادت کے اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ زاہدانِ خشک باوجود کثرتِ

عبادت کے ایک مہینے میں ایک دن کا راستہ طے کرتے ہیں اور عارفین عاشقین ہر سانس میں عرشِ اعظم تک پہنچتے ہیں بوجہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین کی سمجھ کے اور گُناہوں سے بچنے میں اپنے دل کا خُون کرنے کی برکت سے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ کسی اللہ والے سے اللہ کی محبت سیکھ لو تو تمہارا ایک سجدہ ایک لاکھ سجدوں کے برابر ہو جائے گا، تمہاری دو رکعت لاکھ رکعات کے برابر ہو جائیں گی، ایک عمرہ لاکھ عمروں کے برابر ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جب اللہ کی محبت کا درد ملتا ہے تو کعبہ کچھ اور نظر آتا ہے ورنہ جب گھر والے ہی کو نہیں جانتے تو گھر سے کیا ملے گا۔ گھر میں جا کر لوگ بدنظری کرتے ہیں، کوئی لڑکی کو دیکھ رہا ہے، کوئی لڑکے کو دیکھ رہا ہے، کوئی فریج کی تحقیق بتا رہا ہے کہ آج میں نے فلاں فریج خریدا ہے۔ غیر اللہ کی گفتگو بیتُ اللہ میں ہو رہی ہے کیوں کہ اپنے ملکوں میں غیر اللہ سے قلب خالی نہیں کیا، دل کی آنکھوں کا آپریشن نہیں کروایا تو کعبہ میں بھی ان کو اللہ نہیں ملتا۔ اسی لیے ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے فرمایا تھا جو نفلی حج کرنے جا رہا تھا کہ فرض حج تو ادا کر لیا اب کہاں نفل کے لیے جا رہے ہو، پہلے اللہ کی محبت حاصل کرو، کعبہ والے سے جان پہچان کرو پھر کعبہ میں تمہیں کعبہ والا نظر آئے گا اور یہ شعر پڑھا؂

اے قوم بہ حج رفتہ کُجائید کُجائید
معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید

حکیم الامّت کے وعظ میں یہ شعر ہے کہ اس اللہ کے ولی نے یہ کہا تھا کہ اے لوگو! کہاں نفل حج کے لیے چلے جا رہے ہو معشوق یعنی اللہ تو ہمارے پاس ہے، تم کہاں جا رہے ہو ادھر آؤ ادھر آؤ۔ کعبہ سے تمہیں اللہ نہیں ملے گا۔ اللہ، اللہ والے سے ملے گا۔ پہلے مجھ سے اللہ کو حاصل کر لو، اللہ کی محبت سیکھو پھر نفلی حج یا عمرہ کے لیے جاؤ تو پھر تمہیں کعبہ کا مزہ آئے گا، پھر تمہیں کعبہ میں اللہ کی تجلّیات نظر آئیں گی، مولانا فرماتے ہیں؂

حج کردن زیارتِ خانہ بود
حجِ ربُّ البیت مردانہ بود

عام لوگ تو بیتُ اللہ کا طواف کرتے ہیں لیکن خاصّانِ خدا ربُّ البیت کا طواف کرتے

ہیں۔ ان کو بیت اللہ میں اللہ نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تجلّیاتِ خاصّہ کا ادراک ہوتا ہے۔

اس لیے کسی اللہ والے کے پاس چالیس دن رہ لو، ایک چلّہ لگالو پھر دیکھو کہ سلوک اور پیری مریدی سے کیا ملتا ہے ورنہ رسمی پیری مریدی کا مزہ نہیں۔ انڈا اگر مُرغی سے مرید ہو جائے لیکن اکیس دن اس کے پروں میں نہ رہے تو بتایئے اس میں جان آئے گی؟ مُردہ کا مُردہ رہے گا۔ بہت سے مُرید ایسے ہیں کہ جاکر پیر سے بیعت ہوگئے لیکن اس کی صحبت میں نہ رہے تو مُردہ کے مُردہ ہی رہے، نسبت عطا نہ ہوئی۔ یہ حکیم الامّت کی بات پیش کر رہا ہوں حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انڈا اکّیس دن تک تسلسل کے ساتھ مُرغی کے پروں میں رہے تو بچہ پیدا ہوگا۔ پھر وہ چھلکے کو خود توڑ دے گا۔ اکیس دن کے بعد اب اسے شیخ کے احسان کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ مُرغی صاحبہ! ذرا میرا چھلکا توڑ دو میں اندر سے باہر آنا چاہتا ہوں۔ وہ خود چونچ مارے گا اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھتا ہوا نکل آئے گا ؎

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا
مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

اسی طرح شیخ کی خدمت میں تسلسل کے ساتھ کم از کم چالیس دن رہ لو پھر دیکھو گے کہ روح میں ایسی قوت آئے گی کہ تعلقات مَاسِوَی اللہ کو خود توڑ دو گے۔ پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں رہے گی لیکن عمر بھر شیخ کا احسان مند رہنا پڑے گا کیوں کہ اسی کی برکت سے حیاتِ ایمانی عطا ہوئی ہے۔ اگر شیخ نہ ہوتا تو مُردہ کے مُردہ ہی رہتے۔ اندر جو صلاحیت ہوتی ہے وہ شیخ کی برکت سے ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً مُرغی کے پروں کے نیچے تین قسم کے انڈے رکھے گئے۔ ایک مُرغی کا، ایک کبوتر کا، ایک بطخ کا۔ تو ان انڈوں سے تین قسم کی شخصیتیں ظاہر ہوں گی۔ مُرغی کے انڈے سے مُرغی کا بچہ نکلے گا، کبوتر کے انڈے سے کبوتر کا اور بطخ کے انڈے سے بطخ کا بچہ نکلے گا اور کبوتر اُڑے گا اور بطخ دریا میں تیرے گی۔ مُرغی کو بھی حیرت ہوگی کہ یہ تو میرے ہی پروں سے نکلا تھا لیکن یہ اُڑ رہا ہے اور وہ تیر رہا ہے اور مُرغی نہیں تیر سکتی لیکن ان کو عمر بھر مُرغی کا احسان ماننا پڑے گا کہ اس کی برکت

سے ہمارا وجود ہوا۔ اسی طرح حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کے پروں سے مُجدّدِ پیدا ہوا لیکن حضرت ہمیشہ فرماتے تھے کہ حاجی صاحب کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ حضرت کا تخلص آہ تھا۔ فرماتے ہیں۔

خودی جب تک رہی اُس کو نہ پایا
جب اُس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے
تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ
یہ سب امداد کے لُطف و کرم تھے

مُرغی کے پروں کی مثال سے حضرت حکیمُ الامّت نے اللہ والوں کی صحبت کی اہمیت کو ثابت فرمادیا۔ مُرغی پر ایک لطیفہ یاد آیا جو حضرت مُفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کان پور میں میرے شیخ کو سُنایا تھا کہ ایک شخص ایک مُرغی لیے جارہا تھا تو کسی نے کہا کہ او مُرغی والے! مُرغی بیچے گا۔ یوپی کی زبان میں اگر کسی کو مُرغی والا یا مُرغی کا کہہ دیا جائے تو یہ گالی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ اس شخص نے مجھے گالی دی ہے لہٰذا اس نے جواب میں کہا کہ میں اس مُرغی کا مالک نہیں ہوں اس کے مالک سے پوچھوں گا۔ ”مُرغی کا“ کہہ کر اس نے اپنی دانست میں گالی کا بدلہ لے لیا۔ ہمارے بزرگ زندہ دل تھے، ایسے ایسے لطیفے سُناتے تھے۔

تو اس شعر میں مولانا رومی نے فرمایا کہ: اہل اللہ کی صحبت سے ہی اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور بدون صحبتِ اہل اللہ کے کوئی عارف باللہ نہیں ہوسکتا۔ غیر عارف کی عبادت کی کمیت زیادہ اور کیفیت کم ہوتی ہے۔ غیر عارف اپنی عبادات سے ایک مہینے میں ایک دن کا راستہ طے کرتا ہے اور اللہ کا عاشق ہر سانس میں اللہ تک پہنچتا ہے، اس کی عبادت کی کمیت کم لیکن کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مولانا رومی ہیں۔ سوچو کہ ان کا کیا مقام رہا ہوگا جو فرمارہے ہیں کہ عارفین کی ہر سانس اللہ تعالیٰ کے ساتھ گزرتی ہے، ایک لمحہ کو وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ اُمّت میں یہ شخص ایک منفرد انداز کا اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مولانا رومی بہت پیارے آدمی ہیں۔

آزمودم عقلِ دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عقل کو بہت آزمایا۔ عقلِ سے مراد یہاں عقل ناقص ہے، یعنی عقل مجرد من العشق، عقل محروم از نعمتِ عشق۔ لہٰذا ہم نے عقلِ ناقص مجرد من العشق کو بہت آزمایا لیکن اللہ نہیں ملا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ عقل سے اللہ کو پاجائیں لیکن عقلِ ناقص اللہ کے راستے میں کامیاب نہیں ہوئی اس لیے ہم نے اپنے کو اللہ کا دیوانہ بنالیا یعنی عقل میں عشق کی چاشنی لگادی تو عقل کامل ہوگئی اور ہمارا کام بن گیا۔ عقل کو جب عشق کا پیٹرول ملتا ہے تب عقل دوڑتی ہے ورنہ آدمی جانتا ہے کہ نماز پڑھنا چاہیے لیکن بے نمازی بیٹھا رہتا ہے، جانتا ہے کہ حسینوں کو نہیں دیکھنا چاہیے لیکن پاگلوں کی طرح دیکھتا رہتا ہے لیکن جب عشق عقل کا امام بن جاتا ہے اور عقل عشق کی پیروی کرتی ہے تو پھر اللہ تک پہنچتی ہے۔ بغیر اللہ کا دیوانہ و عاشق بنے کام نہیں بنتا۔

عاشقم من بر فنِ دیوانگی
سیرم از فرہنگ واز فرزانگی

مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ کا دیوانہ بننے کا جو فن ہے میں اس پر عاشق ہوں اور میں عقلِ ناقص و خام سے بہت زیادہ سیر ہوچکا ہوں۔ اب مجھے اللہ کا دیوانہ ہونا ہے اور جو اللہ کا دیوانہ ہوتا ہے پھر وہ غیر اللہ کا دیوانہ نہیں ہوتا۔ بیک وقت رات اور دن یکجا نہیں ہوسکتے، بیک وقت عود کی خوشبو اور پاخانہ جمع نہیں ہوسکتے، یا تو رات ہوگی یا دن ہوگا، یا خوشبو ہوگی یا بدبو ہوگی۔ یا تو دل تجلّیاتِ الٰہیہ سے متجلّی ہوگا یا پھر اس میں غیر اللہ کے اندھیرے ہوں گے۔ یہ محال ہے کہ دل میں غیر اللہ ہو اور وہ دل اللہ کی تجلیاتِ خاصّہ سے بھی مشرف ہوجائے۔ مُردہ اور زندہ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اللہ تو زندہ حقیقی ہے، جس دل میں مُردے ہوں گے، مرنے والے بسے ہوں گے، مرنے والی لاشوں کی محبت ہوگی اس دل میں وہ

زندہ حقیقی کیسے آئے گا۔ اگر ایک کمرے میں مُردے لیٹے ہوں تو جب آپ ایسے گھر میں رہنا پسند نہیں کرتے تو وہ زندہ حقیقی ایسے دل میں کیسے اپنی تجلّیاتِ خاصہ سے متجلّی ہو گا۔ اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا مقصد یہ ہے کہ حسینوں کا حرام نمک چکھنا چھوڑ دو، اس نمک حرامی سے توبہ کرلو۔ اگر اللہ والوں کے ساتھ رہ کر بھی کوئی حرام نمک چکھنا نہیں چھوڑتا، حسینوں کو، نامحرموں کو دیکھتا ہے اور اپنی عقلِ ناقص کی اتباع کررہا ہے کہ اگر میں نے یہ نمک چھوڑ دیا تو زندگی کیسے گزرے گی لہٰذا کم از کم ایک ذرّہ حُسن کا حرام نمک کبھی کبھی چکھتا رہوں، تو کان کھول کر سُن لو کہ ہرگز اللہ کو نہیں پاسکتے۔ اللہ جب ملے گا کہ قلب و نظر کو مکمل توفیقِ تقویٰ حاصل ہو اور دل کا ٹیسٹر اتنا حسّاس ہو جائے کہ حسینوں کے نمک آنے کے نقطۂ آغاز اور زیرو پوائنٹ کو ریکارڈ کرے کہ ایک ذرّہ نمک حرام دل میں داخل ہو گیا جیسے بجلی کا تار شاٹ ہو رہا ہو تو ٹیسٹر میں فوراً روشنی آجاتی ہے اور پتا چل جاتا ہے کہ یہاں سے بجلی لیک یعنی خارج ہو رہی ہے۔ اسی طرح جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اتنا حسّاس بنادے کہ نمک حرام کا ایک ذرّہ اگر داخل ہو تو فوراً اس کے قلب کے ٹیسٹر میں روشنی آجائے اور لیکیج (بجلی کے خروج) کے اثرات شروع ہو جائیں اور اسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے کہ اے اللہ! آپ مجھے معاف کردیجیے کہ اتنی خوشی میرے قلب میں حرام آگئی۔ میں اس خوشی سے جو آپ کی ناخوشی کے راستے سے آئی مُعافی چاہتا ہوں تب سمجھ لو کہ اس بندے میں حیا اور شرافت آگئی اور یہ اللہ کا دیوانہ بن گیا، فنِ دیوانگی اس کو آگیا اور عقلِ ناقص وخام کی غُلامی سے آزاد ہو گیا اور اگر یہ بات حاصل نہیں تو خانقاہ میں آنا جانا سب بے کار ہے۔ سُن لو میری بات! ورنہ قیامت کے دن جواب دینا پڑے گا کہ دن رات تم یہی باتیں سُن رہے تھے پھر عمل کیوں نہیں کیا۔ میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن پوچھے گا کہ تم کو میں نے مولانا اشرف علی حکیمُ الامّت جیسا پیر دیا تھا تو تم نے اس کا کیا شُکر ادا کیا تو حضرت رونے لگتے تھے کہ آہ! میں کیا کہوں گا۔ آہ! یہ وہ لوگ تھے جو شیخ پر فدا ہوگئے، شیخ کے ایک ایک ارشاد پر جان دیتے تھے، ان کو یہ خوف تھا کہ ہم سے شیخ کی قدر نہ ہوئی اور ہمارا کیا حال ہے کہ صریح نافرمانی کے بعد بھی ہمیں کوئی غم نہیں ہوتا۔

شیخ کی رفاقت کے معنٰی ہیں کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ[۶۲] جس کی تفسیر ہے اَیۡ خَالِطُوۡهُمۡ لِتَکُوۡنُوۡا مِثۡلَهُمۡ[۶۳] شیخ کے دستر خوان پر سموسہ بریانی و گرین مرچ اُڑانے اور ٹھنڈا پانی پینے کا نام رفاقت نہیں ہے۔ شیخ کی رفاقت و معیت یہ ہے کہ تم بس اسی جیسے ہو جاؤ، جس طرح وہ گناہوں سے بچتا ہے تم بھی بچنے لگو، جس طرح وہ حسینوں سے نظر بچاتا ہے تم بھی بچانے لگو، اس کی آہ تمہاری آہ ہو جائے، تمہاری آنکھیں بھی اس کی آنکھوں کی طرح اشکبار ہوں تب سمجھ لو کہ تم شیخ کے عاشق ہو اور اللہ کے طالب اور اللہ پر دیوانہ بننے کا فن تمہیں آگیا۔

رو روائے جاں زُود زنجیرے بیار
بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں اے میری جان! جلدی جا، جلدی جا اور اللہ کی محبت کی زنجیر لے آ کہ میں اب دیوانہ ہو رہا ہوں اور دیوانوں کو زنجیر میں باندھا جاتا ہے لہٰذا اس زنجیرِ محبت میں مجھے باندھ دے۔ اس زنجیر سے مُبارک اور کوئی زنجیر نہیں کہ جو اللہ کے حضور میں مجھے سربستہ و پا گرفتہ پہنچا دے۔ اب تک جو ہوا سو ہوا اب میں دیوانہ وار دوبارہ اللہ پر فدا ہو رہا ہوں۔

غیر آں زنجیرِ زلفِ دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بر درم

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! اگر اللہ کی محبت کی زنجیر لاؤ گے تو میں اس میں خود گرفتار ہو جاؤں گا، خود اس میں بندھ جاؤں گا بلکہ باندھنے میں تمہاری مدد بھی کروں گا اور دل میں خوشی محسوس کروں گا کہ کہاں یہ میری قسمت کہ میں زنجیرِ شریعت اور زنجیرِ اتباعِ سُنّت میں گرفتار ہو رہا ہوں۔

---

[۶۲] التوبۃ:۱۱۹

[۶۳] روح المعانی:۱۱/۵۶، التوبۃ (۱۱۹)، دار احیاء التراث، بیروت

زنجیرِ زُلفِ دلبرم کے معنیٰ ہیں میرے دلبر کے زُلف کی زنجیر یعنی اتباعِ سنّت اور اتباعِ شریعت اور اللہ کی محبت کے دستور و احکام و قوانین کی زنجیر۔ اے دنیا والو! اللہ کی محبت کی اس زنجیر کے علاوہ اگر دو سو زنجیریں بھی لاؤ گے تو میں انہیں توڑ دوں گا۔ زنجیرِ غیر اللہ کو توڑنے کا اور زنجیرِ محبت و سُنّت و شریعت میں باندھنے کا کیا طریقہ ہے۔ (راقم الحروف کو مخاطب کرکے فرمایا کہ) میر صاحب! اسے لکھ لو بلکہ اس کی کمپیوٹر میں کتابت کرالو بہت محفوظ رکھنا اس مضمون کو اور آپ لوگ بھی پوری توجہ اور اہمیت سے اس کو سُنیں کہ جب کسی نامحرم عورت یا کسی نمکین لڑکے پر پہلی نظر پڑنے پر ذرا سا بھی نمک دل میں آجائے اور آپ کا ٹیسٹر بتادے کہ ایک ذرّہ آگیا ہے تو نظر ہٹا کر فوراً توبہ کرلو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خطا نہیں ہوگی، ہم یہ کہتے ہیں کہ توبہ میں دیر نہ ہوتا کہ آپ باخطا ہوتے ہوئے بھی باعطا رہیں۔ دیکھیے ہم خطا سے تو بچ نہیں سکتے ورنہ پھر ہم فرشتے ہوجاتے۔ بس اِسْتَغْفِرُوْا کے حکم پر عمل ہوجائے یہ بھی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ[۶۴]

اپنے رب سے مغفرت مانگو۔ معلوم ہوا کہ ہم سے خطا ہوگی جب ہی تو مُعافی مانگنے کا حکم دے رہے ہیں۔ فرشتوں سے کیوں نہیں فرمایا کہ مغفرت مانگو؟ اس لیے کہ اُن سے خطا نہیں ہوتی۔ معصوم مخلوق کے لیے یہ حکم نہیں ہے، یہ حکم گناہ گاروں کے لیے ہے کہ جب خطا ہوجائے، پوری کوشش کے باوجود تقویٰ ٹوٹ جائے تو رونا شروع کردو تو اس کا انعام کیا ہوگا؟

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ[۶۵]

اللہ تعالیٰ صرف مُعاف ہی نہیں کریں گے اپنا محبوب بھی بنالیں گے۔ میں باخطا رہتے ہوئے باعطا رہنے کا نسخہ بتارہا ہوں کہ معصیت کی حرام لذّتوں کے اندر آنے کے نقطۂ آغاز اور زیرو پوائنٹ پر تنبیہ ہوجائے کہ اللہ! مجھے معاف کردیجیے۔ یہ ایک ذرّہ خوشی جو میرے

---

[۶۴] نوح:۱۰

[۶۵] البقرۃ:۲۲۲

قلب میں آیا ہے یہ آپ کی ناخوشی کے راستے سے آیا ہے۔ پس ایسی خوشی کو ہم اپنے لیے لعنتی خوشی سمجھتے ہیں۔ جس خوشی سے آپ ناخوش ہوں ہم ایسی خوشی کو طلاق دیتے ہیں اور لعنت بھیجتے ہیں۔ آپ ہم کو مُعاف کر دیجیے اور اللہ سے ہمّت بھی مانگیے کہ یا خُدا! ایسی ہمّت اور توفیق دے دیجیے کہ حرام خوشیوں کے نقطۂ آغاز ہی پر ہم کو تنبیہ ہو جائے۔ ہمارا ترازو لکڑی تولنے والا نہ ہو جس میں ایک آدھ پاؤ رکھ دو تو پتا نہیں چلتا۔ ہمارے قلب کے ایمان کی ترازو کو آپ سونے کی ترازو بنا دیجیے کہ ذرا سی مکھی بھی بیٹھ جائے تو ہل جاتی ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ جب ہم سونا تولتے ہیں تو سانس بھی نہیں لیتے کیوں کہ سانس سے بھی وہ ہل جاتی ہے۔ ہمارے قلب کی ترازو کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اتنا حسّاس کر دے کہ حرام خوشی کا ایک ذرّہ آجائے تو وہ ہل جائے اور فوراً ہی توبہ کی توفیق ہو جائے۔ پھر دیکھو زندگی کا مزہ، پھر جینے کی بہار دیکھو۔ جو اللہ پر مرے وہ جینے کی بہار پا گئے اور جو اپنی خواہشات پر مرے وہ دوزخی زندگی دنیا ہی سے لے گئے۔ بس جس کے قلب کی ترازو سونے کی ہو گئی سمجھ لو وہ اللہ کی محبت کی زنجیر میں بندھ گیا اور غیر اللہ کی ہر زنجیر کو وہ توڑ دے گا۔

سر نگونم ہیں رہا کُن پائے من
فہم کو در جملۂ اجزائے من

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! میں نے اپنا سر جھکا لیا ہے۔ اب میرے پاؤں کو رہائی دے دو اور میرے پیر کی زنجیر توڑ دو۔ اب میں دیوانہ بننا چاہتا ہوں اور تعلقاتِ ماسویٰ سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔ اب مجھے مت سمجھاؤ کہ اگر یہ ہو گا تو مگر کیا ہو گا۔ میرے جسم کے اجزاء میں اب سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ دنیا کے خوف سے اب میں اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا چاہے جان چلی جائے، اب مجھے اللہ کو راضی کرنا ہے اور ایک سانس بھی ان کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

میرے قلب کو اللہ تعالیٰ نے اس شعر کی جو شرح عطا فرمائی شاید کہیں نہیں پاؤ گے اور وہ یہ ہے کہ جانور جب رسّی تڑانا چاہتا ہے تو سر جُھکا لیتا ہے۔ جنہوں نے جانور پالا ہے وہ جانتے ہیں کہ رسّی تڑانے کے لیے جانور سر جُھکا لیتا ہے۔ یہ علامت ہے کہ اب

وہ قید سے عاجز آچکا، اس کے ہوش و حواس اب قابو میں نہیں اور رسّی تڑا کر بھاگنا چاہتا ہے۔ اس سے طاقت آجاتی ہے تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! اب ہم بھی سر جُھکا چکے، اب ہمیں ماسویٰ کا ہوش نہیں، اب ہم تعلقاتِ دُنیوی کی رسّی تڑانے والے ہیں۔ دنیا کی زنجیروں نے ہم کو بہت جکڑ رکھا تھا، اب ہم ان زنجیروں کو توڑ کے رہیں گے اور اللہ والے بن کے رہیں گے۔

جامع پوشاں را نظر بر گاذراست
روحِ عریاں را تجلّی زیوراست

ارشاد فرمایا کہ لباس کے عاشقین کی نظر دھوبیوں پر رہتی ہے کہ کون سا ڈرائی کلینر کپڑے کو زیادہ چمکاتا ہے اور اللہ کے عاشقوں کی روح کا زیور اللہ کی تجلّی ہے۔ اللہ کے جلووں سے ان کی روح منوّر ہے۔ یہ لباس تو جسم پر رہتا ہے مگر روح کا لباس اللہ کی تجلّیات کا ہوتا ہے۔ یہ اپنی روح کو چمکانے میں ہیں اور وہ اپنے کپڑے کو چمکانے میں۔ اور روح کا چمکانا کیا ہے؟ طَهَارَةُ الْاَسْرَارِ مِنْ دَنَسِ الْاَغْيَارِ[٦٦] غیر اللہ کی گندگی سے باطن کو پاک کرنا۔ حسینوں سے نظر بچانے سے، گناہوں سے بچنے سے روح مجلّٰی ہوتی ہے تب اللہ تعالیٰ اپنی تجلّیاتِ خاصّہ سے اس میں متجلّی ہوتا ہے۔ یہ تجلّیاتِ الٰہیہ روح کا زیور ہیں۔

اُڑا دیتا ہوں اب بھی تار تارِ ہست و بود اصغرؔ
لباسِ زُہد و تقویٰ میں بھی عریانی نہیں جاتی

بس اب دعا کریں کہ اے اللہ! ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہمارے ظاہر کو بھی پاک فرمادیجیے اور ہمارے باطن کو بھی غیر اللہ کی نجاستوں سے پاک فرمادیجیے اور ہماری روح کو اپنی تجلّیاتِ خاصہ سے منوّر فرمادیجیے۔

اٰمِيْن وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ

---

[٦٦] روح المعانی: ۱۱/۲۶، التوبة (۱۱۰)، دار احیاء التراث، بیروت، ذکرہ فی باب الاشارات

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۱؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۰؍ جنوری ۱۹۹۸ء

بوقت صبح پونے سات بجے، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بے کار ماند

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں اے دنیا والو! یقین کرلو کہ جس کو اللہ بلاتا ہے، اپنے خاص دردِ محبت اور اپنی خاص آہ وفغاں اور اپنی خاص تعلیم عشق کے لیے منتخب کرتا ہے تو کیا کرتا ہے؎

از ہمہ کارِ جہاں بے کار ماند

اس کو دنیا کے ہر کام سے بے کار کردیتا ہے، اپنے کام میں لگا کر سارے جہان کے کاموں سے بے کار کردیتا ہے۔ اس کا اُردو بامُحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر کہتا ہے کہ یہیں بیٹھے رہو جانا مت۔ تم کو اس قابل بھی نہیں رکھوں گا کہ تم میرے دروازے سے بھاگ جاؤ۔ یہ مطلب نہیں کہ سچ مچ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دیتا ہے۔ یہ تو محاورہ ہے مطلب یہ ہے کہ مجبور محبّت کردیتا ہے۔ کسی کام میں اس کا دل ہی نہیں لگتا سوائے اللہ کے کاموں کے۔ اس طبقے میں مولانا رومی ہیں، شمس الدین تبریزی ہیں، بابا فرید الدین عطار ہیں، سُلطان نظام الدین اولیاء ہیں، سُلطان نجم الدین کبریٰ ہیں، حافظ شیرازی ہیں، سعدی شیرازی ہیں وغیرہ وغیرہ ہزاروں نام ہیں۔

راہ دہ آلودگاں را اَلْعَجَل
در فراتِ عفو عین مُغْتَسَل

مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں کہ جو بندے گناہوں میں مبتلا ہو کر راہ سے بے راہ ہو گئے، آپ کو بھول گئے اے اللہ! آپ ان کو فراموش نہ کیجیے، ان کو پھر راہ پر لے آیئے اِرَاءَۃُ الطَّرِیْقِ بھی کیجیے اور اِیْصَالِ اِلَی الْمَطْلُوْبِ[٦٧] بھی کیوں کہ آپ کے جذب اور آپ کی مدد کے بغیر کوئی آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہم تو گناہ کر کے آپ کی محبت کے امتحان میں ناکام ہو گئے مثلاً اللہ تعالیٰ نے بعض شکلوں کو نمک اور حُسن دیا اور پابندی بھی عائد کر دی کہ ان کو نہ دیکھو، نامحرموں کو اور حسین امردوں کو دیکھ دیکھ کے دل مت للچاؤ، پریشان نہ ہو، احتیاط کرو، غضِ بصر کا حکم نازل کیا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ ان ہی لیلاؤں کی وجہ سے یعنی عیناً قلباً و قالباً ان سے دور رہنے کی وجہ سے ہم کو مولیٰ مل رہا ہے کیوں کہ نہ یہ ہوتے نہ ان کو دیکھنے کا تقاضا ہوتا، نہ تقاضے کو روکنے کا غم اُٹھاتے۔ تو جب غم نہ اُٹھاتے تو خُدا بھی نہ ملتا اس لیے ان کے وجود کو بے کار مت سمجھو۔ یہ وجودِ لیلیٰ حُصولِ مولیٰ کا ذریعہ ہے۔ بشرطِ تقویٰ اور احتیاط۔ کیسے؟ جب ان کی طرف تقاضا ہو تو اس کو روکو، غم اُٹھاؤ، ان کو ہر گز مت دیکھو۔ اگر شیطان کہے کہ نہ دیکھنے سے جان نکل جائے گی تو یہ جواب دے دو؎

نہیں ناخوش کریں گے رب کو اے دل تیرے کہنے سے
اگر یہ جان جاتی ہے خوشی سے جان دے دیں گے

اور دوسرا شعر کیا ہے؎

نہ دیکھیں گے نہ دیکھیں گے اُنہیں ہر گز نہ دیکھیں گے
کہ جن کو دیکھنے سے رب مرا ناراض ہوتا ہے

اب شیطان کہے گا کہ اگر تم دیکھتے تو بہت مزہ آتا۔ اس کا جواب تیسرے شعر میں دے رہا ہوں۔ یہ سب میرے ہی شعر ہیں؎

ہم ایسی لذّتوں کو قابلِ لعنت سمجھتے ہیں
کہ جن کو دیکھنے سے رب مِرا ناراض ہوتا ہے

---

[٦٧] شرح التهذيب: ۲، المكتبة المصباح

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ[۶۸]

اللہ تعالیٰ حرام نظر کرنے والوں پر بھی لعنت فرماتا ہے اور جو اپنے کو حرام نظر کے لیے پیش کرے اس پر بھی لعنت فرماتا ہے یعنی دیکھنے والے پر بھی لعنت برستی ہے اور دکھانے والے پر بھی۔ جو عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں ان پر بھی لعنت برستی ہے اور جو ان کو دیکھتا ہے اس پر بھی لعنت برستی ہے تو ڈبل لعنت جمع ہوجائے گی: ایک ناظریت کی لعنت اور دوسری منظوریت کی لعنت جس کو آج کل کی زبان میں کہتے ہیں لعنت پلس (+) لعنت۔ کیا کہیں مجبوراً انگریزی الفاظ بولنے پڑتے ہیں ورنہ لوگ سمجھتے نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر صرف روزہ، نماز، حج، تلاوت کا حکم ہوتا اور یہ گُناہ سے بچنے کا حکم نہ ہوتا تو آسانی ہوجاتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بتائیے کسی کے گھر میں روشنی پلس اور مائنس تار کے بغیر ہوتی ہے؟ دونوں تار ہوتے ہیں پلس اور مائنس، مثبت اور منفی تو اللہ تعالیٰ نے روزہ، نماز، تلاوت کا حکم دے کر ہمیں اپنا مثبت تار دیا اور گناہوں سے بچنے کا حکم دے کر منفی تار دیا تاکہ میرے بندوں کے قلب میں میری محبت کے چراغ جل جائیں۔ یہ دیے ایسے ہی تھوڑی جلتے ہیں، جب کوئی آگ دیتا ہے تب دیا جلتا ہے یعنی جب اپنی حرام خواہشات میں آگ لگادیں گے، جب اپنی خواہشات اللہ پر فدا کریں گے تب اللہ کی محبت کا چراغ روشن ہوگا۔ مائنس اور پلس دونوں تار کی ضرورت ہے اور مائنس کا تار پلس کے تار سے بھی زیادہ اہم ہے کیوں کہ ضروری عبادت فرض، واجب، سُنّتِ مؤکدہ، تو بہت تھوڑی ہے لیکن گُناہ نہ کرنے کی عبادت کے مواقع بہت زیادہ ہیں کیوں کہ اس دور میں بے پردگی و عریانی کی فراوانی ہے اس لیے بس نگاہ بچالو تو پھر حلاوتِ ایمانی کی بھی فراوانی ہے۔ لیکن اس میں دل کا خون کرنا پڑتا ہے مگر اسی خونِ آرزو سے اللہ ملتا ہے اس لیے گُناہ نہ کرنے کی عبادت بہت بڑی عبادت ہے اسی لیے گناہوں سے بچنے والے کو أَعْبَدُ النَّاسِ یعنی سب سے بڑا عبادت گزار حدیثِ پاک میں فرمایا گیا۔ حرام سے بچنا

---

[٦٨] کنز العمال: ۷/ ۳۳۸، (۱۹۱۶۲)، فصل فی احکام الصلٰوۃ الخارجۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

لا الٰہ کی تکمیل ہے۔ اسی لیے کلمہ میں لا الٰہ کو پہلے بیان فرمایا کہ پہلے غیر اللہ کو نکالو پھر اللہ ملے گا۔ لَآ اِلٰهَ کو دل سے نکال دو پھر سارا عالم اِلَّا اللّٰهُ سے بھرا ہوا ہے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ سے مدرسہ نیوٹاؤن میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃُ اللہ علیہ کی موجودگی میں یہ سوال کیا گیا کہ پہلے استغفار کریں یا پہلے درود شریف پڑھیں؟ حضرت نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃُ اللہ علیہ سے یہی سوال کسی نے کیا تھا تو حضرت قطبُ العالم مولانا گنگوہی رحمۃُ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم عود کا عطر پہلے لگاتے ہو یا پہلے نہاتے ہو۔ پہلے انسان نہا کر صاف کپڑا پہنتا ہے، تو استغفار کرنا روح کو دھونا ہے پھر درود شریف کا عطر بعد میں لگاؤ۔ اُولٰٓئِكَ اٰبَآئِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ اسی طرح جب دل گناہوں سے آلودہ ہو گیا تو پہلے اس آلودگی کو دور کرو تب اللہ کا نور پاؤ گے۔ اسی کو مولانا نے اس شعر میں فرمایا ہے کہ اے اللہ! جو گناہوں سے آلودہ ہو گئے آپ ان کو توفیقِ توبہ کا فالودہ دے دیجیے یعنی اے خدا! جن بندوں کی جان گُناہوں میں آلودہ ہو گئی تو جلدی سے ان کو راستہ دیجیے، کس چیز کا راستہ

در فُراتِ عفو عینِ مُغتَسَل

آپ ان کو مُعافی کے دریائے فرات میں داخلہ دے دیجیے۔ یہاں مصر کا دریائے فرات مُراد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا دریا مُراد ہے جو عینِ مغتسل ہے۔ یعنی اپنے خاص چشمۂ رحمت میں ان کو نہانے کی اجازت دیجیے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو گُناہ سے آلودہ ہو گئے ان کو توفیقِ توبہ عطا فرما کر اپنے آبِ رحمت میں ان کو نہلا دیجیے اور گم گشتگانِ طریق کو راہ دکھا کر اپنی رضا و خوشنودی کی منزل تک پہنچا بھی دیجیے۔

از دُعا نبود مُرادِ عاشقاں
جز سخن گفتن باآں شیریں دہاں

ارشاد فرمایا کہ دُعا کرنے سے عاشقوں کی مُراد یہ بھی ہوتی ہے کہ میری حاجت پوری ہو جائے مگر مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ان کی ایک اور بڑی پیاری نیت ہوتی ہے کہ اسی بہانے سے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کا موقع ملتا ہے۔ عاشقوں کی مُراد دُعاؤں سے

صرف حاجت روائی نہیں ہے بلکہ ایک مقصد اور ہے۔

جز سخن گفتن باآں شیریں دہاں

کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور بات چیت کا شرف مل جائے۔ عاشقوں سے پوچھو اس کا مزہ کہ اپنے محبوب سے گفتگو میں کیا مزہ آتا ہے۔ جب وہ یااللہ یااللہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی کتنا خوش ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُلِحِّیْنَ فِی الدُّعَاءِ[۶۹] جب بندہ گڑگڑا کر دُعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی دُعا کے ایک ایک لفظ سے محبت ہوتی ہے لیکن پھر بھی بعض بندۂ خاص کی دُعا دیر سے قبول ہوتی ہے تاکہ وہ اور زیادہ دن تک اسی طرح مانگتا رہے کیوں کہ اس کا گڑگڑانا اللہ کو محبوب ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی محبوب چیز کو زیادہ دیر تک اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے یا نہیں؟ مولانا رومی نے اس حدیث کو سمجھانے کے لیے دو مثالیں دی ہیں کہ کبھی کبھی دُعاؤں کی قبولیت میں جو دیر ہوتی ہے اس کی وجہ اس بندے کی محبوبیت ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ میاں کے یہاں اس کی قدر نہیں اس لیے اس کی دُعا دیر میں قبول ہوتی ہے۔ اس کی مولانا نے یہ مثال دی کہ کوّا کائیں کائیں کرتا ہے تو آدمی جلدی سے روٹی دے دیتا ہے تاکہ جلدی بھاگ جائے۔ اور اگر بُلبل بولتا ہے تو اس کو پنجرے میں رکھ لیتا ہے اور ایسے ہی ایک مثال اور بھی دی کہ اگر کوئی بڈھی عورت بھیک مانگنے آجائے تو اس کو آدمی جلدی سے بھیک دے دیتا ہے۔ سو برس کی بُڑھیا جس کی کمر جھکی ہوئی ہے، گال پچکے ہوئے ہیں، کپڑے سب میلے جن سے بدبو آرہی ہے تو کہتا ہے کہ یہ پیسے لے جاؤ اے بڑھیا! جلدی لے جاؤ۔ اور اگر کوئی جوان لڑکی بھک منگی آگئی، مولانا رومی اس سے مسئلہ نہیں بتارہے ہیں، مثال دے رہے ہیں۔ انسان کی فطرت بتارہے ہیں کہ اگر اللہ کا خوف دِل میں نہ ہو تو اس سے کہے گا کہ ٹھہرو گرم گرم چپاتی لارہا ہوں۔ شیطان نے اب اس کے چپت مارنا شروع کردیا کیوں کہ جب شیطان چپت مارتا ہے تب معشوقوں کے لیے چپاتی بنتی ہے۔ پھر کہتا ہے کہ ٹھہرو ابھی کباب گرم کررہا ہوں، پھر کہتا ہے کہ نہیں ابھی ٹھہرو حلوہ بھی گرم ہورہا ہے۔ اسی بہانے سے اس کو دیر تک رکھتا

---

[۶۹] کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۱/۲۸۱، (۵۰۰)، مکتبۃ العلم الحدیث

ہے۔ ایسا عمل کرنا تو جائز نہیں لیکن مثال دینی تو جائز ہے۔ یہ مثال اس لیے دے رہے ہیں کہ تمہاری سمجھ میں آجائے، رومانٹک دنیا کو مولانا رومی اللہ تعالیٰ کی محبت سمجھا رہے ہیں۔ یعنی جو اللہ کے پیارے ہوتے ہیں ان کو کبھی اللہ تعالیٰ دیر سے عطا فرماتے ہیں، اسی طرح اپنے دروازے پر روکے رکھتے ہیں تاکہ زیادہ دیر تک یہ مجھ سے دُعا مانگتا رہے، مؤمن کی دُعا اور نالہ و آہ کو وہ محبوب رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

اُمّید نہ بر آنا اُمّید بر آنا ہے
اک عرضِ مسلسل کا کیا خوب بہانہ ہے

الغیاث از ابتلایت الغیاث
شد ذکور از ابتلایت چوں اُناث

اے اللہ! ہم پناہ چاہتے ہیں تیرے ابتلاء سے، تیرے امتحان سے کیوں کہ ہم تیرے امتحان کے قابل نہیں۔ اے خدا! اگر آپ امتحان لینے پہ آجائیں تو شاید ہی کوئی پاس ہو۔ جب آپ کا امتحان ہوا تو بڑے بڑے مذکر مؤنث ثابت ہوئے، اس لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو، کبھی ناز مت کرو کہ ہم ایسے ہیں ویسے ہیں۔ اللہ کے حضور میں آہ وزاری سے یہ راستہ طے ہوگا ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ

اپنی سمجھ اور عقل کو تیز کرنے سے اللہ کا راستہ نہیں ملے گا ؎

جز شکستہ می نہ گیرد فضلِ شاہ

اپنے نفس کو توڑ دو، بالکل مٹ جاؤ کہ اے اللہ! ہم کچھ نہیں ہیں، اتنے مٹ جاؤ کہ مٹنے کا بھی احساس نہ رہے اسی کو فَنَاءُ الْفَنَا کہتے ہیں جیسے کوئی سو رہا ہے اور اس کو احساس ہو کہ میں سو رہا ہوں تو یہ نہیں سو رہا ہے۔ نیند وہ ہے کہ غرق ہو جائے اور سونے کا احساس نہ رہے اسی طرح مٹنا وہ ہے کہ یہ احساس بھی نہ رہے کہ میں نے اپنے کو مٹا دیا

ہے، فنائیتِ کاملہ یہ ہے کہ فنائیت کا بھی احساس نہ رہے، اپنے کو کچھ نہ سمجھے، دل ٹوٹ جائے۔ اللہ کا فضل ٹوٹے ہوئے دلوں پر برستا ہے۔ اور یہ فنائیت شیخ کی صحبت اور اس کی تربیت سے نصیب ہوتی ہے۔ حکیمُ الامّت نے فرمایا کہ اگر شیخ ڈانٹ بھی دے تو یہ سمجھو کہ ہماری کیا شان ہے، کوئی شان نہیں ہے، ہماری شان اس سے بگڑی نہیں اور بن گئی۔ شیخ کی ڈانٹ سے عزّت اور بڑھ جاتی ہے اور فرمایا کہ مُتکبر اپنی شان سمجھتا ہے اور وہی شیخ کی ڈانٹ سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ ابھی کیا اپنی شان بنا رہے ہو، جب تک قیامت کا فیصلہ نہ ہو یہی سمجھو اے اللہ! ہم کسی شان کے قابل نہیں اور میں ایک بہت تجربہ کی بات بتاتا ہوں جس پر شیخ کی ڈانٹ پڑتی ہے اس کا ڈینٹ نکل جاتا ہے اور جو ڈانٹنے کی بات پر نہ ڈانٹے وہ شیخ نہیں خائن ہے۔ جب موٹر میں ٹیڑھا پن آگیا تو مکینک جو ہے وہ کچھ ٹکنیک دکھائے گا اور ہتھوڑا مارے گا تاکہ موٹر کے ٹیڑھے پن کی سیٹنگ اور فٹنگ ہو جائے جس طرح ہتھوڑے سے موٹر کا ڈینٹ نکلتا ہے اسی طرح شیخ کی ڈانٹ سے نفس کا ڈینٹ نکلتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے اتنی ڈانٹ کھائی ہے اخترؔ نے اپنے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کی کہ فلاں کام یوں کیوں کر دیا، یہ لوٹا یہاں کیوں رکھ دیا، آج تم نے گندم پسایا اس میں جو کیوں نہیں ملایا تو میں نے ایک دن کہا کہ حضرت! یہ جو دور دور سے آتے ہیں آپ کے پاس اور سر جُھکا کے مراقبہ میں بیٹھے رہتے ہیں اور دو دن رہ کے چلے جاتے ہیں اور آپ ان کو بڑا پیار دیتے ہیں اور ہم رات دن رہتے ہیں ڈانٹ ہی کھاتے رہتے ہیں تو یہ لوگ تو بڑے فائدے میں معلوم ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی آگئے دو دن مراقبہ کرنا آسان ہے کہ سر جھکائے بیٹھے رہے تو حضرت نے فرمایا کہ جو شیخ کی ڈانٹ کھاتا ہے وہ لعل ہو جاتا ہے۔ ایسی ایسی ڈانٹ کھائی ہے کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا مگر میں نے اللہ کے لیے سب کچھ برداشت کیا۔ آج اسی کی برکت دیکھ رہا ہوں کہ کتنے عالم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کوئی اشتہار دیا تھا؟ کسی کو میں نے بلایا تھا؟ دیکھ لو کتنے ملکوں کے لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جس نے اللہ کے لیے اپنے بڑے کے ناز اُٹھائے تو اس کے ناز اُٹھانے والے اللہ عطا فرماتا ہے۔ اس کو

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کی حدیث سے ثابت کیا ہے کہ **مَااَکْرَمَ شَابٌّ شَیْخًا**[1] جس جوان نے اپنے بڑوں کی عزت کی اللہ بھی اس کو ایسا رُعب دے گا کہ لوگ اس کی عزت کریں گے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس کو دو نعمتیں ملیں گی ایک عمر بڑھ جائے گی اور دوسرے اس کو باادب چھوٹے ملیں گے اور جس نے اپنے بڑوں کی شان میں بے ادبی کی اس کے چھوٹوں سے بھی اس کو بے ادبی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں مالک کا احسان و فضل ہے کہ میرے چاہنے والے اللہ تعالیٰ نے سارے عالم میں پیدا فرمادیے، جس نے اللہ والوں کی پیار کی نظر پائی تو مخلوق بھی اس کو پیار کرتی ہے۔ یہ تجربہ ہے لیکن مخلوق میں پیارا بننے کے لیے اللہ والوں سے پیار مت کرو۔ اللہ والوں سے پیار اللہ کے لیے کرو اور ایک خاص بات یہ ہے کہ اللہ کی عطا کو اپنے کسی عمل اور مُجاہدہ کا ثمرہ نہ سمجھو کہ ہم نے بزرگوں کی اتنی خدمت کی اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی۔ یہ عین ناشکری ہے بلکہ یہ سمجھو کہ ان کے کرم کا سبب ان کا کرم ہے، ان کی رحمت کا سبب ان کی رحمت ہے، ان کی عطا کا سبب ان کی عطا ہے کیوں کہ ہمارا کوئی عمل اس قابل نہیں کہ قبول ہو۔ بس قبولیت کے لیے گڑگڑاتے رہو۔

بس دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے ہم سب کو ایسا ایمان ایسا یقین اور اپنی محبّت نصیب فرما کہ ہماری زندگی کی ہر سانس آپ پر فدا ہو اور ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کرکے حرام لذّت درآمد نہ کریں۔ اے خُدا! ہماری اور ہماری اولاد و ذُرّیات کی اور ہمارے دوستوں کی اور ان کے خاندان کی بھی اپنی رحمت سے اپنے اولیائے صدّیقین کی سب سے آخری سرحد تک ہم سب کو پہنچادے اور اولیائے صدّیقین کے خطِ آخر تک پہنچادے۔ یااللہ! ہم پناہ چاہتے ہیں کہ ایک سانس آپ کو ناراض کرکے آپ کی حرام کردہ خوشیاں اپنے اندر لائیں۔ اے خُدا! ایسے کمینہ پن اور ایسی بے حیائی اور ایسی بے غیرتی سے ہماری روحوں کو پاک فرمادے۔ اللہ ہمہ

---

[1] جامع الترمذی: ۲/۲۲، باب ما جاء فی اجلال الکبیر، ایچ ایم سعید

وقت ہر سانس آپ پر فدا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمادے، ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کرنے سے آپ ہی کی پناہ پکڑتے ہیں، آپ ہی کی پناہ چاہتے ہیں اور اللہ! دُنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں ہم کو نصیب فرما اور جُملہ حاسدین اور اہلِ شر اور اہلِ دُشمن جتنے اہلِ عداوت ہیں سب کی عداوت اور دُشمنی کو خاک میں ملادے۔ اے خُدا! اپنی رحمت سے ان کو نادم بھی فرمادے۔ اے خُدا! ہم سب کو اتنا زیادہ اپنا پیار اور اپنی محبت اور اپنی طرف سے حُجت عطا فرما کہ جتنے حاسدین ہیں ان کو نادمین فرما اور باکین فرما اور تائبین فرما اور ان کو مُعافی مانگنے کی توفیق بھی عطا فرما۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ اٰمِيْن يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

رَبِّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَآئِكَ شَقِيًّا

◆◆◆◆

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اخترؔ کہکشاں کو

اخترؔ

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۱۱؍ جنوری ۱۹۹۸؁ء بروز یکشنبہ (اتوار)

بوقت ساڑھے چھ بجے صبح بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمّامِ تقویٰ روشن است

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو مَاءٍ دَافِقٍ سے پیدا کیا۔ دافق کے معنیٰ ہیں کودنے والا۔ جس کی منی میں اتنی طاقت ہو کہ کود کر کے نکلے اسی کے اولاد ہوتی ہے اور جو بہہ کر نکلے پانی کی طرح رقیق ہوجائے تو ایسے لوگوں کے اولاد نہیں ہوتی۔ جب انسان کا مادّہ ہی کودنے والا ہے تو پھر اس کو اگر شہوت ہوتی ہے کوئی تعجّب کی بات نہیں کیوں کہ اس کے مادّۂ تخلیقیہ اور میٹریل کی بنیاد ہی میں اُچھلنا کودنا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ پس طوفانِ شہوت اور گناہ کے تقاضے اس کی فطرت میں شامل ہیں تو اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ کے خوف سے اپنے کو بچائے اور گناہ کے تقاضوں پر ہمّت کرکے عمل نہ کرے کیوں کہ اگر گُناہ کا تقاضا ہی نہ ہو تو تقویٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔ تقویٰ کا وجود ہی اس وقت ہوتا ہے جب کہ تقاضا گُناہ کا پیدا ہو اور پھر اس کو روکو۔ اس روکنے سے جو غم کا جھٹکا لگے گا اسی سے نُورِ تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ نارِ شہوت کو روکنے سے نُورِ تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ شہوت کی نار کو جھکادو تو نُور ہوجاتی ہے۔ نُور کا واؤ جھکا ہوا ہوتا ہے اور نار اکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ نار میں الف ہے لہٰذا نارِ شہوت کو جھکاؤ اور اس کو قابو میں لاؤ پھر اسی سے نورِ تقویٰ پیدا ہوجائے گا۔ اگر کسی کے اندر بُری خواہش اور گُناہ کے تقاضے نہ ہوں تو وہ شخص متقی ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن بے وقوف لوگ ان تقاضوں سے گھبراتے ہیں حتیٰ کہ بعض نادان مرید بھی سمجھتا ہے کہ اتنے دن ہوگئے مُرید ہوئے، اللہ اللہ بھی کررہا ہوں لیکن گُناہ کا

تقاضا ختم نہیں ہورہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ سے مجھے فیض حاصل نہیں ہوا۔ یہ انتہائی نادان صوفی ہے۔ جو صوفی تقاضائے معصیت سے گھبراتا ہے۔ اس نے شیخ سے کچھ نہیں سیکھا کیوں کہ گُناہ کا تقاضا ہونا گناہ نہیں، تقاضے پر عمل کرنا گُناہ ہے۔ تقاضا روکنے سے جو غم آئے گا اسی سے تو اللہ ملے گا۔ اسبابِ قُرب کو آپ اسبابِ بُعد کیوں سمجھتے ہیں۔ اگر لکڑی بھی نہ رہے تو چولہا روشن کیسے ہوگا؟ اسی کو مولانا رومی اس شعر میں فرماتے ہیں کہ گُناہ کے تقاضے ایندھن ہیں تقویٰ کا۔ تقویٰ کا حمام گرم ہی ہوتا ہے تقاضائے معصیت کو اللہ کے خوف کی آگ میں جلانے سے۔ اسی آگ سے نُور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تقاضے تقویٰ کا ایندھن اور میٹریل ہیں، جو اس کو ختم کرنا چاہتا ہے بے وقوف ہے۔ اس لیے گُناہوں کے تقاضوں کی شدّت سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے: جس کے دل میں تقاضے زیادہ ہیں سمجھ لو اس کو اللہ تعالیٰ نے ایندھن زیادہ دیا ہے اور ایندھن کا زیادہ ہونا نعمت ہے کیوں کہ زیادہ ایندھن جلاؤ گے تو نور بھی زیادہ پیدا ہوگا۔ نفس میں تقاضے جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی تقاضوں کو روکنے میں مُجاہدہ زیادہ ہوگا اور جتنا مُجاہدہ زیادہ ہوگا اتنا ہی زیادہ اور قوی تقویٰ کا نور پیدا ہوگا لہٰذا تقاضائے معصیت بالکل مضر نہیں بلکہ ان کو جلادو تو یہی قُرب و ترقی کا ذریعہ ہیں۔ اللہ کی محبت اور تقویٰ کی بریانی تقاضوں کے ایندھن سے تیار ہوتی ہے۔ اس لیے یہ تمنّا مت کرو کہ یہ ایندھن ہی ختم ہوجائے۔ اگر ایندھن نہ ہوگا تو بریانی کیسے پکے گی؟ جو گناہوں کے تقاضوں سے گھبراتا ہے اصل میں یہ لومڑی ہے، طاقت چور ہے ہمّت چور ہے۔ اس کو گُناہوں کے تقاضوں سے گھبراہٹ اس لیے ہوتی ہے کیوں کہ ان کو روکنے کے لیے ہمّت استعمال نہیں کرتا۔ ان کو روک کر تو دیکھو کہ کتنا نور پا جاؤ گے۔ ایک دم ایسی پرواز عطا ہوگی کہ بڑے بڑے عبادت گُزار اس مقام پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ کی روح کا جہاز ایک دم ٹیک آف کر جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ جب جہاز ٹیک آف کرتا ہے تو کتنا ایندھن خرچ ہوتا ہے؟ دو تین ہزار گیلن پیٹرول اس وقت خرچ ہو جاتا ہے تو جو شخص اللہ کی طرف اُڑنا چاہتا ہے اس کو پیٹرول زیادہ چاہیے۔ اللہ نے اسباب پیدا کر دیے، لیلاؤں کو پیدا کر دیا، حسینوں کو پیدا

کردیا تاکہ میرے بندے گُناہ سے بچ کر اپنے دل پر غم اُٹھائیں اور اسی سے ہم ان کو پیٹرول اور پرواز کی طاقت دے دیں۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ مشاہدہ بقدرِ مُجاہدہ۔ اللہ کے راستے میں جو جتنا غم اُٹھائے گا اتنی ہی بُلند اس کی پرواز ہوگی۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ صاحب محدّثِ دہلوی رحمۃُ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہیجڑے کو ولایتِ خاصّہ نہیں مل سکتی کیوں کہ اس کے اندر گُناہوں کے تقاضے نہیں ہوتے۔ ولایتِ عامّہ ملے گی اور جنّت میں بھی چلا جائے گا مگر ولایتِ خاصّہ، وہ خاص قُرب جو اولیائے صِدّیقین کو عطا ہوتا ہے وہ ان ہی کو عطا ہوتا ہے جن کے نفس میں تقاضے ہوں اور پھر انہیں روک کر غم اُٹھاتے ہوں۔ یہی ہے کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْھَوٰی - اسی ھَوٰی اور شہوت کو مولانا نے اس شعر میں ایندھن قرار دیا ہے جس کو جلانے سے یعنی ان کے مقتضاء پر عمل نہ کرنے سے ہی تقویٰ کی بھٹی روشن ہوتی ہے۔

آں چناں انس و مستی داد حق
کہ نہ زنداں یادش آمد نے غَسق

ارشاد فرمایا کہ مولانا کے اس شعر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے راستے کے غم سے گھبراؤ مت۔ اللہ کے راستے کا غم اتنا قیمتی ہے کہ دنیا بھر کی خوشیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ جتنی منزل قیمتی ہوتی ہے اس کے راستے کی تکلیف بھی اتنی ہی قیمتی ہوتی ہے اور محسوس بھی نہیں ہوتی۔ تو اللہ کے قُرب کی منزل اتنی قیمتی ہے کہ دنیا میں اس سے قیمتی کوئی منزل نہیں ہے۔ پس اللہ کے راستے کا غم کتنا قیمتی ہوگا ان کے راستے کے کانٹے کتنے قیمتی ہوں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے گُناہ کی دعوت دی اور اس نے دھمکی دی کہ اگر میری فرمائش پوری نہیں کروگے تو ہم تمہیں قید خانے میں ڈلوادیں گے، ہم بادشاہ کی بیوی ہیں۔ آپ نے اس سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ سے رجوع کیا، اپنے رب کو پکارا رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ اس آیت میں اشارہ ہے کہ ایسے وقت میں اللہ سے رجوع ہوجاؤ، جب زمین والے تم کو ستائیں تو آسمان والے سے فریاد کرو، زمین کے مقناطیس جب ہم کو کھینچیں تو آسمان والے جاذب کو پکارو جس کی قوتِ جاذبہ سب سے بڑی

ہے اور سیّدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی جانِ پاک نے جو اعلان کیا تھا وہی اعلان کرو کہ

رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ[۷۱]

اے میرے پالنے والے! تیرے راستے کا قید خانہ مجھے پیارا ہے اس گُناہ سے جس کی طرف یہ بادشاہِ مصر کی عورت مجھے بلا رہی ہے اور مجھے دھمکی دے رہی ہے کہ اگر گُناہ نہیں کرو گے تو تم کو قید خانے میں ڈال دیں گے لیکن اے خُدا! تجھے ناخوش کرنے سے مجھے قید خانہ احب ہے، تیری لذّتِ قُرب کے سامنے ساری دنیا کے رنج و صعوبتیں ہیچ ہیں، تیرے راستے کا غم سارے عالم کی خوشیوں سے مجھے عزیز تر ہے۔ تیری راہ کا قید خانہ اور قید خانے کا غم مجھے محبوب ہی نہیں بلکہ احب ہے اس خبیث بات سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔ اور یہاں جمع کا صیغہ یَدۡعُوۡنَ کیوں نازل ہوا جب کہ بلانے والی واحد تھی یعنی صرف زلیخا بلا رہی تھی۔ تو حضرت حکیمُ الامّت نے تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمع کا صیغہ اس لیے نازل کیا کیوں کہ مصر کی عورتوں نے سفارش کی تھی کہ اے یوسف! اس کی خواہش پوری کر دو لہٰذا گُناہ میں تعاون کرنا، مدد کرنا اور سفارش کرنا اتنا ہی جُرم ہے جتنا اصل مُجرم کا۔ اسی لیے رشوت کا دلانے والا اتنا ہی مجرم ہے جتنا لینے والا۔

اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے پیارے ہیں کہ جن کے راستے کے قید خانے احب ہوتے ہیں تو ان کی راہ کے گلستان کیسے ہوں گے۔ یہ جملہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تو میری اردو کی لذّت پر ندوہ کے عُلماء مست ہوگئے اور فرمایا کہ کیا استدلال ہے اور کیا شیرینیِ زبان ہے کہ جن کی راہ کے قید خانے محبوب ہی نہیں احب ہیں ان کی راہ کے گلستان کیسے ہوں گے، جن کے راستے کی تلخیاں پیاری ہیں تو ان کی شیرینیاں کیسی ہوں گی، جن کی راہ کے غم اور تکالیف احب ہیں تو ان کے نام کی لذّت کا کیا عالم ہو گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہیں تو ان کے نام کی لذّت بھی بے مثل ہے جو جنت میں بھی نہیں ملے گی، خاص کر کے نظر بچانے کے غم پر حلاوتِ ایمانی کا جو وعدہ ہے یہ حلاوتِ ایمانی اس دنیا ہی میں ملتی ہے یہ جنت میں بھی

---

[۷۱] یوسف:۳۳

نہیں ملے گی کیوں کہ جنت میں نظر بچانے کا حکم ختم ہو جائے گا، وہاں شریعت نہیں رہے گی، وہاں سب فرشتوں کی طرح پاک ہو جائیں گے تو یہ مزہ دنیا ہی میں اُٹھالو۔ نظر بچا کر یہ حلوۂ ایمانی لوٹ لو۔

اللہ کے نامِ پاک کی اسی لذّت و مستی و حلاوتِ ایمانی کو جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو عطا ہوئی مولانا اس شعر میں بیان فرماتے ہیں کہ؎

آں چنانش انس و مستی داد حق
کہ نہ زنداں یادش آمد نے غَسَق

زنانِ مصر کی دعوتِ گُناہ کو رد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی پاداش میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں داخل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی مستی دے دی کہ نہ انہیں قید خانہ یاد آیا نہ قید خانے کی تاریکی یاد آئی۔ ان کی جانِ پاک پر اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایسا خاص فیضان ڈالا کہ ان کو قید خانے کا احساس بھی نہیں ہوا۔ یہ اللہ کی شان ہے۔ مولانا اس سے ہم کو یہ سبق دیتے ہیں کہ گُناہوں کی عارضی لذّت چھوڑنا غم کا قید خانہ ہے اگر ہم ارادہ کرلیں اور ہمّت سے کام لیں کہ گُناہ نہیں کرنا ہے اور گُناہ نہ کرنے کا غم اُٹھانا ہے اور غم کے اس قید خانے کو دل و جان سے محبوب رکھنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ناخوش کرکے حرام خوشیاں قلب میں درآمد نہیں کرنا ہیں، غیر اللہ کی شکل و صورت سے بچنے میں جان کی بازی لگانا ہے تو ان شاء اللہ! بطفیلِ سرورِ عالم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اللہ تعالیٰ وہ مستی دینے پر قادر ہے کہ غم محسوس ہی نہ ہو گا اور ایسی مستی عطا ہو گی جس کا نشہ کبھی نہیں اُترے گا۔

مولانا رومی فرماتے ہیں؎

خاصہ کاں خمرے کہ از خُمِ نبی ست
مستیٔ او دائمی نے یک شبی ست

نبی علیہ السلام کے خُمِ محبت و معرفت، خُمِ سُنت و شریعت سے جو مے عطا ہوتی ہے اس کا نشہ

دائمی ہوتا ہے جو کبھی نہیں اترتا۔ دنیاوی شراب کی مستی تو ایک رات میں اُتر جاتی ہے لیکن اللہ کی محبت کا یہ نشہ تلواروں سے بھی نہیں اترتا۔ نظر بچانے پر جو وعدہ ہے حلاوتِ ایمانی کا کہ تم آنکھ کی مٹھاس ہم پر فدا کردو ہم دل کی مٹھاس تم کو عطا کردیں گے، تم حلاوتِ بصارت ہم پر فدا کردو ہم حلاوتِ بصیرت تم کو دے دیں گے۔ یہ علّامہ ابن جوزی رحمۃُ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں جو بہت بڑے عالم اور ولی اللہ گزرے ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے آنکھوں کی حلاوت مانگی ہے کہ حرام نظر مت ڈالو، حسینوں کو مت دیکھو تو اللہ تمہارے دل کو حلاوتِ ایمانی دے دے گا۔ آنکھ کا مزہ لے لیا اور دل کو مست کردیا۔ اللہ نے حرام مستی کو حرام فرماکر ہمارا دل مست کردیا۔ دل کی مستی اور حلال مستی اور اللہ کی عطا فرمودہ مستی وہ مستی جس سے اللہ خوش ہے، یہ مستی اللہ کے راستے کا غم اُٹھانے سے نصیب ہوتی ہے، نظر بچانے کا غم اُٹھانے سے ملتی ہے، حسینوں سے دور رہنے کے غم پر ملتی ہے۔ اسی پر میرا شعر ہے جس کو سن کر ایک بڑے عالم نے فرمایا کہ آپ کا یہ شعر نہایت حسین ہے۔ وہ کیا شعر ہے؎

میرے ایامِ غم بھی عید رہے
ان سے کچھ فاصلے مفید رہے

اللہ کے خوف سے حسینوں سے نظر بچائی تو دل میں غم آیا اور غم کے ساتھ ہی فوراً دل میں حلاوتِ ایمانی عطا ہوئی۔ حدیثِ پاک کے الفاظ ہیں مَنْ تَرَکَھَا مَخَافَتِیْ اَبْدَلْتُہٗ اِیْمَانًا یَّجِدُ حَلَاوَتَہٗ فِیْ قَلْبِہٖ[2] یہی حلوۂ ایمانی ہے جس سے اللہ کے عاشقوں کی ہر وقت عید ہے، عام لوگوں کو تو سال میں ایک عید ملتی ہے اور عید کے دنوں میں حلوہ ملتا ہے لیکن خدائے تعالیٰ کے عاشقوں کو اور ان کے غلاموں کو بے پردگی اور عریانی کے اس دور میں ہر وقت نظر بچانی پڑتی ہے اس لیے ان کو ہر وقت حلوۂ ایمانی نصیب ہوتا ہے اس لیے ان کی ہر وقت عید ہے۔ اگر دن میں سو بار نظر بچائی تو سو دفعہ اس کی عید

---

[2] کنزالعمال: ۳۲۸/۵، (۱۳۰۶۸)، الفرع فی مقدمات الزنا والخلوۃ بالاجنبیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ/
المستدرك للحاكم: ۳۴۹/۴ (۷۸۷۵)

ہو گئی کیوں کہ سو دفعہ حلوۂ ایمانی نصیب ہوا جس کی لذّت قلب محسوس کرتا ہے۔ دنیا میں ایسی عید سوائے عاشقانِ خُدا کے کسی کو نصیب نہیں۔ اس لیے خصوصاً غیر ملکی عُلماء سے کہتا ہوں کہ لندن ایئرپورٹ ہو نیویارک ایئرپورٹ ہو یا جرمن ایئرپورٹ ہو نظر بچانے کے غم سے پریشان نہ ہوا کریں۔ یہ سوچیں کہ یہ حلوۂ ایمانی کا تکوینی انتظام ہے۔ آج حلاوتِ ایمانی کی یہ دولت ایئرپورٹوں پر، سڑکوں پر، بازاروں میں تقسیم ہورہی ہے کہ نظر بچاؤ اور حلوۂ ایمانی سے مست ہو جاؤ، اس غم کو سر آنکھوں پر رکھو۔ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نظر کو بچانے سے نفس کو تو غم ہوتا ہے مگر روح میں اتنا ہی نور اسی وقت پیدا ہو جاتا ہے، جتنا آپ کے دل میں غم آیا اتنا ہی نور آپ کے دل میں داخل ہو گا مثلاً اگر نفس میں ایک کلو غم آیا تو فوراً ایک ہی کلو نور روح کے اندر پیدا ہو جائے گا۔ یہی حلاوتِ ایمانی ہے جس کے مزے کو میں نے اس مصرع میں بیان کیا کہ ؎

مرے ایّامِ غم بھی عید رہے

اور دوسرے مصرع میں حسینوں سے بچنے کا فائدہ بیان ہوا ہے ؎

اُن سے کچھ فاصلے مفید رہے

حسینوں سے فاصلے مفید رہے کہ اس کی بدولت حلاوتِ ایمانی نصیب ہوئی۔ دیکھیے ٹرک پر بھی لکھوا دیتے ہیں کہ فاصلہ رکھیے تاکہ ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے اور پیٹرول پمپ والے بھی لکھ کر لگاتے ہیں کہ (No Smoking Please) عرب والے لکھتے ہیں **مَمْنُوْعُ التَّدْخِیْن** اور اردو والے لکھتے ہیں یہاں سگریٹ پینا منع ہے تاکہ ان کے پیٹرول پمپ میں آگ نہ لگ جائے تو کیا ایمان والوں کو اس کی ضرورت نہیں ہو گی کہ حُسن کے شعلوں سے دوری رہے تاکہ ایمان کے پیٹرول پمپ میں آگ نہ لگ جائے۔ کیا اس دنیوی پیٹرول کی قیمت ایمان سے زیادہ ہے؟ یہ حُسن ایمان میں ایسی آگ لگا دیتا ہے جیسے چنگاری پیٹرول میں لہٰذا ان آگ جیسے گالوں کو مت دیکھو۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

دیکھ ان آتشیں رُخوں کو نہ دیکھ
ان کی جانب نہ آنکھ اٹھا زنہار

دور ہی سے یہ کہہ الٰہی خیر
وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ

نامحرم عورتوں یا حسین لڑکوں کے لال لال گال جہنم کی آگ ہیں یا اللہ! ہمیں جہنم کی آگ سے بچا کیوں کہ ان کے گال بھی لال ہیں اور دوزخ کی آگ بھی لال ہے لہٰذا یہ لال گال لال آگ تک پہنچانے والے ہیں۔ اس لیے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کو نہ دیکھو اور پناہ مانگو۔ جو لوگ نظر کی حفاظت نہیں کرتے ساری عمر کے حج اور عمرے، تبلیغ کے اور خانقاہوں کے چلّے، ذکر و اذکار اور تلاوت اور رات بھر تہجد کے سجدے سب ضایع ہو جاتے ہیں کیوں کہ عبادت کے نور کو گُناہوں کی ظلمت کھا جاتی ہے۔ عام لوگ کہتے ہیں کہ بھئی! ہم نے نہ لیا نہ دیا صرف دیکھ لیا اور آپ اتنا شور مچا رہے ہیں۔ ارے بھئی! ہم شور نہیں مچاتے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ[۳]

اے ایمان والو! نظر کو نیچی کر لو اگر بد نظری میں نقصان نہ ہوتا تو بھلا اللہ پاک منع فرماتے؟ کیا کوئی ابّا مفید چیز سے اپنے بچوں کو منع کرے گا؟ اللہ پاک تو ارحم الراحمین ہیں۔ بھلا ارحم الراحمین ہم کو مفید چیزوں سے منع کرے گا؟ اگر اس میں ضرر نہ ہوتا تو اللہ پاک منع نہ فرماتے۔ ان کا منع فرمانا دلیل ہے کہ اس میں ضرر ہی ضرر ہے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃٌ للعالمین ہیں، اگر بد نظری مفید ہوتی تو آپ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ زِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ[۴] بد نظری آنکھوں کا زنا ہے۔

حکیمُ الامّت فرماتے ہیں کہ بد نظری کے بعد حلاوتِ ایمانی سلب ہو جاتی ہے اور عبادت کا مزہ بھی نہیں آتا۔ تلاوت کرے گا مگر اس کی تلاوت بے کیف ہوگی کیوں کہ دماغ میں وہی صورت ہوگی، سجدہ کرے گا مگر اس کا سر خُدا کے حضور میں نہیں

---

[۳] النور: ۳۰

[۴] صحیح البخاری: ۲/۹۲۲، ۹۲۳ (۶۲۷۵)، باب زنا الجوارح دون الفرج، المکتبۃ المظہریۃ

ہوگا۔ ایک بد نظری کرنے والے نے بتایا کہ میں نے ڈش انٹینا دیکھ لیا، ننگی فلم تھی اور دیکھنے والا سیّد زادہ تھا اس نے کہا کہ چھ ماہ ہوگئے لیکن جب سجدہ کرتا ہوں تو اسی ننگی عورت کی شرم گاہ پر میرا سر ہوتا ہے۔ سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی زبان سے کہتا ہوں مگر سر وہیں ہوتا ہے، کیوں کہ دماغ سے کسی وقت اس کا دھیان نہیں نکلتا۔ بتائیے: بد نظری کراکے شیطان نے سجدہ کہاں کرادیا، جو سر خُدا کے حضور سے مشرف ہوتا اس کو کتنی گندی جگہ پر ذلیل کردیا۔ پس اب خود فیصلہ کرلیجیے کہ اللہ کے راستے میں ذرا سا غم اُٹھا کر وہ کیف وہ مستی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو عطا فرماتا ہے جس کے بعد غم کے قید خانے کی صعوبتیں بھی لذیذ ہوجاتی ہیں یا خُدا کے قہر و عذاب کی یہ لعنتی مستی بہتر ہے جس کے بعد تڑپنا، بے چین رہنا اور اللہ کے عذاب میں گرفتار رہنا نصیب ہوتا ہے اور دل بھی ایسے شخص کا لعنتی ہوجاتا ہے۔ جب آنکھ لعنتی کام کرے گی تو دل کہاں سے جنتی ہوگا۔ عمل کرکے تو دیکھو یہ راستہ خالی علوم کا نہیں ہے، یہ خالی معلومات کا راستہ نہیں ہے عمل کرکے دیکھو۔ لاکھ ہم تعریف کریں کہ مُرغی کی یخنی پیو، بہت طاقتور ہے اور کوئی مُرغی کے سوپ یعنی یخنی کا طریقہ بتارہا ہے اور سب لوگ لکھ رہے ہیں مگر فائدہ کسی کو نہیں ہوگا جو پیے گا اسی کو فائدہ ہوگا۔ ملفوظات نوٹ کرنے سے کام نہیں بنتا۔ اللہ کے نام کا غم اُٹھا کر دیکھو کہ کیا ملتا ہے؟ اللہ کے دوستوں کے غم اور مُجاہدے کی تعریفیں کرتے رہو اور خود غم نہ اُٹھاؤ، جب موقع آئے لومڑی بن جاؤ اور پاگل کی طرح دیکھنے لگو، اس وقت معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ شخص کبھی اللہ اللہ بھی کررہا تھا، کبھی یہ شخص اہل اللہ کی صحبت میں رہا تھا لہٰذا ان مرنے والی لاشوں کے ڈسٹمپر کی خاطر خلافِ پیغمبر کام مت کرو، کمینہ پن کی کوئی حد ہوتی ہے، جن کے بال سفید ہوگئے ہیں ان کو تو زیادہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ آئینہ میں اپنی داڑھی دیکھو اور اپنے نفس سے کہو کہ اے کمینے نفس! تو گُناہ کرتے کرتے بڈھا ہوگیا، بتا کیا تیرے پاس حرام مزے کا کوئی اسٹاک ہے، کیا حرام مزے کا کوئی ذرّہ باقی ہے۔ حرام کا مزہ حلال کا سکون بھی چھین لیتا ہے لہٰذا بہت بڑا نسخہ بتارہا ہوں جلد ولی اللہ بننے کا کہ فرض، واجب اور سُنّتِ مؤکدہ ادا کرلو اور نظر بچا کر گناہوں سے بچ کر دل کا خون کرلو۔ یہ بہت مختصر راستہ ہے اللہ کا دوست بننے کا۔ اسی کو ایک شاعر کہتا ہے ؎

آؤ دیارِ دار سے ہو کر گزر چلیں
سنتے ہیں اُس طرف سے مسافت رہے گی کم

یعنی اپنے نفس کی خواہشات کو دار پر چڑھادو آپ بہت جلد اللہ کو پاجائیں گے۔ اور آپ کے قلب کی خوشی کے عالم کا وہ عالم ہوگا کہ سارا عالم آپ کے قلب کے اس عالم کو جان بھی نہیں سکتا۔ ایک لاکھ حج وعُمرہ کا ثواب سر آنکھوں پر لیکن ایک نظر بچانے کی لذّتِ قُرب کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ آج کے زمانے میں جو نظر بچالے وہ ولی اللہ ہوجائے گا، بس فرض، واجب، سُنتِ مؤکدہ نہ چھوڑے کیوں کہ فرض، واجب اور سُنّتِ مؤکدہ ہمارے ایمان واسلام کا اسٹرکچر ہے، جب اسٹرکچر ہی نہیں رہے گا تو فنشنگ کہاں کروگے؟ حفاظتِ نظر کی فنشنگ سے آپ کا ایمان چمک جائے گا۔ اس غم سے آپ غرق فی النّور ہوجائیں گے اور دل میں اللہ کی محبت کا اتنا درد پیدا ہوگا اور آپ کے جلے بُھنے دل سے ایسی خوشبو آئے گی کہ آپ کے ذریعہ سے لاکھوں انسان ولی اللہ بن جائیں گے۔ لہٰذا یاد رکھو جب کوئی حسین سامنے آجائے تو اس کے بڑھاپے کا خیال کرکے آنکھ بند کرکے سوچو کہ اس کی عمر نوّے سال کی ہوگئی اور اس معشوق یا معشوقہ کی کمر جھکی ہوئی، آنکھوں پر بارہ نمبر کا چشمہ لگا ہوا، عورت ہے تو سمجھ لو کہ اس کے پستان ایک ایک فٹ نیچے لٹکے ہوئے ہیں، منہ کے دانت بھی سب باہر آچکے ہیں، پائریا الگ ہے، سارے بال سفید ہوگئے ہیں، چوٹیاں جھڑ گئیں بس تھوڑے سے بال رہ گئے مثل بڈھے گدھے کی دُم کے۔ یہ مراقبہ ہے، یہ قوتِ متخیلہ اللہ نے ہمیں کیوں دی ہے؟ تاکہ میرے بندے میری فرماں برداری میں اس کو استعمال کریں۔ یہ تھوڑی کہ عورتوں کے خیال سے معشوقوں کے خیال سے قوتِ متخیلہ کو پلید کیا جارہا ہے۔ بس جس کی جوانی آپ کو فتنے میں ڈال دے فوراً اس کا بڑھاپا سوچو لیکن نظر بچاکر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیکھتے ہوئے سوچنے سے آپ کی سوچ کا سوئچ ہی خراب ہوجائے اور ایسی ظلمت چھاجائے کہ دنیائے عشقِ مجازی کے آخری اسٹیشن کی گندگیاں نظر ہی نہ آئیں اور مقدس داڑھیوں اور گول ٹوپیوں کے ساتھ ان گندے مقامات میں گر کر ذلّت وخواری کی انتہا کو پہنچ جائیں۔ نظر

ابلیس کا تیر ہے زہر میں بجھا ہوا۔ لاکھ حج و عمرہ کیا لیکن کسی عورت پر نظر ڈال دی تو وہیں ثواب کا سارا اسٹاک ختم کر دیا۔ اس لیے نفلی حج و عمرہ سے زیادہ تقویٰ سیکھو۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی کی بنیاد تقویٰ پر ہے، نفلی حج و عمرہ پر نہیں ہے۔ اور تقویٰ اللہ والوں کی غلامی سے ملتا ہے، تھوڑا کماؤ مگر حفاظت کرو کہ ڈاکو نہ لے جائے تو ایسا شخص مال دار ہے اور ایک شخص نے کمایا بہت لیکن اپنے مال کی حفاظت نہیں کی اور ڈاکو لے گئے تو وہ قلاش اور مسکین اور مستحقِ زکوٰۃ ہے۔ بس فرض، واجب اور سُنّتِ مؤکدہ کوئی ادا کرلے چاہے کوئی نفل یا کوئی وظیفہ نہ پڑھے لیکن ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرے تو یہ ولی اللہ ہے۔ اتنا آسان راستہ اللہ کا ولی بننے کا اور کہاں پاؤ گے۔ بولو بھئی کام نہ کرو، حرام کام مت کرو جس کام سے اللہ ناخوش ہے وہ کام نہ کرو، اللہ کی ناخوشی کو اپنے اوپر حلال مت کرو، حرام لذتوں سے مانوس نہ رہو، اللہ کے نام پر اس طرح فدا ہو جاؤ کہ حرام خوشیاں، حرام لذتیں آپ کو راس نہ آئیں، مالک پر ہر وقت نظر رکھو، خدا کو بھول جانا یہ دلیل ہے کہ یہ شخص مٹی میں پھنسا ہوا ہے، مٹی کی چیزوں سے مست ہے۔ بس مٹی کے کھلونوں کا غم نہ کھاؤ، اللہ تعالیٰ کے غم کو سر آنکھوں پر رکھ لو، اس غم سے راہِ فرار مت اختیار کرو کہ یہی لومڑی پن ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وَلَا يَرُوْغُ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ[۱] مردانِ خُدا اللہ کے راستے سے لومڑیوں کی طرح فرار اختیار نہیں کرتے۔ اللہ کے راستے کے غم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ یہ غم قسمت والوں کو اللہ دیتا ہے، یہ غم خوش نصیبوں کو ملتا ہے، اپنے دوستوں کو اللہ یہ غم دیتا ہے اور نافرمانی کے حرام مزے دشمنوں کو ملتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی بڑے مزے میں ہیں، ان کو اللہ اتنی دنیا دے رہا ہے اور مولوی بے چارے مسجدوں کی چٹائیاں توڑ رہے ہیں، تہجّد پڑھ رہے ہیں، اللہ کو یاد کر رہے ہیں، نظر بچانے کا غم اُٹھا رہے ہیں، حسینوں کی دعوتِ گُناہ کو ٹھکرا کر خونِ حسرت پی رہے ہیں، میں کہتا ہوں کہ جو لوگ اللہ کو خوش کر رہے ہیں اور حرام خوشیوں سے اپنے کو بچا کر غم اُٹھا رہے ہیں اللہ نے ان

---

[۱] روح المعانی: ۱۲۰/۲۴، سورۃ فصّلت (۳۰)، دار احیاء التراث، بیروت

کے دل کو خوش کیا ہوا ہے کیوں کہ وہ مالک ارحم الراحمین ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی بندہ اللہ کو خوش کرے اور اللہ اس کو خوش نہ کرے، ناممکن ہے کہ کوئی بیٹا ابا کو خوش کرے اور ابا اس کو خوش نہ رکھے، جب مخلوق کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان کیا ہو گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھ کے دیکھ لو۔ اگر بے چین دل لے کر جاؤ گے تو چین و سکون لے کر اُٹھو گے۔ جب فریج میں یہ شان ہو سکتی ہے کہ اس میں گرم بوتل رکھ دو تو ٹھنڈا کر دیتا ہے تو اللہ والوں کے قلب میں یہ اثر نہ ہو گا کہ بے چین دل ان کے پاس آکر سکون پا جائیں؟ اس کے برعکس جن ظالموں نے نافرمانی کی اور حرام خوشیوں سے اپنے نفس کو خوش کیا ہوا ہے، حسینوں پر بدنظری کر کے اپنے دل میں حرام مزوں کا اسٹاک کیا ہوا ہے ان کے دل کی بے چینی کا مشاہدہ ان کے پاس بیٹھ کر کر لو کہ اگر تم بھی بے چین نہ ہو جاؤ تو کہنا۔ اس پر میرا قطعہ سُنو جس میں اس اشکال کا جواب ہے اور جو مولانا رومی کے مذکورہ شعر کی بہترین شرح بھی ہے۔

دُشمنوں کو عیش آب و گِل دیا
دوستوں کو اپنا دردِ دل دیا

دُشمنوں کو آب و گِل یعنی پانی اور مٹی کے کباب اور مٹی کی بریانی اور مٹی کی عورتیں اور عیاشیاں دے دیں کہ جتنی کر سکتے ہو کر لو لیکن دوستوں کو اپنا دردِ محبت عطا فرمایا۔ دُشمنوں کو آب و گِل اور دوستوں کو دردِ دل عطا فرمایا لیکن دونوں میں فرق کیا ہے؟

اُن کو ساحل پر بھی طغیانی ملی
ہم کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

وہ ایئرکنڈیشنوں میں خودکشی کر رہے ہیں اور اولیاء اللہ غموں کے طوفان میں ساحل کا سکون رکھتے ہیں، کیوں کہ ان کے قلب کو سکینہ حاصل ہے اس لیے کسی ولی اللہ نے کبھی خودکشی نہیں کی۔ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ کسی ولی نے خودکشی کی ہو۔ ولی اللہ تو درکنار ان کے غلاموں نے بھی کبھی خودکشی نہیں کی۔

بس آخر میں اپنے نفس سے بھی اور آپ سب سے بھی کہتا ہوں کہ حدیث

شریف میں مؤمن کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔ جب حسینوں سے، بد نظری سے، نافرمانی سے بے چینی ہی پائی ہے تو اس بے چینی پیدا کرنے والے سوراخ میں دوبارہ انگلی مت ڈالو۔ یہ حسین سب مٹی ہیں، مٹی کے نقش و نگار ہیں، مٹی کے رنگ و روغن ہیں، مٹیوں کو بہت دیکھ چکے اب خالقِ ارض و سماء سے دل لگا کر دیکھو، ان کے راستے کا غم اُٹھا کر دیکھو اگر دونوں جہان کی لذتوں سے بڑھ کر مزہ دل میں نہ پاؤ تو کہنا کہ اختؔر کیا کہہ رہا تھا۔ وہ کریم مالک ہے جو ایک پھول کے بدلے میں گلستان دیتا ہے۔ اپنی خوشیوں کا ایک پھول ان پر فدا کر دو تو اپنے قُرب کا گلستان برسا دے گا، لہٰذا اللہ کی دولتِ قُرب کو لوٹ لو اور دیر مت کرو ورنہ ایک دن عمل کا زمانہ ختم ہو جائے گا۔ جب آنکھ بند ہوئی اور قلب کی حرکت فیل ہوئی اس دن کچھ نہ کر سکو گے۔ اگر اب نہیں تو پھر کب وقت آئے گا ان پر فدا ہونے کا، کیا کوئی یقین دہانی اور گارنٹی ہے کہ کب تک جیو گے۔

نہ جانے بُلالے پیا کس گھڑی
تو رہ جائے تکتی کھڑی کی کھڑی

ہمچو فرخے میلِ اُو سوئے سُما
منتظر بنہادہ دیدہ بر ہوا

ارشاد فرمایا کہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک پرندے کا بچہ آج ہی پیدا ہوا ہے، پر بھی ابھی نہیں آئے، صرف بازو ہیں ابھی اُڑ نہیں سکتا مگر اس کی نظر آسمان کی طرف رہتی ہے کیوں کہ مستقبل میں اس کی قسمت میں اُڑنا ہے اس لیے وہ آسمان کی طرف دیکھتا رہتا ہے اور جتنے جانور ہیں سب نیچے دیکھتے ہیں۔ گائے، بیل وغیرہ جب پیدا ہوتے ہیں تو زمین کی طرف دیکھتے ہیں اور جب بُڈھے ہو جاتے ہیں تب بھی زمین ہی کی طرف دیکھتے ہیں کیوں کہ ان کی قسمت میں پرواز نہیں ہے تو جانور مت بنو کہ ہر وقت مٹی کی چیزوں کو ڈھونڈ رہے ہو، ہر وقت حسینوں کو تلاش کر رہے ہو، مٹی کے اجسام پر فدا ہو رہے ہو، زمین کی چیزوں سے مست رہنا اور خدا کو

بھول جانا دلیل ہے کہ یہ شخص مٹی میں پھنسا ہوا ہے۔

جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز مقدر ہے وہ زمین پر رہتے ہوئے زمین پر نہیں رہتے، ان کی نگاہیں مثل پرندے کے آسمان کی طرف لگی رہتی ہیں، ہر وقت منتظر ہیں کہ کب موقع ملے اور کب میں اللہ کی طرف اُڑ جاؤں۔ مرتبۂ جسم میں وہ زمین پر نظر آتے ہیں مرتبۂ روح میں وہ ہر وقت عرشِ اعظم پر ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں؂

ظِلّ او اندر زمیں چوں کوہِ قاف
روحِ او سیمرغ بس عالی طواف

اللہ والوں کا جسم مثل پہاڑ کے زمین پر نظر آتا ہے لیکن ان کی روح ہر وقت عرشِ اعظم کا طواف کرتی ہے، ہر وقت قُربِ خاص سے مشرف رہتی ہے، کسی وقت وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے؂

خامش اند و نعرۂ تکرارِ شاں
می رود تا یار و تختِ یارِ شاں

وہ خاموش بیٹھے ہیں لیکن ان کے باطن کے نعرہائے عشق عرشِ اعظم اور مالکِ عرشِ اعظم تک پہنچ رہے ہیں۔ اسی حقیقت پر میرا شعر ہے؂

زمیں پر ہیں مگر کیا رابطہ ہے عرشِ اعظم سے
نہیں آتے نظر لیکن پرِ پرواز آہوں کے

وہ سب کے ساتھ رہ کر بھی خُدا کے ساتھ رہتے ہیں
مگر کچھ اہلِ دل ہی آشنا ہیں ایسے رازوں کے

اس کے برعکس جو لوگ مثلِ جانور کے ہیں وہ اللہ کو فراموش کرکے زمین کی چیزوں سے اور مٹی کے جسموں کی حرام لذتوں اور حرام خوشیوں سے مست ہیں۔ مُردہ لاشوں کی بدبو سے مست ہونے والے کیا جانیں کہ زندہ حقیقی کے نام پاک میں کیا خوشبو، کیا لذّت

اور کیا نشہ ہے جس سے اہل اللہ کی جانیں جو شہبازِ معنوی ہیں ہر لمحہ ایسی مست ہیں کہ ان کی مستی و کیف و خوشی بیان کرنے سے سارے جہاں کی زبانیں قاصر ہیں۔

وہ کرگس جو کسی مردہ پہ ہوتا ہے فدا اخترؔ
وہ کیا جانے کہ کیا رُتبے ہیں اُن کے شاہبازوں کے
جدھر دیکھو فدا ہے عشقِ فانی حُسنِ فانی پر
فدا اللہ پر ہیں قلب و جاں اللہ والوں کے

لہٰذا اللہ کی طرف اُڑنے کی کوشش کرو جس کے پاس جانا ہے اور ایک دن جس کو منہ دکھانا ہے، بس ایک لمحہ ان کو ناراض نہ کرو، کبھی خطا ہو جائے تو رو رو کر مُعافی مانگ لو۔ اللہ کی طرف ایک دم اُڑنے کا یعنی ولی اللہ بننے کا اس سے آسان نسخہ کوئی اور نہیں۔ خانقاہ اسی کا نام ہے۔

یہ وہ چمن ہے جہاں طائرانِ بے پَر و بال
بسوئے عرش بیک دم اُڑائے جاتے ہیں

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مستِ آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ارشاد فرمایا کہ قلّاش کہتے ہیں تہی دست، غریب اور مسکین کو۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ میں اگرچہ قلاش و مسکین و تہی دست ہوں لیکن اس ساقیٔ الست کی شرابِ محبّت سے مست ہوں اور اس کے پیمانۂ محبت پر فدا ہوں جس نے عالمِ ازل میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر اپنی محبّت کی چوٹ دلوں پر لگا دی تھی اور اپنی شرابِ محبّت ارواح کو پلا دی تھی۔ یہ وہی چوٹ لگی ہوئی ہے اور اسی شرابِ محبت کی مستی ہے کہ بغیر دیکھے ہوئے بندے اللہ پر فدا ہو رہے ہیں۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ اُبھر آئی ہے

اور میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے۔

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ ذوقِ شراب ہے
لبِ یار چوسے تھے خواب میں وہی ذوقِ مستیِ خواب ہے

یعنی بوقتِ آفرینش اللہ تعالیٰ نے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ فرما کر ہماری ارواح کو اپنی شانِ ربوبیت کی تجلّی دکھادی اور ہمارے خمیر میں اپنی محبّت کی تخم ریزی فرمادی یعنی ہمارے مضغۂ دل پر اپنی محبّت کی چوٹ لگا کر پھر اس دنیا میں بھیجا کہ جاتو رہے ہو لیکن ہمارے بن کر رہنا۔

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جاسکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

یہ اسی چوٹ کا اثر ہے جو آج ہم ان کی محبت میں مست ہیں۔ اللہ کے نام میں جو شیرینی وکیف و مستی ہے دونوں جہاں کی لذتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ جن کو یہ حلاوتِ ذکر نصیب ہوگئی ان سے پوچھو کہ ان کے نام میں کیسا مزہ ہے۔ اللہ کی محبت میں اگر مزہ نہ ہوتا تو انبیاء علیہمُ السّلام کے سر نہ کٹتے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے کہ ثُمَّ اُقۡتَلُ ثُمَّ اُحۡیٰی ثُمَّ اُقۡتَلُ ثُمَّ اُحۡیٰی ثُمَّ اُقۡتَلُ[۷۶] اے اللہ! میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اتنے پیارے ہیں کہ جب ان کا عشقِ خونیں چلّہ اپنی کمان پر چڑھاتا ہے تو ہزاروں سر ایک پیسے کے عوض فروخت ہو جاتے ہیں۔

صد ہزاراں سر بہ پولے آں زماں
عشقِ خونیں چوں کند زہ بر کماں

جہاں وہ پاؤں رکھتا ہے وہاں پر سر برستے ہیں

لیکن اہلِ دنیا اللہ کے نام کی لذّت کو اور ان کی محبت کے مزے کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ان کے دیوانے جو بظاہر مُفلس و قلاش نظر آتے ہیں اپنے سینوں میں ایسی دولت

---

[۷۶] صحیح البخاری: ۱/۳۹۲ (۲۸۱۱)، باب تمنی الشھادۃ، المکتبۃ المظھریۃ

لیے ہوئے ہیں کہ ان کی لذّتِ قُرب اہلِ ظاہر کی عقلِ نارسا و فہم و ادراک سے بالاتر ہے بلکہ ہر عاشق کی نسبت مع اللہ کا رنگ الگ ہے، ہر عاشق کی آہ الگ ہے، ہر ولی کو ایک شانِ تفرّد حاصل ہے لہٰذا ایک ولی بھی دوسرے ولی کی باطنی لذّت اور اس کے قُرب کی تفصیلاتِ کیف سے بے خبر ہوتا ہے۔ اجمالاً ایک دوسرے کے صاحبِ نسبت ہونے کا تو علم ہوتا ہے لیکن اس کے باطن کو کیا لذّتِ قُرب حاصل ہے وہ ایک دوسرے پر مخفی ہوتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبت کی لذّت ہر ایک کو الگ الگ دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے چُھپا کر دیتے ہیں۔ قرانِ پاک میں ارشاد ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ[۷۷]

نکرہ تحت النفی ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے یعنی کوئی نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہم مخفی طور پر اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی کہ جس طرح ماں اپنے بچے کو دودھ دیتی ہے تو دودھ کی شیشی پر کپڑا لپیٹ دیتی ہے تاکہ اس کے پیارے بچوں کی نظر اس کے پیارے بچے کو نہ لگ جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیاروں کو اپنے قُرب کی لذّت چھپا کر دیتے ہیں تاکہ ان کے پیاروں کی نظر ان کے پیاروں کو نہ لگ جائے، ایک ولی کی نظر دوسرے ولی کو نہ لگ جائے۔ اس لیے ایک ولی کی باطنی کیفیات کی تفصیلات کا علم دوسرے ولی کو بھی نہیں ہوتا۔ عبد و معبود کے درمیان یہ اتصال و ربطِ خفی ایک سربستہ راز ہوتا ہے جو دوسرے بندے پر پوشیدہ ہوتا ہے جس کو خواجہ صاحب نے یوں تعبیر فرمایا ہے ؎

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

لیکن اہل دنیا کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ وہ تو ہمیں دیوانہ ہی کہیں گے کہ دیکھو ان مولویوں کو اور داڑھی والوں کو کہ اللہ کو دیکھا نہیں اور اللہ پر فدا ہو رہے ہیں۔ اس کا جواب مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں ؎

---

[۷۷] السجدة:١٧

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

جسم جان کی وجہ سے حرکت کرتا ہے مگر تم جان کو نہیں دیکھتے ہو لیکن جسم کی حرکت کو دیکھ کر بغیر دیکھے جان کے وجود کو تسلیم کرتے ہو۔ اگر بغیر دیکھے کسی چیز کا تسلیم کرنا خلافِ عقل ہے تو دیکھے بغیر جان کے وجود کو بھی تسلیم نہ کرو۔ اسکول کے ایک دہریہ استاد نے ایک بچے سے کہا کہ جس چیز کو ہم دیکھتے ہیں اس کو تسلیم کرتے ہیں، بغیر دیکھے کسی چیز کے وجود کو ماننا حماقت ہے لہٰذا جو لوگ بغیر دیکھے اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، احمق ہیں۔ وہ بچہ کسی اللہ والے کا تھا۔ اس نے کہا ماسٹر جی! آپ یہ کیا بات کر رہے ہیں۔ اگر آپ کی بات کو میں صحیح مان لوں تو مجھے آپ کو بے عقل کہنا پڑے گا کیوں کہ آپ کی عقل تو مجھے نظر نہیں آتی۔ ماسٹر جی اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔

ایک شخص نے حکیم الامّت سے کہا کہ ہم اللہ سے کیسے محبت کریں کیوں کہ اللہ تو نظر نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کو اپنی جان سے محبت ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ڈاکو تمہاری جان نکالنے آجائے تو اس سے لڑو گے یا آسانی سے کہہ دو گے کہ یہ جان حاضر ہے لے جا؟ کہا کہ نہیں صاحب! جان بچانے کے لیے جان لڑا دوں گا۔ فرمایا کہ جان کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ کہا کبھی نہیں دیکھا۔ فرمایا! جیسے بغیر دیکھے جان سے محبت کرتے ہو تو بغیر دیکھے اللہ سے محبت کیوں نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں روح عطا فرما کر ایمان بالغیب کی ایک دلیل خود ہمارے اندر رکھ دی کہ جس طرح اپنی جان پر ایمان بالغیب لاتے ہو اور بغیر دیکھے اپنی جان کو تسلیم کرتے ہو اور اس سے اتنی محبت کرتے ہو کہ جان کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہو، اسی طرح بغیر دیکھے اللہ پر ایمان لانا اور اللہ سے محبت کرنا کیا مشکل ہے۔ ہمارے اندر یہ دلیل رکھ کر اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کا پرچہ آسان کر دیا اور گنجایشِ انکار باقی نہ رکھی۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عُمر بھر رد ہو نہیں سکتی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کے لیے دنیا میں اور بھی بہت سے نظائر، مثالیں اور نمونے پیدا فرمادیے جن کے مخفی وجود کو تم بغیر دیکھے ہوئے محض ان کے آثار ونشانات وعلامات سے تسلیم کرتے ہو اور اس طرح تسلیم کرتے ہو کہ اس کے انکار کو خلافِ عقل اور حماقت سمجھتے ہو۔ اب مولانا کے بعض نظائر اور دلائل ایمان بالغیب کے متعلق سُنیے۔ فرماتے ہیں ؂

خاک را بینی بہ بالا اے علیل
باد را نے جز بہ تعریف و دلیل

خاک کو فضا میں اُڑتا ہوا دیکھ کر تم آنکھوں سے دیکھے بغیر ہوا کے وجود کو تسلیم کرتے ہو اور اس کے وجود پر عقلی دلیل قائم کرتے ہو کہ خاک اپنے مرکز اور مستقر یعنی کرۂ ارض سے فضا میں بغیر ہوا کے نہیں اُڑ سکتی، خاک کا فضا میں اُڑنا ہوا کے وجود پر دلالت کرتا ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ مجھے ہوا دکھاؤ تو تم اس پر قادر نہیں ہوسکتے بلکہ معترض سے کہو گے کہ عقل کے ناخن لو، آثار و علامات ہوا کے موجود ہونے کا ثبوت ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس کی عقلی دلیل کے لیے تم میرا یہ شعر پیش کروگے ؂

پس یقیں در عقلِ ہر دانندہ است
ایں کہ باجنبیدہ جنبانندہ است

مولانا فرماتے ہیں کہ ہر عقل رکھنے والا اس بات کو جانتا ہے کہ ہر متحرک کا کوئی محرک ہے یعنی ہر حرکت کرنے والی چیز کا کوئی محرک ہے جو پسِ پردہ اس کو حرکت دے رہا ہے کیوں کہ کوئی شیٔ خود بخود حرکت نہیں کرسکتی لہٰذا جہاں کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئے یہ دلیل ہے کوئی اس کو حرکت دینے والا ہے۔ پس جس طرح خاک کو فضا میں متحرک دیکھ کر بغیر دیکھے یقین کرتے ہو کہ اس کو حرکت دینے والی چیز ہوا ہے۔ اسی

طرح روح جو محرک ہے اجسام کی اس کا جسم میں موجود ہونا اور خارج میں زمین و آسمان، شمس و قمر، سیارات و نجوم، سمندر اور دریا، انقلاباتِ موسم، لاکھوں ٹن پانی لے کر شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً چلنے والی ہوائیں غرض پوری گردشِ کائنات دلیل ہے کہ اس متحرک کا محرک حق تعالیٰ شانہ‘ کی ذات ہے جن کے وجود پر بغیر دیکھے ایمان لانا عقلاً ثابت ہو گیا۔

اس کے بعد مولانا ایمان بالغیب کے ثبوت کے لیے ایک اور استدلال پیش کرتے ہیں کہ۔

تیر پیدا بیں و ناپیدا کماں
جان ہا پیدا و پنہاں جانِ جاں

اسی طرح اُڑتا ہوا تیر دیکھتے ہو اور کمان نظر نہیں آتی لیکن بغیر دیکھے کمان کے وجود کو تسلیم کر لیتے ہو کیوں کہ عقل فیصلہ کرتی ہے کہ تیر کمان ہی سے اُڑتا ہے، بغیر کمان کے خود نہیں اُڑ سکتا۔ اسی طرح جسم کی حرکت سے جان کا وجود تو ظاہر ہے کیوں کہ جان ہی جسم کی محرک ہے۔ اگر روح نہ ہو تو جسم حرکت نہیں کر سکتا لیکن جان کے اندر ایک جانِ جاناں پنہاں ہے جس کی برکت سے جان میں حیات ہے لٰہذا روح کا وجود روح الارواح کے مخفی وجود پر دلالت کرتا ہے چناں چہ جب اس خالق الارواح کا حکم ہو جاتا ہے تو روح جسم سے نکل جاتی ہے اور جسم بے جان ہو جاتا ہے۔

مولانا رومی ایمان بالغیب کی ایک اور نظیر پیش کرتے ہیں کہ۔

بُوئے گل دیدی کہ آنجا گُل نبود
جوش مل دیدی کہ آنجا مُل نبود

اے لوگو! کیا تم نے پھول کی خوشبو کہیں ایسی جگہ سونگھی کہ جہاں پھول ہی موجود نہ ہو اور جوشِ شراب کہیں دیکھا جہاں شراب ہی موجود نہ ہو۔ پس تم پھول کی خوشبو سے پھول کے وجود پر بغیر دیکھے دلیل قائم کرتے ہو اور کسی کو جوشِ شراب اور نشے میں دیکھ کر بغیر دیکھے شراب کے وجود پر یقین کر لیتے ہو۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ان مثالوں کے علاوہ دنیا میں اور بھی سینکڑوں نظائر موجود ہیں جہاں بغیر دیکھے محض آثار و علامات سے تم ان کا وجود تسلیم کرتے ہو مثلاً کہتے ہو کہ خدا کی قسم! آج میرے دل میں بڑی خوشی ہے اور کبھی کہتے ہو کہ خُدا کی قسم! آج مجھے بڑا غصہ آرہا ہے، کبھی کہتے ہو کہ خُدا کی قسم! آج میرے دل میں بہت غم ہے اور کبھی کہتے ہو کہ فلاں شخص پر آج مجھے بہت رحم آرہا ہے۔ قسمیں اُٹھا رہے ہو لیکن بتاؤ کہ کیا کسی نے کبھی خوشی دیکھی ہے کہ یہ ہوتی کیسی ہے، نیلی ہوتی ہے کہ پیلی ہوتی ہے اور غم کیسا ہوتا ہے اور کبھی غصے کو کسی نے دیکھا ہے کہ کس ہیئت اور کس شکل کا ہوتا ہے۔ محض علامات سے آنکھوں کے مشاہدے کے بغیر ان کے وجود پر ایمان لاتے ہو۔ چہرے کے تبسم سے دل کی خوشی اور چہرے کی افسردگی اور اشکبار آنکھوں سے غم کا وجود تسلیم کرتے ہو۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے وجود پر خود تمہارا جسم شاہد ہے اور عالم کا ذرّہ ذرّہ اور پتّہ پتّہ زمین و آسمان، سورج اور چاند، دریا و پہاڑ، نجوم و سیارات، انقلابِ موسم و تصرفِ ریاح یعنی کرۂ ہوا میں غیبی تصرّف کہ ہزاروں میل کی رفتار سے ایک سمت کو چلتی ہوئی ہوا کے رُخ کا آنِ واحد میں دوسری سمت کو ہو جانا اور کروڑوں ٹن پانی کا بادلوں کے کندھوں پر فضا میں معلّق ہونا اور ماہرینِ موسم کے اندازوں کے خلاف بادلوں کا ایسے مقامات پر برسنا جہاں بارش کا احتمال بھی نہیں ہوتا کیا یہ سب نشانیاں حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت نہیں کرتیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں مخفی موجودات پر محض ان کے آثار و علامات سے ایمان بالغیب لانے والو! آہ اللہ پر ایمان لانے میں تمہاری عقل کہاں چلی جاتی ہے جب کہ سارے عالم میں ان کی نشانیاں اس طرح روشن ہیں جیسے آفتاب پر اس کی روشنی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خود نباشد آفتابے را دلیل
جز کہ نورِ آفتابِ مستطیل

آسمان پر چمکتے ہوئے آفتاب کے وجود پر خود اس کی روشنی دلیل ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید ازوے رومتاب

آفتاب کا طلوع خود اس کے وجود کی دلیل ہے اگر کوئی نادان اس کے وجود کا انکار کرتا ہے اور دلیل طلب کرتا ہے تو اس کا چہرہ آفتاب کی طرف کردو اور کہو کہ اب اس سے اپنا منہ کیوں پھیرتا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ہمارے جسم کے اندر اور باہر کائنات میں اپنی اس قدر نشانیاں رکھ دی ہیں جو اظہر من الشّمس ہیں تاکہ کل قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے! یااللہ! آپ پر ایمان بالغیب لانا بہت مشکل تھا۔

یہ ہیں مثنوی کے علوم جن پر ساری دنیا کے عُلماء وجد کرتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا نصیحت فرماتے ہیں۔

گر تو اورا می نہ بینی در نظر
فہم کن اما بہ اظہارِ اثر

اگر اس دنیا میں تم اللہ تعالیٰ کو اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو لیکن ان کی مخلوقات اور نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرسکتے ہو کہ اس کی مصنوعات و آثار و نشانیاں سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کائنات کا ایک ایک ذرّہ، سمندروں کا ایک ایک قطرہ، درختوں کا ایک ایک پتّہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی خبر دیتا ہے۔ اسی لیے ایمان والوں کی شان اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ[۸] بیان فرمائی کہ ہمارے خاص بندے آسمانوں اور زمینوں میں تفکّر کرتے ہیں چوں کہ اس عالمِ ناسوت میں ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے کیوں کہ یہ عالم محدود ہے اور حق تعالیٰ کی ذاتِ غیر محدود ہے اور غیر محدود، محدود میں کیسے آسکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس عالم میں اپنے آپ کو دکھادیں تو سارا عالم فنا ہوجائے کیوں کہ اس عالم کی تخلیق مادّہ سے

---

[۸] اٰل عمرٰن: ۱۹۱

ہوئی ہے اور مادّہ میں مشاہدۂ تجلّیاتِ الٰہیہ کا تحمل نہیں۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

تَفَكَّرُوْا فِیْ خَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَتَفَكَّرُوْا فِی اللّٰهِ فَاِنَّكُمْ لَمْ تَقْدِرُوْا قَدْرَهٗ[9]

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو، اللہ کی ذات میں غور مت کرو کیوں کہ تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے کہ تمہاری عقل محدود اس ذاتِ غیر محدود کے احاطے سے قاصر ہے، فہم محدود میں ذاتِ غیر محدود کا ادراک محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو کیوں کہ تم بھی مخلوق ہو اور یہ عالم بھی مخلوق ہے اور مخلوق کی رسائی مخلوق تک ہوسکتی ہے کہ کائنات کے عجائبات کو دیکھ کر اور ان میں غور کرکے تم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کرانے کے لیے یہ عالم پیدا فرمایا ہے۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالَم علم سے ہے جس کے معنیٰ ہیں نشانی۔ پس سارا عالَم ان کی نشانی ہے۔ اس عالَم کے ذرّہ ذرّہ میں اپنی نشانیاں بکھیر دیں کہ میری نشانیوں میں تم مجھ کو پا جاؤ۔ اسی کو مولانا اصغر گونڈوی فرماتے ہیں ؎

میرے سوالِ وصل پہ پیہم سُکوت ہے
بکھرا دیے ہیں کچھ مہ و انجم جواب میں

یہ عالَم، عالمِ امتحان ہے اس لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمادیں اور ان نشانیوں کے پردے میں خود کو چھپا دیا تاکہ امتحان باقی رہے اور اہلِ عقل اور اہلِ نظر ان نشانیوں کو دیکھ کر ہم پر فدا ہوجائیں۔ مولانا اصغر گونڈوی فرماتے ہیں ؎

ردائے لالہ و گل پردہ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چُھپے ہیں عجیب عالم ہے

یہاں حق تعالیٰ ہم سے ایمان بالغیب چاہتے ہیں۔ مولانا رومی حق تعالیٰ کی طرف سے حکایۃً فرماتے ہیں ؎

---

[9] خطبات الاحکام بحوالۃ الترغیب والترھیب

یؤمنوں بالغیب می باید مرا
تا بہ بستم روزنِ فانی سرا

اے میرے بندو! میں تم سے ایمان بالغیب چاہتا ہوں لہٰذا اس عالمِ فانی میں، میں نے کوئی سوراخ اور دریچہ نہیں رکھا جس سے تم مجھے دیکھ سکو۔

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس عالم میں ایمان بالغیب اور اعمالِ صالحہ سے ہماری آنکھیں بنائی جارہی ہیں اور جب آنکھیں بنائی جاتی ہیں تو آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے، کچھ نظر نہیں آتا، آخرت میں یہ پٹی ہٹادی جائے گی اور آنکھیں کھول دی جائیں گی اور وہاں ان آنکھوں میں اللہ تعالیٰ مشاہدۂ تجلّیاتِ الٰہیہ کی صلاحیت پیدا فرمادیں گے۔ اور حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ حدیثِ احسان میں ہے اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ[80] اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔

تو فرماتے تھے کہ اس دنیا میں كَاَنَّكَ رہے گا کیوں کہ یہاں آنکھیں بنائی جارہی ہیں جنت میں كَاَنَّكَ کے کاف کی پٹی ہٹادی جائے گی وہاں اِنَّكَ سے دیکھو گے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں پردۂ عالمِ غیب اُٹھادیا جاتا تو مشاہدۂ اُمورِ غیب سے انتظامِ معاش درہم برہم ہو جاتا اور پھر امتحان بھی نہ رہتا تو اہلِ ایمان کو جزا اور اہلِ طغیان کو سزا کس چیز پر ملتی۔ ایمان بالغیب کی بعض حکمتیں حق تعالیٰ نے انسان کی عقل کو عطا فرمائیں لیکن پوری حکمت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

* * *

---

[80] صحیح البخاری: ۱۲/۱ (۵۰)، کتابُ الایمان، باب سؤال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام، المکتبۃ المظہریۃ

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۳؍ رمضانُ المبارک ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۱۲؍ جنوری ۱۹۹۸؁ء بروز دوشنبہ

بوقت ساڑھے چھ بجے، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی
پس چرا بے صیقل آئینہ شوی

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تم پُر کینہ ہو گئے یعنی تمہارے اندر کینہ بھر گیا کہ بھئی! یہ تو بڑے سخت ہیں جب دیکھو تو لتاڑتے رہتے ہیں تو سُنو شیخ یوں ہی نہیں لتاڑتا، پہلے تاڑتا ہے کہ مرید کے اندر کیا مرض ہے پھر اسی تاڑ کے مطابق لتاڑ آتی ہے۔ میری اردو میں اللہ تعالیٰ نے لذّت دی ہے کہ الحمدللہ میری تقریر میں کوئی گھبراتا نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میری تقریر کو اللہ تعالیٰ نے لذّت بخشی۔ تو شیخ پہلے مرض کو تاڑتا ہے پھر اسی تاڑ کے مطابق لتاڑتا ہے اور بعد میں مرہم بھی لگاتا ہے۔ جو زخم ڈالتا ہے وہ مرہم بھی دیتا ہے۔

درد اَز یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے اُو شد و جاں نیز ہم

میرے دل و جاں شیخ پر قُربان ہوں کہ جو درد دیتا ہے وہ درماں اور علاج بھی کرتا ہے کیوں کہ شیخ کی ڈانٹ بھی اللہ کے لیے ہوتی ہے تاکہ مرض جاتا رہے، طبیب کا نشتر مواد اور فاسد مادّہ کو خارج کرنے کے لیے ہوتا ہے ورنہ ہر اللہ والے کے دل میں اپنے مُریدین کا اکرام ہوتا ہے۔ جب اللہ والے ڈانٹتے ہیں تو بعد میں اس کے لیے دعائیں بھی بہت کرتے ہیں اور اس کی تلافی بھی کرتے ہیں تاکہ دوسروں کے دل میں اس کی عزّت بڑھ جائے جیسے

حضرت حکیمُ الامّت نے خواجہ صاحب کو ڈانٹا اور اگلے دن صبح خواجہ صاحب سے فرمایا کہ خواجہ صاحب! آپ میرے ساتھ ٹہلنے چلیں گے جب کہ حضرت سیر کے لیے کسی کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے۔ یہ خواجہ صاحب کا خصوصی اکرام تھا۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ شیخ کی ڈانٹ سے اگر تم پُر کینہ ہو جاؤ گے تو بغیر قلعی تمہارا دل کیسے آئینہ بنے گا۔

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

خوش سلامت مابہ ساحل باز بر
اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

ارشاد فرمایا کہ جہاں دریا اور سمندر ختم ہوتا ہے اس کو ساحل کہتے ہیں یعنی کنارہ۔ مولانا دُعا فرما رہے ہیں کہ اے خُدا! ہم کو سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیجیے یعنی اپنے راستے میں نفس و شیطان کے طوفانوں سے بچاتے ہوئے ہماری کشتی کو عافیت وسلامتی کے ساتھ کنارے لگا دیجیے تا کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اور ہماری کشتیٔ ایمان و تقویٰ پار ہو جائے اور آپ راضی ہو جائیں۔

اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اور یہ دوسرا مصرع موقعِ علّت میں ہے کہ یہ فریاد ہم آپ سے کیوں کرتے ہیں؟ کیوں کہ خشکی پر بھی حکومت آپ کی ہے اور دریا اور سمندر بھی آپ کے دستِ قدرت کے تحت ہیں۔ عربی میں یَد کے معنیٰ قدرت کے آتے ہیں جیسے **بِيَدِهِ الْمُلْكُ** کیوں کہ طاقت کا استعمال ہاتھوں سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے عربی زبان میں طاقت کو یَد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

مولانا عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا دستِ قدرت خشکی اور سمندر ہر جگہ پہنچا ہوا ہے، خشکی پر بھی آپ ہم کو سلامت رکھ سکتے ہیں اور دریا میں ڈوبی ہوئی کشتی کو بھی پار کر سکتے ہیں، بحر و بر آپ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ دنیا دو حصّوں ہی میں

تقسیم ہے، مخلوق یا بحری ہوگی یا برّی ہوگی اب اگر کوئی کہے کہ پہاڑی مخلوق بھی تو ہے۔ تو پہاڑ بھی خشکی میں داخل ہیں۔ پس بحر و بر پر آپ ہی کی حکومت ہے اس لیے ہم کو دونوں جگہ عافیت سے رکھیے۔

کاہلم چوں آفریدی اے ملی
روزیم دہ ہم زراہِ کاہلی

اے خُدا! جب آپ نے مجھے کاہل یعنی کمزور پیدا کیا ہے کہ دنیا کے کاموں میں میرا دل نہیں لگتا تو مجھ کو روزی بھی آسان راستے سے عطا فرمائیے۔

ہر کہ را پا ہست جوید روزئے
ہر کہ را پا نیست کن دل سوزئے

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ نے پاؤں دیے ہیں، قوّت و طاقت عطا فرمائی ہے وہ چل پھر کر تلاشِ روزی کرے اور جو بے دست و پا ہے وہ نالہ و فریاد میں دل سوزی کرے۔

چوں زمیں را پا نہ باشد جُودِ تو
ابر را راند بسوئے اُو دِ تو

اے اللہ! جب آپ نے زمین کو پاؤں نہیں دیے تو آپ کا جود و کرم بادلوں کو مسخر کر کے وہاں بھیجتا ہے کہ جاؤ اس پیاسی زمین پر بارش برسا دو۔

طفل را چو پا نباشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ بر سرش

جب دُودھ پیتا بچہ پاؤں سے چلنے کے قابل نہیں ہوتا، چل کر ماں کے پاس نہیں جاسکتا تو آپ کا کرم ماں کے دل میں ممتا اور شفقت کا جوش پیدا کرتا ہے اور ماں خود اس کے پاس آتی ہے اور اس کی خوراک اس کو پہنچاتی ہے یعنی اس کو دودھ پلاتی ہے۔

روزئے خواہم بناگہ بے تعَب
کہ نہ دارم من زکوشش جز طلب

اے اللہ! ہم آپ سے اس چھوٹے بچے کی سی روزی مانگتے ہیں جو اچانک اور بے گمان و بے مشقت غیبی طور پر مل جائے کیوں کہ ہم کمزور و بے دست و پا ہیں، محنت و مشقت کے قابل نہیں اس لیے آپ سے مانگتے ہیں اور دُعا و طلب میں آہ و دل سوزی کرتے ہیں۔

لیکن ان اشعار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مولانا رومی ہم کو دنیا سے ناکارہ، کاہل اور اپاہج بننے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مولانا کی مراد اس سے یہ ہے کہ اہل اللہ تفویض و توکُّل و فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں اور انہماک فی الدنیا نہ ہونے سے عوام ان کو کاہل سمجھتے ہیں جیسے بعض اہلِ دنیا بھی کاہل ہوتے ہیں۔ دونوں کی ظاہری حالت ایک سی معلوم ہوتی ہے لیکن اہلِ دنیا کی کاہلی اور اہلِ آخرت کی کاہلی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حکیمُ الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ دنیا کی کاہلی نفس کی راحت پسندی اور آرام طلبی کے سبب ہوتی ہے اور اہلِ آخرت کی کاہلی اسبابِ دنیا میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا سبب تفویض و توکّل اور اپنے ارادوں کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کر دینا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

کاہلی را کردہ اند ایشاں سَنَد
کارِ ایشاں راچوں یزداں می کُنَد

عارفین نے تفویض و توکّل کو جو بظاہر کاہلی نظر آتی ہے اپنا سہارا اس لیے بنالیا ہے کہ ان کے کام اللہ تعالیٰ کر دیتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے کاموں میں آسانی فرمادیتے ہیں وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ[۸۱] اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

---

[۸۱] الطلاق:۲-۳

کارِ دُنیا راز کُل کاہل تراند
در رہِ عقبیٰ زمہ گو می برند

اب مولانا اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کی کاہلی کا فرق بیان کرتے ہیں جس سے اہلِ دنیا کی کاہلی مذموم ہونا اور اہلِ آخرت کی کاہلی کا محمود ہونا ثابت فرماتے ہیں کہ اللہ والے دنیا کے کاموں میں تو کاہل نظر آتے ہیں مگر آخرت کے کاموں میں وہ ایسے عالی حوصلہ، مستعد اور سرگرم ہیں کہ اپنی رفتار سے چاند پر بھی سبقت لے جاتے ہیں یعنی امتثالِ اوامرِ الٰہیہ اور اجتناب عن المعاصی میں ان کی سرگرمی و جانبازی کا اہلِ دنیا تصور بھی نہیں کرسکتے اور چوں کہ اہلِ دنیا کو اعمالِ آخرت کی اہمیت نہیں اس لیے دنیا میں منہمک نہ دیکھ کر وہ اہل اللہ کو کاہل سمجھتے ہیں۔ اعمال کی بنیاد اور اساس دراصل یقین پر ہے۔ اہلِ دنیا چوں کہ دنیا پر یقین رکھتے ہیں اس لیے دنیا کے اعمال میں وہ سرگرم و مستعد ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ایک شخص اپنی فیکٹری اور کارخانے کے لیے ساری رات جاگتا ہے، یہ مشقت اسے آسان ہے لیکن دو رکعت پڑھنا بھاری ہیں اور اہلِ آخرت کو کیوں کہ آخرت پر یقین ہے اس لیے یہ یقین ان کو سرگرم اعمالِ آخرت رکھتا ہے اور دنیا کے کاموں میں منہمک نہیں ہونے دیتا کیوں کہ دنیا کی حقارت و فنائیت کا یقین ان کو ہمہ وقت مستحضر رہتا ہے۔ اسی لیے اہلِ دنیا ان پر کاہلی کا الزام لگاتے ہیں لیکن موت کے وقت دونوں قسم کے اعمال کی سرگرمیوں کا انجام نظر آجائے گا کہ کون کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے اور کون ناکامی کے گڑھے میں گر رہا ہے۔

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارُ

عنقریب دیکھ لوگے جب غبار چھٹے گا کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر۔ اس وقت اہلِ آخرت کی خوشی کی اور اہلِ دنیا کے غم کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

پس اہلِ آخرت یعنی اہلِ تقویٰ بن جاؤ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کو روزی مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ملے گی یعنی ایسی جگہ سے ملے گی کہ آپ کو وہم و گُمان بھی نہ ہوگا۔ اس کے لیے نہ اسمبلی کی ممبری کے لیے الیکشن لڑنا ضروری ہے نہ زکوٰۃ کمیٹی کی

چیئرمینی حاصل کرنے کی کوشش ضروری ہے کہ یہ سب دنیاداری ہے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ دیکھو اپنے اپنے طریقے ہیں جس کو جہاں فائدہ نظر آئے وہ اُسی طرف چلا جائے لیکن ہمارے بزرگوں کا جو طریقہ ہے وہ اتنا حساس ہے کہ اس کے ساتھ سیاست جمع نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے یہاں لکھا ہوا ہے کہ حدودِ خانقاہ اور حدودِ مدرسہ میں سیاسی گفتگو منع ہے۔ اگر کسی کو سیاست کے طریقوں سے مناسبت ہے اور اس کو اس بارے میں شرح صدر ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہی میرے لیے مُفید بھی ہے اور ضروری بھی ہے تو وہ مجھ سے برادرانہ تعلق رکھے لیکن مربّیانہ وشاگردی کا تعلق نہ رکھے کیوں کہ ہمارے بزرگوں نے منع کیا ہے کہ ہم اہلِ سیاست میں سے ہوں۔ لہٰذا ایک راستہ اختیار کرو۔ دو مَسلک پر بیک وقت کوئی نہیں چل سکتا، ایک ٹانگ ایک کشتی پر دوسری ٹانگ دوسری کشتی پر نہ رکھو ورنہ انجام ظاہر ہے۔ جو مسلک تمہاری سمجھ میں آئے اس پر چلے جاؤ۔ اگر اہلِ سیاست سے مناسبت ہے تو اُدھر چلے جاؤ اور اگر خالص اہل اللہ کے راستے سے یعنی شعبۂ تربیت واصلاح اور شعبۂ تزکیۂ نفس پر یقین ہے تو ادھر آجاؤ اور پھر اُدھر نہ جاؤ اور اس طبقے کا نام اہلِ عشق واہلِ محبت ہے۔ اس طبقے میں جلالُ الدین رومی، شمس الدین تبریزی، جنید بغدادی، بابا فرید الدین عطار، خواجہ مُعین الدین چشتی اجمیری، شیخ عبد القادر جیلانی، شہاب الدین سہروردی، شیخ بہاؤ الدین نقشبندی اور دوسرے ہزاروں اولیاء اللہ ہیں، یہ طبقہ عاشقوں کا ہے۔ اس طبقے کا نام اخترؔ نے رکھا ہے ”عاشق عشق ومستی، ناواقف انتظامِ بستی“۔ انتظامِ بستی سے مناسبت ہے تو وہاں چلے جاؤ لیکن اگر اللہ کی محبت سیکھنی ہو تو اہل اللہ کے پاس چلے آؤ لیکن پھر تمہیں اہلِ دنیا کی کرسی کھینچنے کے لیے الیکشن لڑنے کی اجازت نہ ہوگی کیوں کہ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کرسی والوں کی تربیت کریں گے، ان کی کرسی چھیننے کی کوشش نہیں کریں گے پھر وہ ہماری سُنتے ہیں اور جب ہم ان کی کرسی کھینچتے ہیں تو پھر وہ گالیاں دیتے ہیں۔ جس مولوی کو گالیاں ملیں گی تو اس سے قرآن وحدیث کون سیکھے گا؟ کرسی کھینچنا اور ہے اور کرسی والوں کی تربیت کرنا اور ہے۔ ہمارے حکیمُ الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ کا مسلک یہ تھا کہ جو اہلِ حکومت ہیں ان کو دین پہنچاؤ اور ان کی تربیت کرو جتنا تم سے ہوسکے لیکن اگر

تم ان کا مقابلہ کروگے اور جھنڈا لے کر ان کی کُرسی چھیننے کی کوشش کروگے تو پھر وہ تم کو مولوی صاحب نہیں کہیں گے مولی صاحب کہیں گے، تمہاری تضحیک و اہانت کریں گے یہاں تک کہ مارپٹائی ہوجاتی ہے اور یہ کوئی سُنی سُنائی بات نہیں ہے مشاہدات ہیں۔ اخباروں میں دیکھا جاتا ہے کہ مولانا صاحب کو پولیس والے کھینچ رہے ہیں، ڈنڈے مارے جارہے ہیں، لاٹھی چارج ہورہی ہے۔ حضرت حکیمُ الامّت مجدّد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں یا جہاد ہے یا صبر۔ اگر قوت ہے اور قوت بھی وہ جس کو شریعت قوت کہتی ہے تو جہاد کرو اور قوت نہیں ہے تو صبر کرو۔ یہ لاٹھیاں کھانا، جتھے جلوس نکالنا، نعرے مارنا، بھوک ہڑتال کرنا، جیل جانا یہ دین نہیں ہے، یہ تو یہود و نصاریٰ کے نکالے ہوئے طریقے ہیں ورنہ بتایئے پہلے بھی بہت ظالم بادشاہ ہوئے ہیں لیکن کوئی ایک مثال دے دو کہ کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا سلف صالحین میں کسی نے بھوک ہڑتال کی ہو یا جلوس نکالے ہوں یا نعرے مار کر لاٹھیاں کھائی ہوں۔ یہ سب یورپ کی ایجاد ہے اور تعجّب یہ ہے کہ جو لوگ یورپ دشمنی کے علمبردار ہیں وہ ان طریقوں کو اپنا کر یورپ کی اتباع کرتے ہیں اور دین کے احکام کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اسی لیے ایک مشہور پادری نے کہا تھا کہ جو لوگ سیاسی تحریکات میں ہیں ان سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں کیوں کہ اپنے حصولِ مقصد کے لیے وہ ہمارے ہی طریقوں کو اپنا رہے ہیں اور حضرت حکیمُ الامّت مجدد الملت مولانا تھانوی کے بارے میں کہا کہ ہمارا اصل دُشمن یہ شخص ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر وہ اپنے دین کے ادنیٰ سے ادنیٰ حکم کو نہیں چھوڑتا۔

غرض جو عالم سیاست میں پڑا پھر اس سے دین کا کام نہیں لیا جاتا کیوں کہ عوام دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ڈنڈے کھارہے ہیں اور نعرے لگارہے ہیں تو ان کے دل سے ایسے عالم کی عظمت نکل جاتی ہے، جب عالم کی بے قدری ہوگی تو کون اس سے دین سیکھے گا۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ کرسی کی وجہ سے مخالف ہوجاتے ہیں اور پھر اس سے کبھی دین نہیں سیکھتے۔ اس لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ جو شیخ کے منصب پر فائز ہو اس کو لوگوں کے درمیان فیصلے بھی نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ فیصلہ کسی کے حق

میں ہوگا تو کسی کے خلاف ہوگا اور جس کے خلاف ہوگا وہ کبھی تم سے دین نہیں سیکھے گا، نہ تم سے اصلاح لے گا، نہ تربیت چاہے گا۔ اپنے بزرگوں کا یہ راستہ ہے، یہ راستہ بالکل تقویٰ کا ہے اور وہ راستہ لقوہ کا ہے جہاں کوئی پردہ نہیں، تصویر بھی کھینچواؤ، بڑے بڑے اشتہار لگاؤ کہ فلاں مولانا صاحب الیکشن میں کھڑے ہیں داڑھی لیے ہوئے اور فلاں مولانا صاحب نامحرم عورتوں سے سیاسی مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو وہی رنگ پسند ہے تو ہم اس کو نہیں روکتے مگر پھر مجھ سے تعلق نہ رکھے کیوں کہ یہ ہمارا راستہ بہت حسّاس راستہ ہے، اللہ کی محبت کا مضمون اتنا حسّاس اور اتنا وسیع ہے کہ یہ چندے بازی کے ساتھ بھی جمع نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شیخ تقریر کے بعد مسجد میں کہے کہ صاحبو! میرا مدرسہ ہے آپ لوگ چندے نکالو تو پھر اس کی تقریر دوبارہ لوگ سُنیں گے بھی نہیں۔ اور اس کی تقریر کا سارا اثر ختم ہوجائے گا پس اگر اللہ والا بننا ہے تو اللہ والوں کے راستے پر چلنا پڑے گا کیوں کہ ؎

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے
لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے
آہ کو نسبت ہے کچھ عشّاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

رہ گیا پیٹ کا مسئلہ تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو پیٹ بنا سکتا ہے وہ روٹی بھی کھلا سکتا ہے، جو سر بنا سکتا ہے وہ ٹوپی بھی پہنا سکتا ہے۔ پیٹ مہنگا ہے یا بوٹی، سر زیادہ مہنگا ہے یا ٹوپی۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ نادانوں کو ایسا رزق دیتا ہے کہ بڑے بڑے دانشورِ محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ اس کو شیخ سعدی نے فرمایا ؎

بہ ناداں آنچناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند

مولانا نے ایک مجذوب کا قصہ لکھا ہے کہ وہ یہی دعا مانگا کرتا تھا کہ اللہ میاں! مجھ کو بغیر محنت مشقت کے روزی عطا فرمایئے اور جب نہیں پاتا تھا تو کچھ کام کاج بھی کرلیتا تھا کہ شاید اللہ کو یہی منظور ہے کہ رگڑے کھلا کر روزی دیں گے۔ مگر مانگتا ہی رہتا تھا۔ تین سال کے بعد ایک دن ایک گائے اس کے گھر میں گھس آئی، اس نے کہا کہ بس آج میری روزی آگئی۔ بھولا بھالا سیدھا سادا سا تھا، اس کو یقین آگیا کہ میری تین سال کی دُعا آج قبول ہوگئی بس فوراً دروازہ بند کیا، گائے ذبح کی اور اس کی دست اور ٹانگ کو دیوار پر ٹانگ دیا اور روزانہ تھوڑا تھوڑا کاٹ کر کھاتا ہے۔ جس کی گائے تھی وہ تلاش کرتے کرتے ایک دن اس کے گھر میں آگیا اور دیکھا کہ گائے کے دست و بازو ٹنگے ہوئے ہیں اور مجذوب آرام سے کھا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کس کی گائے ہے؟ مجذوب نے کہا ہمیں کیا معلوم، ہم تو تین سال سے مانگ رہے تھے کہ اللہ میاں! ہمیں خود بخود روزی دے دیجیے تو یہ گائے خود بخود آگئی۔ گائے والے نے عدالت میں مقدّمہ کردیا۔ جج نے دیکھا کہ یہ آدمی سیدھا سادا ہے، یہ چوری نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ کوئی خاص مُعاملہ ہے۔ اس نے تحقیقات کے لیے جاسوس لگادیے کہ معلوم کرو کہ اس گائے پر اس کا کوئی شرعی حق تو نہیں بنتا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس کے دادا کا حق گائے والے کے دادا نے مار لیا تھا، گائے دراصل اس کے دادا کا ترکہ تھی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بھولے بھالے بندوں کو اس طرح روزی دیتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ کی بات نہیں ہے۔ وہ مجذوب بھولا بھالا تھا، غیر مکلّف تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کا حق اس طرح دلا دیا، لیکن ہر شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ بدون دلیلِ شرعی دوسرے کی گائے ذبح کر ڈالے یعنی دوسرے کی چیز ہتھیا لے اور اپنے نفس کو فریب دے کہ اس میں میرے باپ دادا کا حصہ ہوگا۔ عقل و فہم والوں کے احکام الگ ہیں اور سیدھے سادے مجذوبوں کے احکام الگ ہیں۔

موسیا آدابِ دانا دیگر اند
سوختہ جانے روانا دیگر اند

مولانا رومی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چرواہے کے قصے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایۃً فرماتے ہیں کہ اے موسیٰ! اہلِ ہوش و خرد کے لیے آداب دوسرے ہیں اور میرے بھولے بھالے بندے جو مجذوب ہوگئے ان کے آداب اور ہیں۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مجاذیب کی عقل عام عقول کی بہ نسبت ذرا سی کم کردی جاتی ہے، جس سے وہ احکام کے مکلّف نہیں رہتے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہوتے ہیں۔ عام آدمیوں کو غیر مکلّف کی نقل جائز نہیں، ان کو احکامِ شریعت کی اتباع ضروری ہے۔

ارشاد فرمایا کہ چوں کہ آج کل بنگلہ دیش سے مہمان آئے ہوئے ہیں اور مچھلیاں اہلِ بنگال کی معشوق ہیں تو میں نے سوچا کہ ان کی خاطر سے ایک شعر مچھلی والا پیش کردوں کیوں کہ وہ مہمان ہیں اور مہمان کا اکرام کرنا چاہیے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس شعر کو بہت پسند فرماتے تھے کہ ؎

دائم اندر آب کارِ ماہی است
مار را با اُو کجا ہمراہی است

ہر وقت پانی میں رہنا مچھلیوں کا کام ہے، ہر وقت باخُدا رہنا، ہر وقت اللہ کی مرضی پر چلنا، ہر وقت اللہ پر اپنی جان فدا کرنا یہ اللہ والوں کا کام ہے۔ پانی چاہے کتنا ہی ٹھنڈا اور یخ ہو آپ نے کبھی کسی مچھلی کو کھانستے ہوئے نہیں سُنا ہوگا۔ پانی ٹھنڈا ہو یا گرم ہو مچھلی پانی ہی میں رہے گی۔ سانپ کو یہ مقام کہاں مل سکتا ہے کہ مچھلیوں کا ساتھ دے اور ہر وقت پانی میں رہے۔ کچھ دیر تو وہ پانی میں رہے گا لیکن پھر خشکی میں آکر بدن کو سکھائے گا کیوں کہ سانپ میں زہر ہے اور مچھلیوں میں زہر نہیں ہے۔ مولانا کا اشارہ یہ ہے کہ تمہارا دل جو اللہ کے قُرب کے راستے میں نہیں لگ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے اندر گناہوں کا زہر موجود ہے، تم مثل سانپ کے ہو، مولانا فرماتے ہیں تم گناہوں کی اور اخلاقِ رذیلہ کے زہر کی تھیلی نکلوادو اور مچھلی پن سیکھو، اخلاقِ ماہیاں سیکھو یعنی اللہ والوں کے اخلاق سیکھو پھر تمہیں اللہ کے دریائے قُرب کے علاوہ کہیں مزہ نہیں آئے گا، پھر

اللہ کی محبت کے کاروبار کے سوا کہیں تمہارا دل نہیں لگے گا۔ لیکن سانپ میں مچھلی پن خود بخود نہیں آسکتا، غافل اور نافرمان دل اللہ والا دل خود بخود نہیں بن سکتا، سیکھا جاتا ہے۔ اللہ والا وہی ہوتا ہے جو ایک زمانے تک کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اللہ کی محبت سیکھتا ہے۔ چاہے دس سال تک کسی مدرسے میں رہ لو، چاہے دس سال تک دین کی محنت میں چلّے لگالو، چاہے کبھی کبھار کسی بزرگ کی صحبت میں بھی جاتے رہو لیکن اللہ نہیں ملے گا جب تک کہ ایک زمانہ ہمہ وقت کسی اللہ والے کی صحبت میں نہ رہو گے۔ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے انڈا اکیس دن تک مسلسل مُرغی کے پروں کے نیچے گرمی لیتا ہے پھر اس میں روح آجاتی ہے اسی طرح زندگی میں ایک بار کم از کم چالیس دن مسلسل کسی اللہ والے کی صحبت میں بہ نیتِ اصلاح رہ لو ان شاء اللہ حیاتِ ایمانی اور نسبت مع اللہ عَلٰی سَطْحِ الْوِلَایَۃِ نصیب ہوجائے گی لیکن جس طرح انڈے کے لیے مُرغی کے پروں کے نیچے اکیس دن کا تسلسل ضروری ہے کہ اگر مُرغی کو اچانک کشمیر یا فیصل آباد یا سکھر جانا پڑا تو انڈوں کو بھی ساتھ جانا پڑے گا ورنہ مُرغی اور انڈے میں فصل ہوجائے گا تو انڈے میں حیات نہیں آئے گی۔ معلوم ہوا کہ صحبت میں تسلسل ضروری ہے، اسی طرح کم سے کم چالیس دن تک کسی شیخ کے ساتھ رہ لو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اصلاح کی نیت ہو، ارادہ ہو، یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ ہو۔ اگر اللہ مراد ہوگا تو اللہ ضرور ملے گا اور جب اللہ مُراد ہوگا تو اِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ ہر شیٔ اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ جب اللہ مراد ہوگا تو اللہ کو خوش کرنے کے لیے جان کی بازی لگادے گا اور حرام لذّتوں سے اپنے قلب و جان کی حفاظت کرے گا اور بدپرہیزی نہیں کرے گا۔ جب مریض کا ارادہ پکّا ہوجائے کہ شفا حاصل کرنی ہے تو ڈاکٹر جن جن چیزوں کا پرہیز بتائے گا ہرگز نہیں کھائے گا۔ اگر پیچش لگی ہوئی ہے، دست پر دست آرہے ہیں اور ڈاکٹر نے کہا کہ نہاری، پایا اور مرچ والی چیزیں اور کباب وغیرہ مت کھانا تو اگر وہ عاشقِ کباب بھی ہے اور عاشقِ نہاری بھی ہے لیکن اگر صحت اس کی مراد ہے تو سب کا اہتمام کرے گا مَالَہٗ وَمَا عَلَیْہِ سب سے بچے گا۔ ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ مطلوب ہوتا ہے تو وہ شخص بدپرہیزی نہیں کرتا اور گناہوں سے بچنے میں ہر تکلیف

اٹھالیتا ہے جس کی برکت سے سانپ خصلت بھی مچھلی ہو جاتا ہے اور ہر وقت حق تعالیٰ کے دریائے قُرب میں غرق رہتا ہے۔ مولانا رومی نے اللہ والوں کی شان میں فرمایا کہ ؎

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال

یہ اللہ والے حق تعالیٰ کے دریائے قُرب کی گہرائی کی مچھلیاں ہیں۔ جو مچھلیاں پانی کی اوپری سطح پر رہتی ہیں سورج کی گرمی سے پریشان ہو جاتی ہیں اور جو دریا کی گہرائی میں رہتی ہیں سورج کی تمازت سے محفوظ رہتی ہیں، اسی طرح خاصانِ خُدا عبادت و ذکر و تلاوت اور گناہوں سے حفاظت کی برکت سے غرق فی النور ہوتے ہیں اور گناہوں کی گرمی سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جعلی پیر جو حقیقت میں سانپ ہیں لیکن بظاہر مچھلی بنے ہوئے ہیں وہ ہر وقت دریائے قُرب میں نہیں رہ سکتے۔ کچھ دیر مریدوں کو دکھانے کے لیے اور ان سے دنیا بٹورنے کے لیے ان کے سامنے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ لیکن جب اپنی تنہائیوں میں جاتے ہیں تو تاش کھیلتے ہیں، چرس پیتے ہیں ؎

چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کُنند

ان کی مثال سانپ کی سی ہے جو کچھ دیر پانی میں مچھلی پن دکھاتا ہے پھر گھبرا کر پانی سے نکل کر خشکی میں اپنا جسم سکھاتا ہے۔

◆ ◆ ◆ ◆

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۴؍ رمضانُ المبارک ؁۱۴۱۸ھ مطابق ۱۳؍ جنوری ؁۱۹۹۸ء بروز منگل

ساڑھے چھ بجے صبح بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

گر مُرادت را مذاقِ شکّر است
نامُرادی ہم مُرادِ دلبر است

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ تیری مراد میں اگرچہ مٹھاس اور ذائقہ ولذّت شکر کی سی ہے اور تیری وہ مراد اور آرزو تیرے لیے چینی کی طرح میٹھی ہے لیکن اللہ نے تجھ کو جو نامراد رکھا یہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اور وہ تیرا دلبر اور محبوب ہے اور محبوب کی مراد پر عاشق کو اپنی مُراد کو فدا کر دینا چاہیے۔ لہٰذا راضی برضا رہو اور جیسے رکھیں ویسے رہو، اگر اللہ تعالیٰ نامراد رکھتا ہے تو اسی میں راضی رہو۔ تجھ کو جو نامراد رکھا تو اگرچہ تیری مراد پوری نہیں ہوئی لیکن اللہ کی مراد تو پوری ہوئی۔ پس اللہ کی مراد بہتر ہے یا تیری مراد بہتر ہے۔ پھر اللہ کی مراد سے کیوں خوش نہیں رہتا جو علیم و خبیر ہے تیرے مزاج سے واقف ہے۔ اگر اللہ تیری مراد پوری کر دیتا تو تُو اسی میں مست رہتا اور اللہ کو یاد بھی نہ کرتا، نہ دین کا کام کرتا، نہ کہیں دعوت الی اللہ کے لیے جاتا، نہ کہیں تقریر کرتا۔

میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے، وہ مقامِ نامرادیت پر فائز تھے، وہ اللہ کی مراد تھے۔ جب اللہ کسی کو اپنا بناتا ہے تو غیر کا نہیں ہونے دیتا، اس کے ہر ارادے میں خلل اندازی کرتا ہے کہ تیری مراد پوری نہیں ہونے دوں گا کیوں کہ تو ایسا بے وقوف ہے کہ پھر تو مجھے چھوڑ کر اپنے چکر میں رہے گا۔ تو وہ بزرگ جو مقامِ نامرادی پر فائز تھے ان سے کسی شخص نے کہا کہ حضور! چلیے میرے کارخانے اور فیکٹری کا سنگِ بنیاد رکھ دیجیے۔ فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تیری

فیکٹری فیل ہو جائے کیوں کہ میں مقامِ نامُرادیت پر فائز ہوں۔ جہاں میرا ہاتھ لگے گا وہیں نامرادی آئے گی اور تیرا بھی کام بگڑ جائے گا اس لیے مجھے وہاں نہ لے جا۔ اللہ نے مجھے اپنا مُراد بنایا ہے، میری مرادوں کو وہ نامراد کرتا رہتا ہے۔ میری نامرادی مخلوق کے ساتھ ہے، حق تعالیٰ کا میں مراد ہوں۔ میرے ساتھ رہو گے تو اپنی مُرادوں میں تو بامُراد نہ بنو گے لیکن مُرادِ خالق بن جاؤ گے، اللہ کے پیارے بن جاؤ گے، اللہ کی مراد بن جاؤ گے۔ لہٰذا دنیا کی مراد چاہتے ہو تو کوئی اور انتظام کرو۔ ہمیں کیوں اپنی دنیا کے لیے گھسیٹتے ہو کہ یہاں چلو، وہاں چلو۔ ہمارے صحراؤں سے ہمارا خروج نہ کراؤ ہم سکوتِ صحرا میں اپنے اللہ کی یاد میں مست ہیں تم یہیں آجاؤ اور اللہ کی محبت سیکھو۔

اگر ساری دنیا میں کسی کو نامرادی ہو لیکن جب وہ اللہ کا مُراد ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور سارے غموں کا نعم البدل ہے اور اس کا کوئی بدل نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کے دل میں اپنی مرادی پر حسرت و غم نہیں ہو گا بلکہ وہ سمجھ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس طریقے سے مجھے اپنا بنانا چاہتے ہیں اس لیے مجھ کو نامراد فرماتے ہیں کیوں کہ ہماری بامرادی آب و گِل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آب و گِل میں نہیں پھنسانا چاہتے، اپنی تجلّیاتِ قُرب سے اپنے اس بندے کو متجلّی رکھنا چاہتے ہیں، پھر سارے عالم کو اس ایک بندے سے متجلی کرتا ہے۔ بہت راز کی بات آج فاش کر رہا ہوں لہٰذا اگر کوئی مراد پوری نہ ہو تو سمجھ لو کہ میرے محبوبِ حقیقی کی مُراد یہی ہے کہ یہ میرا مُراد رہے کہیں اپنی مُرادوں میں مشغول نہ ہو جائے۔ اگر اپنی مُرادوں میں یہ مشغول ہو گیا تو پھر اللہ کی مُراد کیسے بنے گا۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ یہ سفر میں رہے، اس سے دین پھیلایا جائے اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ اے اللہ! عُلماء کے رزق کو سارے عالم میں منتشر فرما دیجیے جب یہ جگہ جگہ اپنا رزق کھانے جائیں گے تو میرا دین بھی پھیلائیں گے۔ نشرِ رزقِ العلماء ذریعہ ہو گا نشرِ علمِ دین کا اس لیے دعوتِ عُلماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا ثمرہ ہے، لہٰذا مولانا لوگوں کو مُرغا کھلا کر کوئی اپنا احسان نہ جتائے۔

نامرادی کا مزہ بظاہر تو کڑوا ہے۔ دنیا دار تو اس سے گھبرائے گا کہ میں نامرادی نہیں چاہتا، یہ عُلماء و اولیاء کے لیے مبارک ہو، ہماری تو ہر مُراد اللہ پوری کر دے۔ یہ نامُرادی کا

راستہ حمقاء اور بے وقوفوں کے لیے نہیں ہے، وہ کیا جانیں کہ جس کو اللہ غیر سے نامراد کرکے اپنا مراد بنائے گا اس کے قلب کو کیا مستی دے گا۔ وہ تو اعلان کرے گا۔

بادہ در جوششِ گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیر ہوشِ ماست

سارے عالم کی شراب میری مستی کی گدا ہے۔ یہ مولانا روم ہیں، کیوں اُنھوں نے سارے عالم کے مے خانوں کو للکارا، اپنے میکدۂ عشقِ غیر فانی سے اعلان نشر کیا کہ سارے عالم کی شراب میرے جوش و مستی کی گدا اور بھک منگی ہے اور آسمان اپنی گردش میں میرے ہوش کا قیدی ہے کیوں کہ میں تجلیاتِ خالقِ ارض و سما رکھتا ہوں اس لیے وسعتِ ارض و سماء میرے اندر تنگ ہے۔ آسمان و زمین میرے ہوش کا ایک جز ہیں اور جز اپنے کُل کے سامنے چھوٹا ہوتا ہے۔ آسمان و زمین کیا حقیقت رکھتے ہیں کہ اپنے طول و عرض پر فخر کریں۔

ان کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات
وسعتِ قلبِ عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

یہ میرا ہی شعر ہے اور یہ شعر بھی۔

دامنِ فقر میں مرے پنہاں ہے تاجِ قیصری
ذرّۂ دردِ غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

لوگ حقیر سمجھتے ہیں کہ ان مولویوں اور صوفیوں کے پاس کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اولیاء کا دامنِ فقر دیکھو جس میں قیصرِ روم و سلاطینِ کائنات کے تخت و تاج پوشیدہ ہیں۔ تمھیں کیا پتا، اس کا نشہ قلب میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اللہ والوں کے اور ان کے غلاموں کے ظاہری دامن میں تاجِ قیصری اور موتی دے دیتا تو پرچہ آؤٹ ہوجاتا اور عالمِ غیب عالمِ غیب نہ رہتا اور جب پرچہ آؤٹ ہوجاتا ہے تو امتحان دوبارہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عالمِ غیب رکھا کہ پرچہ آؤٹ نہ ہو اور یہاں جو پرچے آؤٹ ہوتے ہیں اس کی

وجہ حکومت کی کمزوری ہے، یہاں رشوت دے کر پرچہ آؤٹ کرادیتے ہیں لیکن اللہ کے یہاں کون ہے جو گڑبڑی کرسکے اس لیے اللہ تعالیٰ کا عالمِ غیب قیامت تک عالمِ غیب رہے گا۔ کوئی شخص عالمِ غیب کا پرچہ آؤٹ نہیں کرسکتا اس لیے اللہ تعالیٰ چھپا کر دل میں دیتے ہیں، اللہ والوں کی مستیاں دل میں ہوتی ہیں جن کو دوسرا نہیں جان سکتا لیکن جو اہلِ عقل واہلِ بصیرت ہیں وہ پہچان لیتے ہیں کہ ان اللہ والوں کے دل کو کوئی دولت حاصل ہے اس لیے ان کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور ان کے دل سے کچھ پاتے ہیں۔ دیوانہ وہ ہے جو دوسروں کو دیوانہ بنادے تو سمجھ لو کہ اس کی دیوانگی عالمِ شباب پر ہے اور بڑے بڑے عُلماء اپنی دستارِ فضیلت لیے ہوئے اور بڑے بڑے ایم ایس امریکا اور یورپ کی ڈگریاں لیے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔

خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

مخلوق دیوانہ کے پیچھے پھر رہی ہے اور دیوانہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے ورنہ ہمیں دیکھ لو کہ یہاں کون سی دنیا بٹ رہی ہے مگر کوئی ایسی بات ہے، ہمارے بزرگوں کا فیض ہے جو آپ لوگ آرہے ہیں۔

کچھ کھو رہے ہیں شوق سے کچھ پا رہے ہیں ہم

یعنی گناہوں کے تقاضوں کو ہم شوق سے کھو رہے ہیں کہ کوئی نافرمانی نہ ہو اس کھونے سے ہم اللہ کو پارہے ہیں غیر اللہ کو کھو رہے ہیں اور مولیٰ کو پارہے ہیں اور مولیٰ اپنے عاشقوں کو دونوں جہاں میں سرفراز رکھتا ہے۔ وہ اپنے عاشقوں کو ضایع نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ[۸۲]

اللہ اپنے عاشقوں کے اجر کو ضایع نہیں کرتا، کہاں مُردہ لاشوں پر جاتے ہو۔ دونوں میں کوئی نسبت نہیں اس لیے وہ لوگ انتہائی بے وقوف اور احمق ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دنیا پر مر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ پر مرنا سیکھو اور یہ بھی اللہ والوں ہی کے صدقے میں آئے

---

[۸۲] ہود: ۱۱۵

گا۔ حوصلۂ شاہبازی کس سے آئے گا؟ بازِ شاہی سے اور بازِ شاہی کیسے بنو گے؟ صحبت کی برکت سے۔ دنیا میں کوئی ولی اللہ نہیں ہوا جب تک کسی ولی اللہ کی صحبت نہیں ملی۔ دیسی آم کو لنگڑے آم کے متعلق ایک لاکھ کتابیں پڑھا دو، ایم ایس کرادو لیکن ایک لاکھ کتابوں کے باوجود دیسی ہی رہے گا لیکن اسے کوئی کتاب نہ پڑھاؤ، لنگڑے آم کی قلم لگادو آہستہ آہستہ خود لنگڑا آم بن جائے گا۔

اور ایک بہت بڑی بات اور بتادوں کہ اگر کوئی مُرید اپنی بے وقوفی سے اپنے شیخ کے بُلند مقام کو نہ پہچانتا ہو اور شیخ بھی خود اپنی ولایت کے مقام کی بلندی سے ناواقف ہو لیکن اس کی صحبت میں ولایت سازی کی خاصیت ضرور ہوگی کہ اس کی برکت سے مرید کامیاب ہوجائے اور ولایت نصیب ہوجائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر جو خاصیت رکھی ہے اس کا اثر ظاہر ہوگا جیسے کوئی نہ جانتا ہو کہ آگ کیا چیز ہے اور آگ کو بھی اپنے آگ ہونے کا علم نہ ہو لیکن اس میں یہ خاصیت ضرور ہوگی کہ ؎

جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

بعض بندے اللہ کے ولی ہوتے ہیں لیکن انہیں بوجہ اپنی سادگیٔ طبع کے خود بھی پتا نہیں ہوتا کہ ہم کس درجہ کے ولی اللہ ہیں لیکن ان کے فیض سے کوئی محروم نہیں رہتا۔

صد ہزاراں دام و دانہ است اَے خُدا
ما چو مرغانِ حریصِ بے نوا

ارشاد فرمایا کہ دام کے معنیٰ ہیں جال اور دانہ سے مُراد ہے گندم و چاول وغیرہ کے دانے جن کو شکاری چڑیوں کو جال میں پھنسانے کے لیے استعمال کرتا ہے گویا وہ دانہ چڑیوں کو جال میں پھانسنے کا آلہ ہے۔ چڑیا سمجھتی ہے کہ یہ میرا چارہ ہے اور بھوک میں کھانا شروع کرتی ہے اور جال میں پھنس جاتی ہے۔ مولانا رومی اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ اے خُدا! گناہوں کے ہزاروں جال بچھے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے شیطان مثلِ شکاری کے ان میں ہم کو پھنسانے کے لیے بیٹھا ہوا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے **أَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ**[۸۳] عورتیں شیطان کا جال ہیں جن سے وہ گناہوں میں پھنسا دیتا ہے۔ اس زمانے میں شیطان نے عورتوں کو بے پردہ کرکے قدم قدم پر یہ جال بچھا دیے، اُن کے گال اور بال دکھا کر پھر وبال میں مبتلا کر دیتا ہے۔ منشا یہ ہے کہ جتنی باتیں بھی اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں وہ سب شیطان کے دام و دانہ میں شامل ہیں خواہ وہ عورتیں ہوں خواہ حسین لڑکے ہوں خواہ حرام مال ہو وغیرہ، جس چیز سے بھی شہوتِ نفس سے مغلوب ہوکر گُناہ میں مبتلا ہو جائے وہی شیطان کا جال ہے اور اس زمانے میں چوں کہ بے پردگی و عریانی عام ہے اس لیے شیطان کا سب سے بڑا جال حسین صورتیں ہیں۔

مولانا اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! شیطان نے گُناہوں کے ہزاروں جال اور دانے ساری کائنات میں بچھا دیے ہیں اور ہم مسکین و غریب اور بے نوا چڑیوں کی طرح ہیں جنہیں بھوک اور پیاس لگی ہوئی ہے اور وہ دانہ کھانے کے لیے بے قرار ہیں اسی طرح ہمارے اندر بھی شہوتِ نفس اور خواہشاتِ نفسانیہ کے شدید تقاضے ہیں اور سامنے گُناہوں کے دام و دانے ہیں اس لیے ہمیں سخت خطرہ ہے کہ کہیں ہم جال میں نہ پھنس جائیں۔ آگے فرماتے ہیں۔

گر ہزاراں دام باشد بر قدم
چوں تو با مائی نہ باشد ہیچ غم

اے خدا! اگر ہزاروں جال ہمارے قدم پر ہوں لیکن اگر آپ اپنی رحمت اور مدد کے ساتھ ہمارے ساتھ ہیں یعنی اگر آپ ہمارے نگہبان ہیں، پاسبان ہیں، مددگار ہیں تو ہمیں ان جالوں کا کوئی خوف نہیں، آپ ہماری حفاظت کے لیے کافی ہیں کیوں کہ اگرچہ نفس اَمّارہ بِالسُّوءِ ہے یعنی **كَثِيْرُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ** ہے، برائیوں کا بہت زیادہ حکم کرنے والا ہے لیکن یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر **اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ** کا سایہ ہمیں حاصل ہو، اس کے شر

---

[۸۳] مصنَّف ابن ابی شیبہ: ۱۹/۱۶۹ (۳۵۶۹۴)، کلام ابن مسعود من کتاب الزھد، مؤسسۃ علوم القرآن

سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا سوائے اس کے جسے اللہ کی رحمت کا سایہ حاصل ہے۔

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ[۸۴]

جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت و دوام پر دلالت کرتا ہے یعنی کوئی شخص نفس کے شر سے نہیں بچ سکتا جب تک اسے خالق نفس اَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡٓءِ کا استثناء اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ نصیب نہ ہو۔ اگر نفس اَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡٓءِ ہے تو اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ کا یہ استثنا بھی خالقِ نفس امّارہ کا ہے پس اس استثنا کے ہوتے ہوئے نفس امّارہ بالسُّوء کی کیا مجال جو ڈنک مار سکے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَا رَحِمَ رَبِّیۡ کا مَا مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے جس کے معنیٰ ہوئے اَیۡ فِیۡ وَقۡتِ رَحۡمَۃِ رَبِّیۡ[۸۵] یعنی جب اللہ کی رحمت کا سایہ ہو تو نفس کی کیا مجال ہے کہ وہ ہمیں ضرر پہنچا سکے۔ مولانا کی دُعا کا یہی مضمون ہے کہ اے اللہ! اگر آپ کی رحمت کا سایہ ہم پر ہو تو نفس و شیطان ہمیں گُناہوں کے زیرِ دام نہیں کر سکتے۔

موش تا انبارِ ما حفرہ زدہ است
واز فنش انبارِ ما خالی شدہ است

ارشاد فرمایا کہ کھیت میں جہاں غلّہ کا ڈھیر رکھا ہوتا ہے اسے کھلیان کہتے ہیں وہاں چُوہا زمین میں نیچے نیچے سوراخ کرکے دور تک راستہ بنالیتا ہے اور دھیرے دھیرے سارا غلّہ غائب ہوجاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح چوہا غلّہ کا چور ہے اسی طرح ہمارا نفس بھی چور ہے۔ جب سے ہمارے نفس کے چوہے نے ہماری نیکیوں کے کھلیان اور خزانے میں خُفیہ راستہ بنالیا ہے تو اس کے اس فن اور کید و مکر سے ہماری سب نیکیاں ضایع ہوگئیں مثلاً کہیں دکھاوا کرادیا، کہیں تکبر کرادیا، کہیں ظلم کرادیا جس سے سارے اعمال ضایع ہوجاتے ہیں جیسے ایک حاجی نے کہا کہ اے نوکر! میرے مہمان کو اس صراحی سے پانی پلادے جو میں دوسرے حج میں مدینہ شریف سے لایا تھا۔ حضرت

---

[۸۴] یوسف: ۵۳

[۸۵] روح المعانی: ۲/۱۳، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظالم نے ایک جملے میں دونوں حج ضایع کر دیے۔ یہی نفس کی چوری ہے جس سے نیکیوں کے خزانے خالی ہو جاتے ہیں مثلاً کراچی میں بیٹھے بیٹھے کسی نے غیبت کر دی اور جس کی غیبت کی ہے وہ لاہور میں ہے تو گویا اس نے نیکیوں کا مال مُفت میں لاہور بھیج دیا یعنی اس کی نیکیاں لاہور والے کے اعمال نامہ میں چلی گئیں اور اسے خبر بھی نہیں کہ میرا کتنا بڑا نقصان ہو گیا۔ محنت کی کمائی مُفت میں گنوائی۔ غیبت اسی لیے حرام ہے کہ مُفت میں اپنی نیکیاں ضایع ہوتی ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں جس کی غیبت کی ہے اس کے اعمال نامہ میں ڈال دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو اس کے گُناہ اس غیبت کرنے والے کے اعمال نامے میں ڈال دیے جائیں گے اور حدیث پاک میں ہے اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا الخ[۸۶] غیبت زنا سے بھی اشد ہے۔ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسُول! غیبت زنا سے کیوں اشد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زنا حقّ اللہ ہے۔ اللہ سے مُعافی مانگ لو، مُعاف ہو جائے گا جس سے زنا کیا ہے اس سے مُعافی مانگنا فرض نہیں، لیکن غیبت بندوں کا حق ہے، لاکھ استغفار و توبہ کرتے رہو جب تک وہ بندہ مُعاف نہیں کرے گا مُعاف نہیں ہو گا۔ لیکن حضرت حکیمُ الامّت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ تشریح ہے کہ غیبت حق العباد اس وقت ہے جب اس بندے کو اطلاع ہو جائے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی، اب اگر اس سے مُعافی مانگے گا تو اس کو اطلاع ہو گی اور اس کو تکلیف ہو گی کہ اس شخص نے میری غیبت کی ہے۔ اس صُورت میں غیبت کی تلافی یہ ہے کہ جس مجلس میں غیبت کی ہے ان سب لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنی نالائقی کا اعتراف کرے کہ مجھ سے سخت نالائقی ہوئی کہ میں نے فلاں کی غیبت کی، ان میں دوسری بہت سی خوبیاں بھی ہیں میں توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مُعافی مانگے اور کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے۔ اس طرح غیبت کا گُناہ مُعاف ہو جائے گا لیکن اگر اس شخص کو اطلاع ہو گئی ہے تو اس سے مُعافی مانگنا

---

[۸۶] کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۹۵/۲ (۱۸۱۴)، مکتبۃ العلم الحدیث

ضروری ہے کیوں کہ بغیر اس کے مُعاف کیے یہ گُناہ مُعاف نہیں ہو گا۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زنا سے اشد ہے کیوں کہ یہ حق العباد ہے۔

زنا کے حق اللہ ہونے کا قانون اسلام کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر عیسائی اور یہودی اس قانون کو بناتے تو کہتے کہ جس سے زنا کیا ہے اس سے جا کر مُعافی مانگو اور اس سے کتنے فتنے پیدا ہو جاتے مثلاً وہ عورت کسی ملک کی وزیر یا صدر ہے اور مختلف ممالک کے صدرِ مملکت بیٹھے ہوئے ہیں کہ اس کی رہائش گاہ کے سامنے کئی لوگ مُعافی مانگنے کے لیے آ کھڑے ہوئے کہ محترمہ! فرسٹ ایئر میں جب ہم آپ کے ساتھ پڑھ رہے تھے تو کچھ غلطیاں ہو گئی تھیں لیکن اس وقت تو ہمیں اللہ کا خوف نہیں تھا اس لیے آپ کے ساتھ کچھ غلط حرکتیں کر بیٹھے لیکن اب ہمارے دل میں خوفِ خُدا آ گیا ہے لہٰذا آپ ہمیں مُعاف کر دیجیے۔ بتایئے اس میں کس قدر بے عزّتی اور ذلّت ہوتی۔ زنا کو اللہ تعالیٰ نے اپنا حق رکھ کر اپنے بندوں کی عزّت و آبرو رکھی ہے کہ بس مجھ سے معافی مانگ لو، یہی دلیل ہے کہ اسلام بالکل سچا مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا دین ہے ورنہ انسانی عقل زنا کو حق العباد قرار دیتی۔

اسی طرح بعض نادان اور کم فہم لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں زنا کی سزا بہت سخت ہے کہ سنگسار کر دو یعنی پتھر مار مار کر ختم کر دو اور حکم یہ ہے کہ مجمع بھی لگا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اسلام کے اس قانون میں بھی بہت بڑی رحمت ہے۔ اگر ایک واقعہ بھی ایسا ہو جائے یعنی اس حکم پر ایک بار عمل کر لیا جائے تو پورا ملک زنا سے بچ جائے گا۔

اور یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ زنا کو ثابت کرنا مشکل کر دیا کہ چار گواہ ہوں اور اس طرح دیکھیں جیسے سلائی سُرمہ دانی میں جاتی ہے۔ کون ہے جو چار گواہوں کی موجودگی میں ایسی حرکت کرے گا اور گواہی کے لیے جس حالت میں دیکھنے کی شرط ہے وہ بھی انتہائی مشکل۔ تو اس کے ثبوت کو مشکل کر دیا تاکہ میرے بندے مُصیبت سے بچ جائیں۔ کیا یہ رحمت نہیں ہے۔

اور مزید رحمت یہ ہے کہ عدالت میں اگر جج پوچھے کہ کیا تم نے ایسا کیا تھا تو

انکار کرنا اقرار کرنے سے افضل ہے۔ یہاں جھوٹ بولنا سچ بولنے سے افضل ہے۔ یہاں جھوٹ بولنے کو اللہ نے پسند کر لیا کہ جھوٹ بول کر اپنی جان بچالو بس مجھ سے مُعافی مانگ لو، میں تمھیں مُعاف کر دوں گا، مجھے تم سے محبت ہے ہم تمہاری جان لینا نہیں چاہتے۔

آہ! اسلام کا ہر قانون رحمت ہی رحمت ہے مثلاً روزے میں اگر کوئی بڈھا آدمی بھول کر کھا رہا ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کو کھانے دو، یاد بھی نہ دلاؤ کہ تمہارا روزہ ہے۔ کیا یہ کرم اور مہربانی نہیں ہے اور اگر جوان بھول کر کھا رہا ہو تو اس کو روزہ یاد دلادو۔

اسی طرح حکم ہے کہ اگر بُخار ہے اور پانی نقصان کرتا ہے تو تیمّم کر لو۔ اگر ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ اگر تیمّم کریں گے تو تین دن میں اچھے ہو جائیں گے اور اگر گرم پانی سے وُضو کریں گے تو بجائے تین دن کے چار دن میں اچھے ہوں گے تو ایسی صُورت میں بھی تیمّم جائز ہے۔ ایک ہے اشتدادِ مرض یعنی مرض کا بڑھ جانا، اور ایک ہے امتدادِ مرض یعنی مرض میں تو شدت و اضافہ نہ ہو لیکن فائدہ دیر میں ہو، صحت دیر سے ہو تو اس صورت میں بھی تیمّم کو جائز کرنا کیا یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت نہیں ہے۔

خیر یہ تو درمیان میں دین کے بعض احکامات کے رموز و اسرار اللہ تعالیٰ نے بیان کرا دیے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا ہر حکم مبنی علی الرحمۃ ہے۔

شعرِ مذکور جس کی تشریح بیان ہوئی اس کا حاصل یہ ہے کہ گُناہوں سے نیکیاں ضایع ہو جاتی ہیں اور آدمی ولایتِ خاصہ سے محروم رہ جاتا ہے کیوں کہ ولایت کی بنیاد تقویٰ ہے اس لیے اگلے شعر میں مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں۔

اوّل اے جاں دفعِ شرّ موش کُن
بعد ازیں انبارِ گندم کوش کُن

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے میری جان! پہلے کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر نفس کے چوہے کے شر سے حفاظت کی ترکیب سیکھ لے اس کے بعد نیکیوں کا گندم جمع کرنے کی فکر کر کیوں کہ جتنا نیکیاں کمانا ضروری ہے اتنی ہی اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور

اس کا طریقہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کی اصلاح کرانا ہے تا کہ گُناہ چھوٹ جائیں، اور نیکیوں کا نور باقی رہے۔

دین پر استقامت اور اعمال کی بقاء کے لیے اہل اللہ کی صحبت اتنی ضروری ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ تبلیغی جماعت فرماتے ہیں کہ میں جب دین کی محنت کے لیے جاتا ہوں تو مخلوق میں اختلاط اور زیادہ میل جول سے نفس میں کچھ کثافت اور گندگی سی آجاتی ہے اس کو دور کرنے کے لیے میں اہل اللہ کی خانقاہوں میں جاتا ہوں تو دل مجلّٰی ہو جاتا ہے جیسے موٹر کار طویل سفر پر جاتی ہے تو پُرزوں میں کچھ میل کچیل لگ جاتا ہے لہٰذا اس کی ٹیوننگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور صفائی کے لیے کار کو کارخانے میں جس کو ورکشاپ کہتے ہیں بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح دل کی ٹیوننگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس کی ورکشاپ خانقاہیں ہیں کیوں کہ نفس چور ہے اس میں خفیہ طریقے سے کُچھ بڑائی کچھ دکھاوا آجاتا ہے۔ جن کا مشائخ اور عُلماء سے تعلق نہیں ہوتا ان کی گفتگو سے پتا چل جاتا ہے اور ان کی زبان سے بڑائی کی باتیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے دل میں کیا مرض پیدا ہو گیا۔ اس لیے چاہے کوئی مدرّس ہو، معلّم ہو، مبلّغ ہو، مصنّف ہو تزکیۂ نفس بغیر اہل اللہ کی صحبت اور تعلق کے نہیں ہوتا۔ ایک صاحب نے خود بتایا کہ میں اللہ کے فضل سے دین کے لیے کچھ وقت لگا کر جب کراچی واپس آیا تو مجھے تمام لوگ نہایت حقیر معلوم ہوئے کہ یہ سب غافل ہیں، انہیں دین کی فکر نہیں، عُلماء پنکھوں میں بیٹھ کر بُخاری شریف پڑھا رہے ہیں اور ہم لوگ دریائے سندھ کے کنارے جنگلوں میں جا کر دین پھیلا رہے ہیں، لیکن وہ ایک اللہ والے سے بیعت تھے، اُنہوں نے اپنے شیخ کو اپنا یہ حال بتایا کہ مجھے تو بڑے بڑے عُلماء تک شیطان نظر آرہے ہیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ سب سے بڑے شیطان تو تم ہو کیوں کہ تمہارے دل میں تکبّر پیدا ہو گیا۔ تم نے اپنے نفس کو مٹانا نہیں سیکھا۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اپنے سے بہتر سمجھو اور اپنے کو سب سے کمتر بلکہ جب تک خاتمہ ایمان پر نہیں ہو جاتا خود کو کافروں سے اور جانوروں سے بھی کمتر سمجھو اور تمہارا حال اتنا

خراب ہو گیا کہ عام مسلمان تو کجا تم عُلماء کو جو وارثینِ انبیاء ہیں، حقیر سمجھ رہے ہو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے:

لَا یَدۡخُلُ الۡجَنَّۃَ مَنۡ کَانَ فِیۡ قَلۡبِہٖ مِثۡقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنۡ کِبۡرٍ[۸۷]

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر بڑائی ہو گی اور ایک روایت میں ہے کہ **وَلَا یَجِدُ رِیۡحَھَا** داخلہ تو درکنار جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

اس سے پتا چلا کہ اہل اللہ سے تعلق کتنا ضروری ہے۔ اگر اس شخص کا کوئی شیخ نہ ہوتا تو یہ تو ہلاک ہو گیا تھا کیوں کہ شیطان نے دل میں تکبّر ڈال دیا تھا لیکن شیخ کی ڈانٹ سے سارا تکبر نکل گیا۔ یہ تکبّر اتنا بڑا ایٹم بم ہے کہ حج اور عمرے تہجد و تلاوت و ذکر و نوافل سب کو اُڑا دیتا ہے۔

اسی طرح چاہے کتنا ہی بڑا عالم ہو، محدث ہو، شیخ الحدیث ہو، بُخاری پڑھا رہا ہو اگر اللہ والوں سے اصلاحی تعلق نہ ہو گا تو آپ اس کے علم و عمل میں فاصلے دیکھیں گے۔ چاہے علم کا سمندر ہو اگر اصلاح نہ کرائی ہو گی تو آپ دیکھیں گے کہ ہوائی جہاز میں ایئرہوسٹس سے مُسکرا مُسکرا کر اور اس کی طرف دیکھ دیکھ کر باتیں کر رہا ہو گا اور **زِنَا الۡعَیۡنِ النَّظَرُ**[۸۸] کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت **لَعَنَ اللہُ النَّاظِرَ وَالۡمَنۡظُوۡرَ اِلَیۡہِ**[۸۹] کا علم اس کی طاقِ نسیان میں ہو گا۔

مولانا رومی نے اس شعر میں یہی نصیحت فرمائی ہے کہ جتنا نیکیاں کمانا ضروری ہے ان کی حفاظت کا اہتمام بھی اتنا ہی ضروری ہے جو نفس کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوتا اور نفس کی اصلاح موقوف ہے صحبتِ اہل اللہ پر۔

---

[۸۷] صحیح مسلم: ۱/۶۵، باب تحریم الکبر وبیانہ، ایچ ایم سعید

[۸۸] صحیح البخاری: ۲/۹۲۲، ۹۲۳ (۶۲۷۵)، باب زنا الجوارح دون الفرج، المکتبۃ المظہریۃ

[۸۹] کنز العمال: ۷/۳۳۸، (۱۹۱۶۲)، فصل فی احکام الصلوۃ الخارجۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴؍ جنوری ۱۹۹۸ء بروز چہار شنبہ
(بُدھ) ۷ بجے صبح در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

نالہ کردم کہ تو علّامُ الغُیوب
زیرِ سنگِ مکرِ بد مارا مکوب

اے خدا! میں آپ سے رو رو کر نالہ و فریاد کر رہا ہوں اور میرے رونے اور نالہ و فریاد کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کیوں کہ آپ **عَلَّامُ الْغُیُوْبِ** ہیں، میرے سب بھیدوں سے واقف ہیں، میری نالائقیوں سے اور میرے گُناہوں سے باخبر ہیں، میرا کوئی حال آپ سے پوشیدہ نہیں، مخلوق سے تو ہم اپنا حال چھپاسکتے ہیں لیکن کون ہے جو آپ سے اپنی کسی حالت کو چھپاسکے لہٰذا جب آپ کو ہمارا سب حال معلوم ہے تو آپ سے رونے اور معافی مانگنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ اللہ سے یوں مانگا کرو کہ **اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ** اے اللہ! آپ مجھے رسوا نہ کیجیے کیوں کہ آپ مجھے خوب جانتے ہیں، آپ کو میرے ہر عیب اور ہر گُناہ کا علم ہے اور جس کو کسی کی کمزوریوں کا اور نالائقیوں کا علم ہو وہ جب چاہے اسے رسوا کر سکتا ہے پس صرف اپنے کرم سے مجھے رسوا نہ کیجیے کیوں کہ مجھے رسوا کرنا آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے **وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ**[۹۰] اور مجھے عذاب نہ دیجیے کیوں کہ آپ مجھ پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ میں آپ کی قدرتِ قاہرہ کاملہ غالبہ سے بھاگ کر کہاں جاسکتا ہوں، جہاں جاؤں گا وہ آپ کی زمین ہوگی اور جہاں بھاگوں گا وہ آپ کا آسمان ہوگا لہٰذا جب آپ مجھ پر ہر طرح قادر ہیں تو **تَفَضَّلْ عَلَیْنَا بِفُنُوْنِ الْاٰلَاءِ مَعَ اسْتِحْقَاقِنَا**

---

[۹۰] کنز العمال: ۲/ ۷۰۱، (۵۱۲۶)، مؤسسة الرسالة

بِاَفَانِیْنِ الْعِقَابِ[۹۱] طرح طرح کے عذابوں کے مستحق کو عذاب نہ دیجیے اور کیوں کہ آپ کریم ہیں تو بجائے عذاب کے مجھ پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دیجیے۔

تو مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہے ہیں کہ اَے عَلَّامُ الغُیوب جب آپ ہمارے تمام بھیدوں سے اور ہمارے گُناہوں کے تمام حوادث وواقعات سے لیلاً و نہاراً باخبر ہیں تو نفس و شیطان کے مکر اور بُری تدبیروں کے پتھر کے نیچے ہماری کٹائی نہ ہونے دیجیے، گُناہوں پر اصرار کی نحوست سے گُناہوں کے تقاضوں میں شدت آگئی ہے لہٰذا اے اللہ! ہماری مدد فرمایئے اور مُجاہدۂ شدیدہ کو آسان فرما دیجیے۔ ان تقاضوں سے ہم کو بہت تکلیف ہے کیوں کہ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ ہم سے گناہ نہ ہو، ہم گُناہوں سے بچنا چاہتے ہیں۔

لہٰذا اس کا کیا علاج ہے؟ حدیثِ پاک میں ہے کہ جب کُفر کا وسوسہ آئے تو کہو اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اسی طرح جب گُناہ کا خیال آئے یا کسی حسین اور نمکین شکل پر نظر پڑ جائے اور قلب کا قبلہ مولیٰ کی طرف سے ہٹ کر ایک اعشاریہ بھی لیلیٰ کی طرف مائل ہونے لگے تو فوراً پڑھو اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ مگر نظر ہٹا کر۔ یہ نہیں کہ دیکھے بھی جارہے ہیں اور پڑھے بھی جارہے ہیں کیوں کہ اس وقت آپ کا یہ قول بلا عمل ہوگا بلکہ جو عمل صادر ہو رہا ہے حرام نظر کا وہ مُوجِبِ لعنت ہے اور جب لعنت برسے گی تو یہ پڑھنا کیسے مؤثر ہوگا لہٰذا حسینوں سے نظر ہٹا کر اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ کہنا ایمان باللہ واِیْمَان بِالرُّسُل کی عملی و قلبی تصدیق ہے کیوں کہ عمل قلب کی تصدیق کو ظاہر کرتا ہے کہ ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر تو ان شاء اللہ! آپ کا قلب بلادِ لیل لیلیٰ سے ہٹ کر پھر مولیٰ کی طرف آجائے گا۔ یہ جامعِ صغیر کی حدیث ہے۔ علامہ جلالُ الدین سیوطی رحمۃُ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی برکت سے قلب غیر اللہ کے وسوسوں سے پاک ہو جائے گا اور اللہ کی عظمت اور رسولوں کی عظمت دل میں آجائے گی۔ عظمتِ خُداوندی اور عظمت رسالت کی برکت سے غیر اللہ کے کیڑوں اور وساوس کے

---

[۹۱] روح المعانی: ۴۲/۱۱، ذُکر تفسیرہ فی سورۃ التوبۃ: ۱۱۷، دار احیاء التراث، بیروت

جراثیم پرڈی ڈی ٹی چھڑک جائے گی یعنی غیر اللہ سے دل پاک ہو جائے گا۔

یَا کَرِیۡمَ الۡعَفۡوِ سَتَّارَ الۡعُیُوۡبِ
انتقام از ما مکش اندر ذنوب

ارشاد فرمایا کہ کریم کے معنٰی ہیں **اَلَّذِیۡ یُعۡطِیۡ بِدُوۡنِ الۡاِسۡتِحۡقَاقِ وَالۡمِنَّۃِ**[92] وہ ذات جو بغیر استحقاق عطا فرمادے، جس کا حق نہ بنتا ہو اسے بھی دے دے، جو عطاو بخشش کا مستحق نہ ہو اسے بھی محروم نہ کرے۔ مولانا رومی دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگرچہ ہم مُعافی کے قابل نہیں مگر چوں کہ آپ کریم ہیں اس لیے نا قابلِ مُعافی کو مُعافی دے دیجیے اور ہمارے گُناہوں کے آثار و نشانات کو بھی مٹادیجیے۔ عفو کے معنٰی ہیں **اِمۡحَاءُ اٰثَارِ الذُّنُوۡبِ**[93] جس کو اللہ مُعاف کرتا ہے اس کے گُناہوں کے آثار و نشانات اور گُناہوں کی شہادتوں اور گواہیوں کو بھی مٹادیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا تَابَ الۡعَبۡدُ اَنۡسَی اللّٰہُ الۡحَفَظَۃَ ذُنُوۡبَہٗ وَاَنۡسٰی ذٰلِکَ جَوَارِحَہٗ وَمَعَالِمَہٗ مِنَ الۡاَرۡضِ حَتّٰی یَلۡقَی اللّٰہَ وَلَیۡسَ عَلَیۡہِ شَاھِدٌ مِّنَ اللّٰہِ بِذَنۡبٍ[94]

جب بندہ اللہ سے مُعافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ **کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ**[95] کی گواہی کو مٹادیتا ہے۔ گناہ کا پہلا اثر جو قائم ہوتا ہے وہ کراماً کاتبین کی گواہی ہے کہ وہ ہمارے اعمال نامہ میں اس گُناہ کو لکھ لیتے ہیں۔

اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاھِھِمۡ وَتُکَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡھِمۡ وَتَشۡھَدُ اَرۡجُلُھُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ[96]

---

[92] مرقاۃ المفاتیح: ۳/۲۱۲، باب التطوع، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

[93] روح المعانی: ۳/۷۱، البقرۃ (۲۸۶)، دار احیاء التراث، بیروت

[94] کنز العمال: ۴/۲۰۹ (۱۰۱۷۹) باب فضل التوبۃ والترغیب فیھا، مؤسسۃ الرسالۃ

[95] الانفطار: ۱۱-۱۲

[96] یٰسٓ: ۶۵

قیامت کے دن ہمارے ہاتھ پاؤں گواہی دینے لگیں گے کہ اے اللہ! ہم فلاں فلاں گُناہ کیا کرتے تھے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

چشم گوید کردہ ام غمزہ حرام
گوش گوید چیدہ ام سوء الکلام

آنکھ کہے گی کہ میں نے حرام اشارہ بازی کی ہے اور کان کہے گا کہ میں نے بُری بُری باتیں سُنی ہیں، گانا سُنا ہے، لوگوں کی غیبت سُنی ہے وغیرہ۔

لب بگوید من چُنیں بوسیدہ ام
دست گوید من چُنیں دزدیدہ ام

ہونٹ کہیں گے کہ ہم نے حرام بوسے لیے ہیں اور ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے فلاں فلاں کا مال چرایا ہے۔ لیکن بندہ جب توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اعضاء کی گواہی کو بھی مٹادیتے ہیں اور حقّ العباد کی توبہ یہ ہے کہ بندے کا حق واپس کرے یا اس سے مُعاف کرائے اور تیسری گواہی اعمال نامے ہیں وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ[97] پس توبہ کی برکت سے جب اللہ تعالیٰ فرشتوں ہی کو بھلادیں گے تو اعمال نامہ سے مٹانا خود لازم آتا ہے اور گُناہوں کا چوتھا گواہ زمین کا وہ ٹکڑا ہے جہاں بندہ گُناہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا[98]

جب زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: زمین کی پُشت پر جو اعمال کیے جارہے ہیں زمین ان کی گواہی دے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ توبہ کی برکت سے زمین کی گواہی کو بھی ختم کردیں گے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے خلاف کوئی شاہد اور گواہ نہ ہوگا۔

---

[97] التکویر:۱۰

[98] الزلزال:۴

مولانا رومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! مُعافی دینے میں آپ بے حد کریم ہیں اور جس کو آپ مُعاف فرمادیتے ہیں اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ علّامہ آلوسی نے مغفرت کے معنیٰ لکھے ہیں بِسَتْرِ الْقَبِیْحِ وَاِظْهَارِ الْجَمِیْلِ[۹۹] جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتے ہیں اس کے عیوب کو چُھپادیتے ہیں اور اس کی نیکیوں کو ظاہر فرمادیتے ہیں پس اے اللہ! ہمارے عیوب اور گناہوں کو بھی مخلوق کی نظر سے چُھپادیجیے کیوں کہ آپ کی ہر صفت غیر محدود ہے اس لیے آپ کا پردۂ ستاریت بھی غیر محدود ہے اور ہمارے گُناہوں کی تعداد کمّاً وکیفاً محدود ہے چاہے لاکھوں کروڑوں اور اربوں میں ہو۔ تعداد کا استعمال محدود پر ہوتا ہے، غیر محدود کو دائرۂ تعداد میں نہیں لایا جاسکتا اس لیے ہمارے گُناہوں کی تعداد کتنی ہی اکثریت میں ہو لیکن آپ کی غیر محدود مغفرت کے سامنے اقلیت میں ہے کہ کیوں کہ کثیر محدود اپنی اکثریت کے باوجود غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے۔ اسی لیے حدیثِ پاک کی دُعا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ رَحْمَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ[۱۰۰]

اے اللہ! آپ کی رحمت میرے گُناہوں سے زیادہ وسیع ہے پس ہمارے محدود گُناہوں کو اپنے غیر محدود پردۂ ستاریت میں چُھپادیجیے جیسے کسی چیونٹی پر کوئی مُصیبت آرہی ہو، مثلاً تیز بارش یا کوئی اور بلا آرہی ہو اور وہ کسی کریم سے کہے کہ اپنی دس گز کی چادر میں مجھ کو چھپالیجیے، اس میں کہیں ذراسی پناہ دے دیجیے کیوں کہ آپ کی دس گز کی چادر کا چھوٹا سا گوشہ بھی میرے وجود کو چھپانے کے لیے کافی ہے اور مجھے اس میں چھپانا آپ کے لیے کچھ مُشکل نہیں۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ستار العیوب ہیں، غیر محدود پردۂ ستاریت کے مالک ہیں، میرے محدود لیکن کثیر گناہوں کو اپنے غیر محدود پردۂ ستّاریت میں چُھپادیجیے۔ اگلے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

انتقام ازما مکش اندر ذُنُوب

---

[۹۹] روح المعانی: ۳/۷۱، البقرۃ (۲۸۶)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۰۰] التفسیر المظھری: ۱/۴۵۷، النساء (۳۱)، المکتبۃ الرشدیۃ

میرے گُناہوں کی وجہ سے اے اللہ! آپ مجھ سے انتقام نہ لیجیے کیوں کہ فَاِنَّكَ عَلَیَّ قَادِرٌ آپ مجھ پر پوری طرح قادر ہیں اور ایسے قادر ہیں کہ جس طرح چاہیں مجھ پر عذاب نازل کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے چیونٹی کسی ہاتھی سے کہے کہ صاحب! مجھے معاف کر دیجیے کیوں کہ میں آپ کے انتقام کے قابل نہیں ہوں۔ اگر آپ بلا ارادہ ہی مجھ پر اپنا پیر رکھ دیں تو میرا برادہ نکل جائے گا اور میرا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ہاتھی کیا چیز ہے، بے شمار ہاتھی بھی اس کے سامنے کچھ نہیں۔ اس لیے مولانا رومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم آپ کے انتقام کے قابل نہیں، ہمارے گُناہوں کو مُعاف فرما دیجیے اور ہم سے انتقام نہ لیجیے کیوں کہ ہمارے گُناہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، ہمارے گُناہوں سے ہم کو ہی ضرر پہنچتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ:

یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ
فَاغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّكَ وَھَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُكَ

اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور مُعاف کرنے سے جس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی! پس میرے ان گُناہوں کو بخش دیجیے جو آپ کو کچھ مضر نہیں اور مجھے وہ مغفرت عطا فرمائیے جو آپ کے یہاں کم نہیں ہوتی۔

از شرابِ قہر چوں مستی دہی
نیست ہارا صورتِ ہستی دہی

ارشاد فرمایا کہ قہر کے معنیٰ ہیں عذاب۔ شرابِ قہر کے معنیٰ ہیں گناہوں کی مستی جو موجبِ عذاب ہوتی ہے جس کی دلیل:

لَعَمْرُكَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَكْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ[۱۰۱]

ہے کہ قومِ لُوط والے اپنے نشے میں مست ہو رہے تھے جس کے بعد عذاب نازل ہو گیا۔

---

[۱۰۱] الحجر:۷۲

معلوم ہوا کہ ایک شرابِ قہر ہے اور ایک شرابِ مہر ہے یعنی اللہ کی محبت کی شراب۔ وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ[۱۰۲]

اللہ تعالیٰ جس کے لیے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔ یہ شرحِ صدر ہی شرابِ محبتِ الٰہیہ ہے جس کی علامت کیا ہے؟ اس کی علامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں کہ جس کو یہ شرابِ محبت عطا ہوتی ہے تو فانی چیزوں سے اس کا دل ہٹ جاتا ہے، دنیائے فانی سے اس کا دل اُچاٹ ہو جاتا ہے اور آخرت کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور موت سے پہلے موت کی تیاری کی اس کو توفیق ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس مسلسل نافرمانی و طغیان و سرکشی و فسق و فجور کے سبب اللہ تعالیٰ جس سے انتقام لینا چاہتا ہے، جس کو برباد کرنا چاہتا ہے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس کو قہر و عذاب کی شراب پلا دیتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گُناہوں کی چیزوں میں اس کو بڑا نشہ اور مستی آتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو ظُلم سے پاک ہے بلکہ یہ اس کی نافرمانی و سرکشی کا ثمرہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ[۱۰۳]

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر جو مہر لگا دی اس کا سبب ان کا کُفر ہے کیوں کہ اُنہوں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ ہمیشہ کُفر ہی پر قائم رہنا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنے قہر و غضب و عذاب کی شراب پلاتا ہے اس کی علامت کیا ہوتی ہے ؎

نیست ہا را صورتِ ہستی دہی

اس کے دل میں فانی چیزوں کی بڑی اہمیت آجاتی ہے، دنیائے فانی اس کو بڑی حسین اور مہتم بالشّان معلوم ہوتی ہے کہ آہ! کیسی پیاری شکل ہے، فانی چاکلیٹ پر وہ پاگلیٹ ہو جاتا

---

[۱۰۲] الانعام:۱۲۵

[۱۰۳] النساء:۱۵۵

ہے۔ پس جن شکلوں کو دیکھ کر دل میں مستی آنے لگے تو سمجھ جاؤ کہ یہ قہرِ الٰہی ہے، یہ اللہ کی محبت کی شراب نہیں ہے بلکہ ہوشیار ہو جاؤ کہ یہ اللہ کے عذاب کی شراب آ رہی ہے، فوراً اللہ کے خوف اور عذاب اور جہنم کا مراقبہ کرو اور ان کے مستقبل کی فنائیت اور قبرستان میں ان کے فنا ہو جانے کو یاد کرو اور سوچو کہ زندگی ہی میں ان کی شکل ایسی بگڑ جائے گی کہ آپ ان کو دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ ایک سولہ سال کی کم عمر حسینہ کو اگر دیکھ بھی لیا تو پھر اسی کو اَسّی سال میں کس حال میں دیکھو گے لہٰذا جوانی ہی میں اس کے بڑھاپے کو سوچو تو اپنی جوانی اس پر فدا نہیں کرو گے۔ اس پر میرا شعر ہے ؎

اُن کے بچپن کو اُن کے بچپن سے
پہلے سوچو تو دِل نہیں دو گے

◆ ◆ ◆ ◆

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۶ر رمضانُ المبارک ۱۴۱۸؁ھ بمطابق ۱۵ر جنوری ۱۹۹۸؁ء بروز جمعرات

بوقت ساڑھے چھ بجے صبح در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

گر ز چاہے می کُنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر کسی کنویں سے تم روزانہ مٹی نکالتے رہو گے تو ایک دن تم کو پاک و صاف پانی مل جائے گا۔ اس شعر میں پورا سلوک ہے، پورا تصوّف اور پوری فقیری ہے۔ جب میں معارفِ مثنوی لکھ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو خواب میں اس کی شرح عطا فرمائی کہ پانی کھودتے وقت چار منزلیں آتی ہیں۔ سب سے پہلے سوکھی مٹی نکلتی ہے جس میں پانی کا نشان تک نہیں ہوتا مگر تواتر سے اہلِ تجربہ پر یقین کرتے ہوئے آدمی کام کرتا ہے اور سوکھی مٹی نکالتا رہتا ہے، آٹھ دس فٹ تک خالی سوکھی مٹی آتی ہے لیکن وہ مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب مٹی میں تھوڑی تھوڑی نمی آتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے کہ اب معلوم ہوتا ہے پانی کی منزل قریب آرہی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا کہ مٹی اور پانی پچاس پچاس فیصد آنے لگتا ہے یعنی آدھا پانی آدھی مٹی جس کو کیچڑ کہتے ہیں، اس منزل تک جب آدمی پہنچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اب ہم پانی کو پاگئے لیکن اہلِ تجربہ کہتے ہیں کہ ابھی صبر نہ کرنا، کیچڑ پر قناعت نہ کرنا، ابھی اور کھدائی کرو، اور محنت و مُجاہدہ کرو یہاں تک کہ پھر بالکل صاف پانی آجاتا ہے۔ یہ چار منزلیں ہو گئیں۔

میرے قلب میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سلوک کے بھی چار منازل ہیں۔ شروع شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں آپ کو مزہ نہیں آئے گا خشک مٹی

معلوم ہوگی مگر مولانا فرماتے ہیں کہ تم نام لیتے رہو کچھ عرصہ بعد اللہ کے دریائے قُرب کی نمی آنے لگے گی، آپ کے جسم کی مٹی اللہ کے نام کی تھوڑی لذّت محسوس کرنے لگے گی اس وقت آپ خوش ہوجائیں گے کہ منزل قریب آرہی ہے۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ آدھا پانی آدھی مٹی آنے لگے گی، یہ کیچڑ والا زمانہ ہے کہ طاعتوں کے انوار ابھی ظلماتِ معاصی سے ممزوج ہیں، قُرب کا آبِ صاف ابھی نصیب نہیں ہوا لیکن یہ حالت بھی سالک کو مست کررہی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

جرعہ خاک آمیز چُوں مجنوں کُند
صاف گر باشد ندانم چوں کُند

یہ مولانا رومی ہیں، بہت بڑے شخص ہیں، فرماتے ہیں کہ خاک ملا ہوا گھونٹ تمہیں مست کررہا ہے، تم اپنی ان نیکیوں سے مست ہورہے ہو جن میں ابھی گُناہوں کی مٹی کی آمیزش ہے تو جس دن تم اللہ کے قُرب کا صاف پانی پیو گے میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہارا کیا حال ہوگا، ابھی قُربِ ناقص سے جب تم اتنے مست ہورہے ہو تو جس دن گُناہوں سے بالکل پاک ہوجاؤ گے اور اللہ کا قُربِ خاص نصیب ہوگا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تم پر کیا کیفیت طاری کرے گا، لہٰذا اس جرعۂ خاک آمیز پر قناعت نہ کرو، ابھی اور محنت کرو، مُجاہدہ کرکے ہر نافرمانی چھوڑ دو، ایک حرام لذّت قلب میں نہ آنے دو تو دریائے قُرب کا صاف پانی تمہیں مل جائے گا اور پھر دل کو ایسی مستی وخوشی عطا ہوگی جس کی لذّت کو ساری دنیا کی لُغت بیان نہیں کرسکتی لیکن یہ باتیں خالی علوم کی نہیں ہیں اعمال کی ہیں۔ علوم کا مزہ جب ہے جب عمل ہو اور عمل کا مزہ جب ہے جب اخلاص ہو اور اخلاص کا مزہ جب ہے جب تابعِ صدق ہو، تابعِ رضائے الٰہی ہو۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

آں یکے در کنجِ مسجد مست وشاد
واں یکے در باغ ترش و نامُراد

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد کے گوشے میں بیٹھا ہوا اللہ کی یاد میں مست ہے اور دوسرا شخص باغ میں بیٹھا ہوا ہے، چاروں طرف اسبابِ

راحت ہیں لیکن غمگین ہے کیوں کہ دل میں غم ہے۔ دل کا چین اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسبابِ راحت میں بے چین کر سکتا ہے اور اسبابِ غم میں خوش رکھ سکتا ہے، وہ جھونپڑی میں چین دے سکتا ہے اور محل میں بے چین رکھنے پر قادر ہے، چٹنی روٹی میں چین دے سکتا ہے اور بریانی و کباب میں دل پر عذاب دے سکتا ہے، مولانا رومی فرماتے ہیں کہ وہ کانٹوں میں ہنسا سکتا ہے اور پھولوں میں رُلا سکتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر خوش رہنا چاہتے ہو تو اسبابِ راحت جمع کرنے کی فکر نہ کرو خالقِ اسباب کو راضی کرو تو بغیر اسبابِ راحت کے چین پا جاؤ گے۔ جس لمحہ اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کرو گے اسی لمحے سے دل کی خوشی کا آغاز ہو جائے گا، جو اللہ کی طرف چلتا ہے اللہ کے قُرب کی ٹھنڈک شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃُ اللہ علیہ کے ساتھ ہم لوگ دلّی جا رہے تھے کہ راستہ بھٹک گئے اور اس سڑک پر آ گئے جو دریا کی طرف جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ یہ راستہ دریا کو جا رہا ہے کیوں کہ ہوا میں ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کا نام لینا شروع کرتا ہے اللہ کی طرف چلنا شروع کرتا ہے اطمینان اور چین کی ٹھنڈک اس کے دل میں آنی شروع ہو جاتی ہے کیوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے ذکر میں یہ خاصیت ہے کہ بے چین اور پریشان دل جب میرا نام لیتا ہے تو اس کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[۱۰۴]

اَلَا، اَمَا، ھَا، یہ حروفِ تنبیہ کہلاتے ہیں۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے تھے کہ خبر دار! اپنے کانوں سے غفلت کی روئی نکال دو، خوب غور سے سُن لو کہ اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو چین ملے گا، روپے پیسے سے چین نہیں ملے گا، محلّوں اور بلڈنگوں سے چین نہیں ملے گا، بریانی اور کباب سے چین نہیں ملے گا، دل کا چین اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے ورنہ مُنہ میں کباب ہو گا اور دل پر عذاب ہو گا۔ چاہے ساری دنیا کے

---

[۱۰۴] الرعد: ۲۸

اسبابِ راحت اور اسبابِ خوشی جمع کرلو اگر اللہ ناخوش ہے تو کسی چیز سے چین نہیں پاسکتے۔ دلوں کا چین صرف اللہ ہی کی یاد میں ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

خُدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

چٹائی پر ملے گا تختِ شاہی
اگر حاصل کرو عشقِ الٰہی
کُھلا کیا راز سلطانِ بلخ پر
فقیری لی ہے دے کر تاجِ شاہی

یہ دونوں شعر اخترؔ کے ہیں جو آپ سے خطاب کر رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد سے قلب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے لیکن اللہ کی یاد کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے اللہ کو راضی رکھنا اور اللہ کی نافرمانی کر کے اللہ کو ناراض نہ کرنا اس کا نام اللہ کی یاد ہے اور اس میں رسوخ حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے کہ ایک لمحے کو اللہ سے غافل نہ ہو۔ اللہ کی راستے کے مُجاہدات اور تقویٰ کا غم یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا غم اُٹھانے سے قلب کو ایک مزاجِ سالمیت عطا ہوتا ہے، مزاج میں سلامتی آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کی راہوں سے ایک ذرّہ خوشی لینا وہ اپنی ایمانی غیرت کے خلاف سمجھتا ہے۔ اگر غیر شعوری طور پر بھی کسی شکل سے حرام نمک کے مزہ کا ایک ذرّہ آجائے تو اس کے قلب کے تھرمامیٹر میں آجاتا ہے۔ جیسے بجلی کہیں شارٹ ہو رہی ہو تو ٹیسٹر میں بجلی جل جاتی ہے جس سے پتا چل جاتا ہے کہ یہاں سے بجلی ضایع ہو رہی ہے۔ اسی طرح جب ایمان ضایع ہونے کا نقطۂ آغاز اور زیرو پوائنٹ شروع ہوتا ہے تو فوراً اس کے قلب کا ٹیسٹر بتا دیتا ہے کہ یہاں سے کوئی حرام لذّت، اللہ کی نافرمانی کی راہ سے کوئی خوشی آرہی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ تنبیہ عطا فرماتے ہیں۔ پھر وہ سالک کہتا ہے کہ اے اللہ! آپ کی ناخوشی کی راہ سے اگر ایک اعشاریہ خوشی بھی ہمارے دل میں آگئی تو ہم ندامت کے ساتھ آپ سے مُعافی چاہتے ہیں کیوں کہ آپ کو

ناخوش کرکے ہم خوشی حاصل کریں یہ ہماری بندگی، آدابِ بندگی، حقوقِ بندگی اور شرافتِ بندگی کے خلاف ہے۔

لہٰذا ایئرپورٹ پر ہو، یا ہوائی جہاز پر ہو، یا بازار میں ہو، کہیں بھی ہو اگر کوئی ایسی شکل سامنے آجائے جس سے دل ذرا سا بھی خوش ہو جائے تو سمجھ لو یہ فرحت مؤمن کے لیے زہرِ قاتل ہے، اللہ کی دوستی کے حصول کے لیے سخت مضر ہے۔ اللہ کو ناخوش کرکے ایک ذرّہ خوشی دل میں لانا اس کو معمولی گُناہ مت سمجھو۔ اس سے دل کا قبلہ ہی بدل جاتا ہے، جو قلب نوّے ڈگری اللہ کی طرف متوجہ تھا اس کو ایسا نقصان پہنچتا ہے کہ اللہ سے اس کا ایک سو اسّی ڈگری انحراف ہوتا ہے کہ دل کا رُخ اس حسین کی طرف اور پُشت اللہ کی طرف ہو جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ اور ایمان کی تازگی اور اللہ کی لذّتِ قُرب کے باغ میں آگ لگ جاتی ہے کیوں کہ بدنظری گُناہِ کبیرہ ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سال دو سال کسی پودے کو کھاد پانی دو یہاں تک کہ وہ لہلہانے لگے اور پھر وہیں اس کے قریب اگر کسی نے آگ لگا دی تو سال دو سال کی محنت ضایع ہو جائے گی اور اس پودے کے پھول پتّے سب مُرجھا جائیں گے۔ اسی طرح گُناہِ کبیرہ سے نسبت مع اللہ کو اتنا ہی نقصان پہنچتا ہے۔ ذکر و تہجد و تلاوت اور شیخ کی محبت سے اللہ کے تعلق کا جو باغ لگا ہوتا ہے گُناہِ کبیرہ یعنی بدنظری وغیرہ سے ایمان کا وہ ہرا بھرا پودا جل جاتا ہے۔ پھر ایک عرصہ لگے گا تب جاکر دوبارہ یہ ہریالی آئے گی۔ اس لیے قلب کی سلامتی کی علامت یہی ہے کہ حرام خوشی کے اسباب کو دیکھ کر وہ مست نہیں ہوتا بلکہ نادم ہوکر مستغفر ہو جاتا ہے اور جو صاحبِ نسبت نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق خاص نصیب نہیں ہے وہ مست ہو جاتا ہے، وجد کرنے لگتا ہے، اس کے نفس کا سانپ جھومنے لگتا ہے کہ آہا! کیسی پیاری شکل آرہی ہے، اب خُوب دیکھیں گے تو سمجھ لو کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے قربِ ولایت سے محروم ہے، اس کے مزاج میں ابھی دوزخی مزاج شامل ہے، اعمالِ دوزخ سے اس کی مناسبت ابھی ختم نہیں ہوئی، اللہ کے دیے ہوئے رزق سے طاقت حاصل کرکے ان طاقتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص اہل اللہ کے مقامِ صدق اور مقامِ وفا سے بہت دور ہے، یہ اللہ کے

راستے میں انتہائی بے وفا اور غدّار ہے کہ اللہ کی روٹیاں کھا کر نفس و شیطان کی بات مان رہا ہے اور جو صاحبِ نسبت ہے، صاحبِ ولایت ہے، صاحبِ قسمت ہے اور صاحبِ دولتِ قُرب ہے حسینوں کو دیکھ کر اس کے قلب میں لرزیدگی آئے گی، وہ کانپنے لگے گا کہ یا اللہ! بچا اور میرے حال پر رحم فرما، میں آپ کو ناراض کرکے اپنے دل کو خوش نہیں کرنا چاہتا۔ جب یہ جذبہ نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ آج اس کو اللہ کی دوستی نصیب ہو گئی، اللہ سے اس کا تعلق قوی ہو گیا اور نفس سے تعلق کمزور ہو گیا، یہ دُشمن کی گود سے نکل گیا اور دوست کی گود میں آگیا، اللہ کی آغوشِ رحمت میں یہ شخص مقبول ہو گیا۔

لٰہذا ہم سب اللہ سے اللہ کی ایسی محبت مانگیں کہ ایک لمحہ اس مالک کو ناخوش کرکے اپنے دل میں حرام خوشیاں نہ لائیں کیوں کہ اس نمک حرامی میں انسانیت کا زوال ہے، عروج نہیں ہے خروج ہے۔ ایسی خوشیاں ذکر اللہ کے منافی ہیں اور اطمینانِ قلب کا مدار ذکر پر ہے تو جب قلب ذکر سے محروم ہو گیا تو اطمینان سے بھی محروم ہو جائے گا، نہایت بے اطمینانی اور بے چینی کی زندگی رہے گی۔ بتایئے قرآنِ پاک کی یہ آیت کیا دلالت کرتی ہے کہ غیر اللہ سے چین اور خوشیاں لینے والا اطمینان پائے گا یا بے چینی پائے گا؟ ارے! اللہ سے دور ہو کر چین کا خواب بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ لٰہذا اللہ سے دُوری ہم سب کو اتنی ناپسندیدہ ہو جائے جیسے مچھلی کو پانی سے دوری میں بے چینی شروع ہو جاتی ہے اور پانی سے دور ہوتے ہی مچھلی تڑپ کر دریا میں جاتی ہے، آہستہ نہیں جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ[۱۰۵] ہماری یہ آیت دلیل ہے کہ تمہاری جانیں مچھلی ہیں اور ہمارا دریائے قُرب تمہارے لیے حیات ہے۔ اگر تم نے ہم کو ناراض کرکے حرام خوشی درآمد کی تو جیسے مچھلی پانی کے باہر تڑپتی ہے تم بھی تڑپتے رہو گے لٰہذا میری طرف آہستہ مت آنا، توبہ میں دیر مت کرو، غلط ماحول کو آہستہ آہستہ مت چھوڑو بلکہ جلدی تڑپ کر میرے پاس آجاؤ فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ اَیْ عَمَّا سِوَی اللّٰہِ[۱۰۶] غیر اللہ سے فرار اختیار کرو اور فرار کے معنیٰ ہیں کہ فوراً بھاگو، خراب حالت میں ایک لمحہ قرار مت پکڑو، ایک لمحہ کسی

---

[۱۰۵] الذّٰریٰت:۵۰

[۱۰۶] روح المعانی:۲۷/۲۵، ذکرہ فی اشارات سورۃ الذّٰریٰت

نامحرم کے چہرے اور گالوں اور بالوں پر نظر نہ ٹھہراؤ، قرار چاہے ایک سیکنڈ کا ہو یا دس گھنٹے کا قرار تو ہے اور فرار کے خلاف ہے۔ فَفِرُّوْٓا کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم فوراً غیر اللہ سے فرار اختیار کریں، ایک لمحہ کو قرار نہ پکڑیں، ایک سیکنڈ کو کسی حسین پر نظر نہ ڈالیں۔ ایک فرانسیسی ائیر ہوسٹس ہوائی جہاز پر میر صاحب سے تعویذ لینا چاہتی تھی، اسے کچھ پریشانی تھی، وہ سیٹ کے قریب زمین پر بیٹھ کر باادب ان سے پوچھ رہی تھی اور میر صاحب نظریں نیچے کر کے اُسے بتا رہے تھے۔ اگر یہ صحبت یافتہ نہ ہوتے تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آئی سی، آئی سی (I see I see) کرتے اور آئی سی سے ان کی سی سی حرام لذّت سے بھر جاتی۔ اس لیے اللہ کے راستے میں اللہ کی ناخوشی کی راہوں سے زیادہ نہیں صرف ایک ذرّہ خوشی کی بدمستیوں سے جھوم کر آہا آہا کرنے سے کام نہیں چلے گا، آہ آہ سے کام چلے گا، آہا آہا نہیں چاہیے، آہ آہ چاہیے۔ اللہ کے راستے کا غم اُٹھا لو لیکن ایک ذرّہ حرام خوشی سے اپنا دل خوش نہ کرو اور دُعا کرو کہ اے اللہ! ہماری زندگی آپ کے لیے وقف ہو جائے۔ آپ ہی نے ہم کو زندگی دی ہے اور اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر کس کا حق ہے جس پر ہم اپنی زندگی کو وقف کریں۔ جب اللہ ہی نے ہمیں حیات دی ہے تو اللہ کے لیے ہی ہماری حیات وقف ہونی چاہیے لیکن ہم اپنے اجزاء تو وقف لِلّٰہ کرتے ہیں مثلاً کتاب دے دی، پیسہ دے دیا، غلہ دے دیا اور مہتمم سے کہہ دیا کہ یہ وقف لِلّٰہ ہے مگر ذرا اپنی ذات کو بھی تو وقف للہ کرو۔ خیرات تو وقف لِلّٰہ کرتے ہو، حیات کو بھی تو وقف لِلّٰہ کر کے دیکھو، ایسا بے مثل مزہ پاؤ گے کہ بھول جاؤ گے ساری بدمستیاں اور مُردہ خوریاں اور جسم کے گراؤنڈ فلور کی گندگیاں، جب پا جاؤ گے ایمان اور تقویٰ کی پختگیاں۔

چراغِ مُردہ کجا شمع آفتاب کجا

کہاں یہ حُسنِ مجازی کے بجھے ہوئے چراغ اور کہاں اللہ تعالیٰ کے قُرب کا آفتاب۔ اللہ کے قُرب کی لذّت جس نے پالی اس نے سلطنت بیچ دی بلکہ بیچنا کہاں مُفت میں خیرات کر دی۔ لہٰذا میں کہتا ہوں کہ مزے کی نیت ہی سے تقویٰ کا راستہ اختیار کر لو کہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کا مزہ بے مثل ہے، دائمی ہے، بے مثل پاکیزگی کا حامل ہے، دونوں جہاں کی

عزت وراحت، سکونِ دل اور طمانیتِ قلب وروح کا ضامن ہے، اس کے مزے کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بوئے آں دلبر چو پرّاں می شود
ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

جب اللہ کی خوشبو اُڑ کر میرے قلب میں آتی ہے تو کوئی زبان اللہ کی اس لذّتِ قُرب کو بیان نہیں کر سکتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی لذّت غیر محدود ہے، غیر فانی ہے اور ہماری زبان ولُغت فانی ہے اور محدود ہے۔ لہٰذا غیر فانی اور غیر محدود لذّت کو ہماری فانی اور محدود لُغت کیسے تعبیر کر سکتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مزہ چھوڑو بلکہ کہتا ہوں کہ مزہ لینے کے لیے اللہ کی طرف دوڑو، مزہ لینے کے لیے آؤ، دائمی مزہ، پاکیزہ لذّت، بے مثل، غیر فانی اور غیر محدود لذّت۔

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزہ دونوں جہاں سے بڑھ کر پائے

یہ کیا ہے کہ اُلّو کی طرح دیکھ کر جھوم رہے ہیں اور جب وہی اسّی برس کی ہو جائے گی تو بھاگو گے گدھے کی طرح **حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ**[۱۰۷] یہ بھاگنا اہل اللہ کا بھاگنا نہیں ہے، اس وقت تو کافر بھی بھاگ جاتا ہے۔ جب حسینوں پر بڑھاپا آجاتا ہے تو کیا یہودی اور عیسائی ان کی طرف دیکھتا ہے؟ اگر بڑھاپے کے بعد بھاگے تو کیا کمال کیا۔ عین عالمِ شباب میں جب کہ شبابِ حُسن لہلہا رہا ہو اس وقت نظر بچا کر اپنی ولایت اور اللہ کی دوستی کا ثبوت پیش کرو تب معلوم ہو گا کہ آپ کے اندر کچھ ہے اور بڑھاپے کی فنائیت اور زوالِ حُسن پر آپ کی نظر ہے اور یہی دلیل ہے کہ آپ کو دولتِ لازوال حاصل ہے۔ جو بندہ معرضِ زوال لذّتوں سے بچ جائے تو یہی دلیل ہے کہ اس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ لازوال سے نوازا ہے۔

---

[۱۰۷] المدثر: ۵۰

یہ مضامینِ اولیاء اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سامعین کی خاطر عطا فرماتے ہیں کتنے محدّثین اور عُلماء اس وقت یہاں بیٹھے ہیں اور یہ لوگ کتنی تکلیفیں اُٹھا کر مختلف ممالک سے ہزاروں میل سے آئے ہیں تو ان کی قسمت سے دسترخوان پر تقویٰ اور قُربِ الٰہی کی عمدہ بریانی نہیں آئے گی؟ یہی ایک مضمون جو اس وقت بیان ہوا اگر ہم اس پر عمل کرلیں تو اولیائے صدّیقین کی خطِ انتہا تک ان شاء اللہ! پہنچ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ہم لوگ اس مقام کو مانگیں کہ یا اللہ! ہم تو نا اہل ہیں، نالائق ہیں لیکن آپ کریم ہیں جو نالائقوں کو بھی اپنے کرم سے محروم نہیں فرماتے۔ اس لیے محض اپنے کرم سے بدونِ استحقاق ہم کو اولیائے صدّیقین کی آخری سرحد تک پہنچا دیجیے۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

چوں عنایاتت شود با ما مقیم
کے بود بیمے ازاں دزدے لئیم

اے خُدا! اگر آپ کی عنایت اور محبّت اور آپ کی رحمت اور مدد ہمارے ساتھ مقیم ہو جائے۔ مقیم کا لفظ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ آپ کی رحمت مستقلاً ہمارے ساتھ ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کبھی رحمت آجائے اور کبھی ہماری نالائقی کے سبب اللہ اپنی رحمت ہٹالے۔ اگر اللہ کی رحمت ہمیشہ ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم پھر خراب ہو جائیں گے۔ مثلاً ملتزم پر رحمت ہمارے ساتھ مقیم ہوئی تو مستغفر و تائب ہوگئے اور اپنے ملکوں میں آتے ہی پھر سارے گُناہ شروع کر دیے، رمضان میں تو ولی اللہ ہو گئے اور عید کا چاند دیکھتے ہی شیطان بن گئے اور تقویٰ کا لبادا اُتار کر پھینک دیا۔ یہ دلیل ہے کہ ہماری شامتِ اعمال کے سبب دوامِ عنایتِ حق ابھی ہمیں حاصل نہیں اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ وَدَوَامَ الْعَافِیَةِ وَالشُّکْرَ عَلَی الْعَافِیَةِ[۱۰۸]

---

[۱۰۸] مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۴، ذکر بلفظ سلوا اللہ العفو والعافیة

اے اللہ! میں آپ سے عافیت مانگتا ہوں اور دوامِ عافیت مانگتا ہوں اور عافیت پر شُکر کی توفیق مانگتا ہوں۔ ملّا علی قاری نے شَرۡحُ الۡمِشۡکٰوۃِ الۡمُسَمّٰی بِالۡمِرۡقَاۃِ میں عافیت کے یہ معنیٰ لکھے ہیں اَلسَّلَامَۃُ فِی الدِّیۡنِ مِنَ الۡفِتۡنَۃِ وَالسَّلَامَۃُ فِی الۡبَدَنِ مِنۡ سَیِّیءِ الۡاَسۡقَامِ وَالۡمِحۡنَۃِ[۱۰۹] یعنی دین سلامت رہے گُناہوں سے اور بدن سلامت رہے برے بُرے امراض سے اور محنتِ شاقّہ سے۔ معلوم ہوا کہ دوامِ عافیت و دوامِ عنایتِ حق مطلوب ہے کہ اس سے ہی ہمارا دین اور ہماری دنیا سلامت رہ سکتی ہے اور شکر سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے اور حقیقی شکر تقویٰ ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی:

لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدۡرٍ وَّ اَنۡتُمۡ اَذِلَّۃٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ[۱۱۰]

اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم نہایت کمزور تھے پس تم تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔ پس جو چاہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات دائماً اس کے ساتھ مقیم ہو جائیں تو اس کا طریقہ تقویٰ ہے۔

تو مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ کی عنایت و مہربانی و رحمت ہمارے ساتھ مقیم ہو جائے یعنی دائماً ہمارے ساتھ رہے، دوامِ عنایت نصیب ہو جائے ایک لمحہ بھی ہم آپ کی عنایت سے محروم نہ ہوں تو پھر اس چور اور کمینے نفس و شیطان سے ہمیں کوئی خوف نہیں، پھر یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیوں کہ جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے اور جس کو اللہ نہ رکھے ساری دنیا اس کو چکھے۔ یہ آخری جملہ اس محاورے میں احقر کا اضافہ ہے۔

آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ
اندر آتش صورتِ آبی منہ

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! پانی کو ہمیں آگ نہ دکھائیے یعنی گناہوں کی وجہ سے آپ دلوں کو اور آنکھوں کو بدل دیتے ہیں جس سے خلافِ حقیقت نظر آنے لگتا ہے

---

[۱۰۹] مرقاۃ المفاتیح: ۲۴۵/۵، باب جامع الدعاء، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

[۱۱۰] اٰل عمرٰن: ۱۲۳

لٰہذا ہمیں ایسے عذاب سے بچائیے کہ آپ کا راستہ اور آپ کے اولیاء کا راستہ جو پانی کی طرح صاف شفاف اور حیات بخش ہے ہمیں آگ کی طرح خوفناک اور خراب معلوم ہونے لگے اور آگ میں ہمیں پانی نہ دکھائیے یعنی نافرمانی اور گُناہوں کا راستہ جو جہنم کی آگ کا راستہ ہے اس کو ہمیں لذیذ اور راحت انگیز نہ دکھائیے، ایسا نہ ہو کہ گُناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہم تقلیبِ ابصار کے امتحان میں مبتلا ہو جائیں اور گُناہوں کی لذّت کے فریب میں آجائیں کیوں کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ **حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ** کہ جہنم کی آگ کو شہوات اور لذّاتِ نفسانیہ کے پردے سے چھپادیا گیا ہے جو اس پردے کو چاک کرے گا جہنم میں جاگرے گا لٰہذا گُناہوں کے اعمال میں ہم کو لذّت اور مستیاں نہ دکھائیے ورنہ ہم برباد ہوجائیں گے کیوں کہ گُناہوں کی وجہ سے عقل خراب کردی جاتی ہے، پھر گُناہ اس کو نہایت لذیذ معلوم ہونے لگتے ہیں اور اس لذّت کے اندر جو کلفت چھپی ہوئی ہے اس کا احساس نہیں رہتا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ گُناہوں سے عقل میں فتور آجاتا ہے اور نیکیوں سے اور تقویٰ سے عقل میں نور آتا ہے جس کی وجہ سے نیک اعمال اس کو لذیذ معلوم ہوتے ہیں اور اللہ کے راستے کی تکلیفوں میں اس کو مزہ آتا ہے کیوں کہ جانتا ہے کہ:

حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَکَارِہِ[۱]

جنت تکلیفوں سے ڈھانپ دی گئی ہے۔

اے اللہ! ہمارے گُناہوں کو مُعاف فرمادیجیے اور تقلیبِ ابصار کے عذاب سے ہمیں محفوظ فرمائیے۔ حق کو حق اور باطل کو باطل دکھائیے۔

رَبِّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَاۤءِكَ رَبِّ شَقِیًّا

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

---

[۱] صحیح البخاری:۹۶۰/۹(۶۵۶۶)،باب حجبت النار بالشہوات،المکتبۃ المظہریۃ

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۸؍ رمضانُ المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۷؍ جنوری ۱۹۹۸ء بروز ہفتہ

بعد نمازِ فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

قطرۂ دانش کہ بخشیدی ز پیش
متّصل گرداں بہ دریاہائے خویش

ارشاد فرمایا کہ دانش دانستن سے ہے جس کے معنیٰ ہیں جاننا، اس کا مضارع ہوتا ہے داند پھر داند کا دال گرا کر شین بڑھانے سے حاصلِ مصدر بن گیا۔

حضرت جلالُ الدین رومی ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ نے اپنے کرم سے علم و دانش کا ایک قطرہ جو مجھے بخشا ہے اسے اپنے غیر محدود دریائے علم سے متصل فرمادیجیے۔ جس کے قطرۂ علم کا اتصال حق تعالیٰ کے غیر محدود دریائے علم سے ہوگیا پھر سوچ لو کہ اس کا علم کیسا ہوگا۔ اس کا علم کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس لیے اللہ والے عُلماء کے علم کو عُلمائے ظاہر نہیں پاسکتے۔ جن کا قطرۂ علم کُتب بینی سے متعلق ہے اور جن کا قطرۂ علم اللہ تعالیٰ کے دریائے غیر محدود سے متّصل ہے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کنواں کھودا اور اس میں باہر سے پانی بھر دیا یہ پانی ایک دن ختم ہوجائے گا۔ یہ مثال ہے عُلماء غیر صاحبِ نسبت کے علم کی جنھوں نے کُتب بینی سے علم کے حروف اور نقوش تو حاصل کیے لیکن کسی ولی اللہ کی صحبت میں رہ کر علم کی روح حاصل نہیں کی جس کے متعلق ایک محدّث کا شعر ہے جو میرے خلیفہ بھی ہیں اور جن کو حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃُ اللہ علیہ نے حدیث پڑھانے کے لیے جنوبی افریقہ بھیجا تھا، ان کا یہ شعر بہت عمدہ ہے ؎

اگر ملی نہ غُلامی کسی خُدا کے ولی کی
تو علمِ درسِ نظامی کو علم ہی نہیں کہتے

اور عالم صاحبِ نسبت کے علم کی مثال یہ ہے کہ جیسے کنواں کھودا اور اتنا کھودا کہ گہرائی میں پانی کے چشمے تک پہنچ گئے اور زمین کے اندر سے سوتہ پھوٹ گیا اب اس کنویں کا پانی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو عالم اللہ اللہ کرتا ہے، کسی اللہ والے سے اللہ کے لیے دل و جان سے محبت کرتا ہے اور اس سے اپنے نفس کی اصلاح کراتا ہے، مُجاہدہ کرتا ہے، گناہوں سے بچنے کا غم اُٹھاتا ہے، اس اللہ والے کی برکت سے اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اس کے قطرۂ علم کا اتصال اللہ تعالیٰ کے غیر محدود دریائے علم سے ہوجاتا ہے۔ پھر اس کا علم ختم نہیں ہوتا اور اس کو ایسے ایسے علوم عطا ہوتے ہیں کہ عُلمائے ظاہر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ یہ علوم اس کو کہاں سے آرہے ہیں جو کتابوں میں نہیں ملتے۔

بینی اندر خود علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

اپنے اندر علومِ انبیاء کا فیضان دیکھتا ہے بغیر کتاب و استاد کے۔ اگلے شعر میں مولانا اس کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

خُم کہ از دریا دَر او راہے شود
پیشِ او جیحون ہا زانو زند

جس مٹکے کو سمندر سے خفیہ رابطہ ہوجائے تو اس کے سامنے بڑے دریائے جیحون اور دریائے فرات زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں کیوں کہ ان دریاؤں کا پانی خشک ہوسکتا ہے لیکن اس مٹکے کا پانی خشک نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس میں خفیہ راستے سے سمندر سے پانی آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے علمائے ظاہر جب کسی صاحب نسبت کی خدمت میں گئے تو حیران رہ گئے کہ یااللہ! یہ کیا علوم ہیں جن کی ہمیں ہوا بھی نہیں لگی۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا علم معمولی نہیں تھا، شرقِ اوسط تک ان کے علم کا غلغلہ تھا لیکن شروع میں یہ تصوّف کے قائل نہیں تھے۔ حضرت کے بھانجے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے مراسم تھے۔ ایک دفعہ مولانا نے ان کو مثنوی کا ایک شعر لکھ کر بھیج دیا جس سے سیّد صاحب کے دل پر چوٹ لگ گئی وہ کیا شعر تھا۔

قال را بگزار مردِ حال شَو
پیشِ مردِ کاملے پامال شَو

قال کو چھوڑو اور صاحبِ حال بنو اور کیسے بنو گے؟ کسی مردِ خُدا صاحبِ نسبت کے سامنے اپنے نفس کو مٹادو۔ سیّد صاحب تھانہ بھون پہنچ گئے اور حضرت حکیمُ الامّت مجددِ الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ کی ایک ہی مجلس سے اتنے متاثر ہوئے کہ مجلس کے بعد خانقاہ کی چوکھٹ پکڑ کر رونے لگے اور فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ میں بہت بڑا عالم ہوں لیکن آج معلوم ہوا کہ مجھے تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی، علم تو اس بوڑھے بوریا نشین کے پاس ہے اور پھر یہ شعر فرمائے؎

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شُبۂ باطل ہوا

آج ہی پایا مزہ قرآن میں
جیسے قُرآں آج ہی نازل ہوا

چھوڑ کر تدریس و درس و مدرسہ
شیخ بھی رندوں میں اب شامل ہوا

اس آخری شعر میں بظاہر درس و تدریس و مدرسہ کی توہین معلوم ہوتی ہے لیکن توہین نہیں ہے بلکہ مُراد یہ ہے کہ پہلے منطق و فلسفہ اور علومِ ظاہرہ کا غلبہ تھا، اب عشقِ الٰہی کا غلبہ ہو گیا، علم درجۂ ثانوی ہو گیا اور مولیٰ درجۂ اولیں ہو گیا یعنی جو علم مدرسوں میں عالمِ منزل مولیٰ کرتا ہے پہلے اسی کو کافی سمجھتے تھے اور اللہ والوں کی صحبت سے جو درد محبت اور آہ وفغاں اور ان علوم پر عمل کی توفیق ملتی ہے جو ہمیں بالغِ منزلِ مولیٰ کرتی ہے اس کی دل میں اہمیت نہ تھی۔ اب زاویۂ نگاہ بدل گیا اور یقین آگیا کہ مولیٰ افضل ہے علمِ مولیٰ سے لیکن علمِ مولیٰ بھی ضروری ورنہ مولیٰ کا راستہ کیسے معلوم ہو گا اس لیے درس و تدریس بھی ضروری ہے، کچھ عُلماء ایسے ہونے چاہئیں جن کا علم زبردست ہو لیکن ان کے علم پر اللہ کی

محبّت غالب ہو پھر ایسا علم نورٌ علیٰ نور ہوتا ہے، جس کے علم پر اللہ کی محبت غالب ہوگئی اس کے علم میں چاشنی بڑھ جاتی ہے اور ایک عالَم اس سے سیراب ہوتا ہے لہٰذا اس شعر سے مُراد مدرسہ چھوڑنا نہیں ہے بلکہ مدرسہ کے علوم پر اللہ کی محبّت کو غالب رکھنا ہے تاکہ عالمِ منزل بالغِ منزل ہوجائے اور یہ نعمت خانقاہوں سے اہلِ دل کے سینوں سے ملتی ہے۔

اس کے بعد سیّد صاحب نے حضرت حکیمُ الامّت سے بیعت کی درخواست کی لیکن واہ رے حکیمُ الامّت! حضرت نے ان کی اصلاح کے لیے فرمایا کہ میں ابھی آپ کو بیعت نہیں کروں گا۔ آپ کی فلاں فلاں تصنیف میں فلاں فلاں غلطی ہے جو ہمارے اکابر اہلِ سُنّت کے مسلک کے خلاف ہے لہٰذا اَلْعَلَانِیَۃُ بِالْعَلَانِیَۃِ کے تحت اپنے رسالے میں ان اغلاط سے اپنا رجوع شایع کریں تو پھر آپ کو بیعت کروں گا۔ یہ سید صاحب کا بہت بڑا امتحان تھا کیوں کہ اتنے بڑے عالم کو اپنی علمی کوتاہیوں کے اعلان میں جاہ مانع ہوتی ہے لیکن سیّد صاحب کے چوٹ لگ چکی تھی۔ گئے اور اپنے دارالمُصنفین کے رسالے المعارف میں اعلان شایع کیا اور رسالہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خوش ہوگئے اور فرمایا؎

از سلیماں گیر اخلاصِ عمل

اگر اخلاص سیکھنا ہے تو سیّد سلیمان ندوی سے سیکھو اور سیّد صاحب کو بیعت کرلیا۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب کوئی غیر عالم کسی اللہ والے سے بیعت ہوکر اللہ اللہ کرتا ہے تو صاحبِ نور ہوتا ہے لیکن جب کوئی عالم سلسلے میں داخل ہوتا ہے اور اللہ اللہ کرتا ہے تو نورٌ علیٰ نور ہوجاتا ہے ایک علم کا نور دوسرے ذکر کا نُور۔ سید صاحب نے جب اللہ اللہ کیا اور اللہ کی محبت کا مزہ ملا، نسبت عطا ہوئی اس وقت کے ان کے اشعار عجیب وغریب ہیں۔ فرماتے ہیں؎

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے

اور نمازِ تہجد کے بارے میں فرمایا؎

وعدہ آنے کا شبِ آخر میں ہے
صبح سے ہی انتظارِ شام ہے

حضرت حکیمُ الامّت سے تعلق کے بعد سیّد صاحب کے حالات بدل گئے اور حضرت نے خلافت بھی عطا فرمائی اور شیخ کی محبت میں ان کے یہ اشعار بہت درد بھرے ہیں۔

جی بھر کے دیکھ لو یہ جمالِ جہاں فروز
پھر یہ جمالِ نور دکھایا نہ جائے گا
چاہا خُدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
جلتا رہے گا یوں ہی بجھایا نہ جائے گا

جس کو جو ملا ہے شیخ کی غُلامی سے ملا ہے ورنہ عالم کے علم پر اس کے نفس کے اندھیرے چھائے رہتے ہیں، اپنے علم پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی اور اگر عمل ہوتا ہے تو اخلاص نہیں ہوتا، علم کی کمیت تو ہوتی ہے کیفیت نہیں ہوتی۔ حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص بغیر صحبتِ اہل اللہ کے مل ہی نہیں سکتا۔ آپ تجربہ کرکے دیکھ لیں کہ غیر صحبت یافتہ عالم کے علم و عمل میں فاصلے ہوں گے۔ علم اس کے لیے شہرت و جاہ اور تن پروری کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علم را بر تن زنی مارے بُود
علم گر بر دل زنی یارے بُود

علم کو اگر تن پروری اور شہرت و جاہ و مال کے لیے استعمال کرو تو یہ علم تمہارے لیے سانپ ہے جو تمہیں ہلاک کردے گا لیکن اگر علم کو دل پروری کا ذریعہ بناؤ کہ دل بن جائے، دل اللہ والا ہو جائے، اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ علم تمہارا بہترین دوست ہے۔ اسی لیے حدیثِ پاک میں ہے، ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ:

مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ[۱۱۲]

جو اللہ کی رضا کے لیے علم کی طلب میں گھر سے نکلا اس کے لیے اس مُجاہد کا ثواب ہے جو جہاد کے لیے نکلا ہے یہاں تک کہ وہ گھر لوٹ آئے کیوں کہ دین کو زندہ کرنے میں اور شیطان کو ذلیل کرنے میں اور نفس پر مشقت اُٹھانے میں وہ مُجاہد ہی کی طرح ہے۔ اسی طرح عُلمائے سوء کے لیے جو علم کو دنیاداری، تن پروری اور اپنی عزّت و جاہ کے لیے آلۂ کار بناتے ہیں احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِہِ الْعُلَمَاءَ اَوْلِیُمَارِیَ بِہِ السُّفَھَآءَ اَوْ یَصْرِفَ بِہٖ وُجُوْہَ النَّاسِ اِلَیْہِ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ النَّارَ[۱۱۳]

یعنی جو اس نیت سے علم حاصل کرے کہ علماء سے فخر کرے یا بے وقوفوں اور جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اس کے ذریعے اپنی طرف متوجہ کرے تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں، مراد یہ ہے کہ علم سے اس کی غرض طلبِ دنیا، شہرت و مال و جاہ وغیرہ ہو اس کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ لَایَتَعَلَّمُہٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَعْنِیْ رِیْحَھَا[۱۱۴]

یعنی قرآن و حدیث کا جو علم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سیکھا جاتا ہے اس علم کو اگر کوئی اس لیے سیکھتا ہے کہ دنیا کا مال و متاع حاصل کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

اس لیے تحصیلِ علومِ دینیہ کے لیے تصحیحِ نیت اور اخلاص انتہائی ضروری ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو علم اس کے لیے وبال ہے اور اخلاص بغیر اللہ والوں کی صحبت کے نہیں ملتا۔ بڑے سے بڑا علّامہ بھی اگر اللہ والوں سے مستغنی ہو گا تو اس کا علم اس کو نفس

---

[۱۱۲] جامع الترمذی: ۲/۹۳، باب فضل طلب العلم، ایج ایم سعید

[۱۱۳] جامع الترمذی: ۲/۹۴، باب ما جاء فی من یطلب بعلمہ الدنیا، ایج ایم سعید

[۱۱۴] سنن ابن ماجۃ: ۱۱۸، (۲۵۲)، باب الانتفاع بالعلم، المکتبۃ الرحمانیۃ

کی قید سے آزاد نہیں کرا سکتا۔ اس کے نورِ علم پر نفس کے اندھیرے ہوں گے جس سے اس کا علم نہ خود اس کے لیے مفید ہوگا نہ امّت کے لیے مُفید ہوگا۔ اس لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ دُعا کرتے ہیں کہ ؎

قطرۂ علم است اندر جانِ من
وا رہانش اَز ہوا و زخاکِ تن

اے اللہ! علم کا جو قطرہ آپ کا بخشیدہ اور عطا فرمودہ میری جان میں موجود ہے اس قطرۂ علم پر میری خواہشاتِ نفس کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اور وہ قطرۂ علم میری خاک تن یعنی میرے عناصرِ اربعہ (آگ، مٹی، پانی اور ہوا) کے گندے تقاضوں میں چھپا ہوا ہے آپ اپنے کرم سے اسے نفس کی قید سے رہائی دلا دیجیے اور اپنے دریائے نور سے میرے اس قطرۂ علم کو متّصل فرما دیجیے کیوں کہ آپ کے نُور کے سامنے ہوائے نفس کے اندھیروں کی کیا مجال ہے جو ٹھہر سکیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

کہ گریزد ضدّہا از ضدّہا
شب گریزد چوں برافروزد ضیا

ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتی ہے جس طرح رات کی تاریکی بھاگ جاتی ہے جیسے ہی صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔

انسان کی تخلیق عناصرِ اربعہ سے ہوئی ہے یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے اور یہ چاروں چیزیں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ان کو روح روکے ہوئے ہے لہٰذا جب روح نکل جاتی ہے تو چاروں عنصر اپنے اپنے مراکز اور مستقر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ آگ آگ میں، پانی پانی میں، مٹی مٹی میں اور ہَوا ہَوا میں مل جاتی ہے' چناں چہ چھ ماہ بعد اگر قبر کھود کے دیکھو گے تو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے روح جتنی زیادہ قوی ہوگی اتنے ہی عناصرِ اربعہ مغلوب اور تابع رہیں گے کیوں کہ جب مرکز قوی ہوتا ہے تو حزبِ اختلاف یعنی اپوزیشن دبی رہتی ہے اور اگر مرکز کمزور ہو گیا تو حکومت اپوزیشن کی ریشہ دوانیوں سے پریشان رہتی ہے اور صوبوں میں انتشار، کشمکش اور بغاوت شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح

روح میں طاقت اللہ کی عبادت، فرماں برداری اور نورِ تقویٰ سے آتی ہے لہٰذا جسم کے عناصرِ متضادہ پر روح کی گرفت اور کنٹرول صحیح رہتا ہے اور یہ عناصر سکون سے رہتے ہیں اور گناہ روح کو کمزور کرتا ہے۔ لہٰذا بد نظری عشقِ مجازی اور غیر اللہ سے عشق بازی میں پریشانی بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے روح کمزور ہوگئی اور اس کے اپنے عناصرِ اربعہ متضادہ پر اس کا کنٹرول کمزور ہوگیا اور دوسرے بد نظری کرکے اور کسی معشوق کو دل دے کر اس معشوق کے چار عناصرِ متضادہ کا بوجھ بھی اس نے اپنے سر لے لیا اس طرح اب آٹھ عناصر کا بوجھ پڑ گیا، چار اپنے عناصرِ متضادہ کا بوجھ اور چار اس معشوقِ مجازی کے عناصر کا بوجھ۔ نافرمانی سے روح تو کمزور ہوگئی اور عناصرِ متضادّہ کا بوجھ دو گنا ہوگیا گویا مرکز کمزور ہوگیا اور اپوزیشن قوی ہوگئی لہٰذا صوبوں میں کشمکش، انتشار اور بغاوت شروع ہوجاتی ہے، آنکھوں کے صوبے میں بغاوت شروع ہوجاتی ہے کہ اس معشوق کو دیکھ کر حرام لذّت حاصل کرتی ہیں، کانوں کا صوبہ بھی بغاوت کرتا ہے اور اس معشوق کی باتوں سے حرام لذّت درآمد کرتا ہے، اسی طرح ہاتھ، پاؤں، کان، ناک سب اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں جس سے روح مُعذَّب اور بے چین ہوجاتی ہے کہ ایک پل کو سکون نہیں پاتی اس لیے اکثر ایسے لوگ آخر میں یا پاگل ہوجاتے ہیں یا خودکشی کرلیتے ہیں اور تاریخ میں ایک مثال نہیں مل سکتی کہ کسی اللہ والے نے خودکشی کی ہو یا پاگل اور مجنون ہوگیا ہو۔ میرا شعر ہے ؎

خُدا کی سرکشی سے خودکُشی ہے مال و دولت میں
کبھی اللہ والوں سے نہیں ایسا سنا جاتا
بُتوں کے عشق سے دنیا میں ہر عاشق ہُوا پاگل
گناہوں سے سُکوں پاتا تو کیوں پاگل کہا جاتا

عشقِ مجازی کی یہ تقریر فلسفیانہ اور منطقیانہ ہے، نہ میں نے کہیں سُنی نہ پڑھی اور شاید آپ نے بھی کہیں نہ سُنی ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے میرے دل کو یہ مضمون عطا فرمایا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تو ”وارہانش از ہوا وز خاکِ تن“ میں ہوا سے مراد ہوائے نفس ہے یعنی نفس

کی بُری بُری خواہشات، گناہوں کے گندے تقاضے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنَھَی النَّفۡسَ عَنِ الۡھَوٰی کہ میرے خاص بندے بُری خواہش کو روکتے ہیں یہ اہلِ جنت کا راستہ ہے۔ اس آیت کی ترتیب میں غور کیجیے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ

جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا ہو یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوال اعمال اور حساب کتاب سے اتنا ڈرے جس کا ثمرہ یہ مرتّب ہو کہ وَ نَھَی النَّفۡسَ عَنِ الۡھَوٰی اپنے نفس کو بُری خواہش سے روک دے فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ھِیَ الۡمَاۡوٰی[۱۱۵] ایسے لوگوں ہی کا ٹھکانا جنت ہے۔ معلوم ہوا کہ اتنا خوف مطلوب ہے جو نفس کو بُری خواہش سے روک دے یہ اہلِ جنت کا راستہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان سے کبھی خطا ہی نہیں ہوتی اگر کبھی احیاناً خطا ہو جائے تو استغفار و توبہ سے اس کا تدارک کرتے ہیں۔ اس کے بر عکس جو شخص اپنے نفس کو بُری خواہش سے نہ روک سکے، نافرمانی کو مسلسل اپنی غذا بنا لے اس کا خوف اہلِ جنت کا خوف نہیں ہے۔ ابھی اس کا خوف بالغ نہیں ہوا، ثمر آور اور نتیجہ خیز نہیں ہوا اور نہ یہ اپنے نفس پر قابو پا جاتا، ابھی یہ شخص اہلِ جنت کے راستے پر نہیں ہے۔

مولانا رومی اس لیے یہ دُعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! بعض وقت علم ہوتا ہے لیکن نفس کے شر کی وجہ سے عمل کی توفیق نہیں ہوتی اس لیے عناصرِ اربعہ اور تقاضائے نفسانیہ کے غلبہ سے مجھے نجات عطا فرمائیے تاکہ میں اپنے علم پر عمل کر سکوں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو یہ دُعا سکھائی اَللّٰھُمَّ اَلۡھِمۡنِیۡ رُشۡدِیۡ اے اللہ! رشد و ہدایت کی باتوں کو میرے دل میں الہام فرماتے رہیے لیکن بعض وقت الہامِ رُشد ہو جاتا ہے، لیکن نفس کے شر کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا مثلاً جانتا ہے کہ اس حسین کو دیکھنا صحیح نہیں، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے لیکن نفس کی شرارت سے دیکھتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الہامِ رُشد مانگ کر فوراً یہ مانگا وَاَعِذۡنِیۡ مِنۡ شَرِّ نَفۡسِیۡ[۱۱۶] اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچائیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہدایت کا علم ہونے

---

[۱۱۵] النّٰزعٰت: ۴۰-۴۱

[۱۱۶] جامع الترمذی: ۲/۱۸۶، باب ما جاء فی جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

کے باوجود نفس کی شرارت سے مغلوب ہو کر میں اس پر عمل نہ کروں۔

اسی طاقت کو حاصل کرنے کے لیے خانقاہوں میں، اہل اللہ کی صحبتوں میں رہا جاتا ہے کہ اتنا خوف حاصل ہو جائے کہ ہم اپنے نفس کی بُری خواہشوں کو روک سکیں جس کو مولانا رومی نے اس شعر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ قطرۂ علم ہمارے عناصرِ اربعہ یعنی خواہشاتِ نفسانیہ کی قید سے آزاد ہو جائے۔ لہٰذا شیخ کے ساتھ سفر و حضر میں یہی نیت رکھو کہ ہمیں تقویٰ حاصل ہو جائے اور اللہ ہمیں مل جائے ورنہ شیطان و نفس نیت میں غیر اللہ کی ملاوٹ کر کے عمل کو ضایع کر دیتے ہیں مثلاً یہ کہ شیخ کے ساتھ دستر خوان پر طرح طرح کی غذائیں ملیں گی، طرح طرح کے شہر اور ملک دیکھیں گے، طرح طرح کے نمکین چہرے دیکھ کر حرام لذّت اینٹھیں گے وغیرہ یہ نفس کی چوریاں ہیں کہ اگر ان سے ہشیار نہ رہے تو شیخ کی صحبت میں رہتے ہوئے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نفس کے مکائد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس زمانے میں سب سے بڑا الٰہ باطل اور نفس و شیطان کا سب سے بڑا جال یہ حسین شکلیں ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ بد نظری سے حفاظت کی توفیق عطا فرمادے تو سمجھ لو اس پر عظیم الشان انعام نازل ہو گیا اور سمجھ لو کہ بس وہ مولیٰ والا بننے والا ہے اور جو یہ کہے کہ ارے! دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، نہ لیا نہ دیا فقط دیکھ لیا تو یہ انتہائی احمق اور گدھا ہے اور کبھی اللہ کو نہیں پاسکتا کہ نظر بازی کو معمولی گُناہ سمجھ رہا ہے۔ اگر یہ معمولی گناہ ہوتا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو آنکھوں کا زنا نہ فرماتے۔ آج اسی سے لوگ کولھو کے بیل کی طرح ترقی سے محروم ہیں اور یہ کوئی معمولی نقصان نہیں ہے، بد نظری کرنے والا اولیائے صدّیقین کی خطِ انتہا تک نہیں پہنچ سکتا اور جب موت آئے تب اس کو حسرت ہو گی کہ جن پر مرے تھے آج انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور قبر میں جنازہ تنہا اُتر رہا ہے۔ کاش! ہم تقویٰ اختیار کرتے تو ہمیں مولیٰ مل جاتا اور ہم اولیائے صدّیقین کی آخری سرحد تک پہنچ جاتے۔

لیکن اس وقت پچھتانے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ جیتے جی ان لیلاؤں کو چھوڑ دو، حرام لذّتوں سے توبہ کر لو، نگاہوں کی حفاظت کر لو تو ان لیلاؤں کا اور تمام لذّتوں کا حاصل دل میں اللہ تعالیٰ دینے پر قادر ہے۔ عُلماء حضرات اس کی دلیل مانگیں گے کیوں

کہ ”مولوی آں باشد کہ بدونِ دلیل خاموش نہ شود“ مولوی وہ ہے جو بلا دلیل کے خاموش نہ رہے۔ تو اس کی اتنی پیاری دلیل ہے کہ مزہ آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ[۱۱۷]

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں۔ بولیے کیا اس میں تذکرہ ہے کہ اگر لیلیٰ نہ ملی تو مولیٰ تمہیں کافی نہ ہوگا اور تمہاری زندگی کیسے گزرے گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا مولیٰ تمہارے لیے ہر حال میں کافی ہے۔ جو لیلاؤں کو نمک دے سکتا ہے وہ بغیر لیلاؤں کے تمہارے قلب و جاں میں دنیا بھر کی تمام لذّتوں کا حاصل اور سرور داخل کرسکتا ہے۔ بس ذرا محبّت سے اللہ کا نام لے کر تو دیکھو، اللہ کے لیے حرام لذّتوں کو ترک کرکے تو دیکھو کہ کیا ملتا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ ہم مٹی کے ہیں اور ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور یہ اس کا فطری تقاضا ہے۔ پس ہماری مٹی مٹی پر مٹی ہوکر مٹی ہونا چاہتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم اپنی مٹی کی فطرت کے خلاف میری طرف پرواز کرو تب تمہاری قیمت بڑھے گی۔ جن چیزوں کی فطرت میں پرواز ہے ان کا اُڑنا کیا کمال ہے، کمال یہ ہے کہ جن کو مٹی سے ہم نے پیدا کیا ان کو پرواز حاصل ہو۔ جیسے ہوائی جہاز کے جتنے اجزاء ہیں سب مٹی کے ہیں، اس کا لوہا، اس کا تانبا اس کا تمام مادّہ اور میٹیریل زمین سے ہے اس لیے اپنی فطرت کے مطابق تمام جہاز زمین پر رکھے ہوئے ہیں مگر یہی جہاز اپنی فطرت کے خلاف کب پرواز کرتا ہے؟ جب کوئی پائلٹ ہو اور جہاز میں پیٹرول ہو تب اسے پرواز عطا ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز کا ٹیک آف کرنا تین ”پ“ پر موقوف ہے۔ ایک پائلٹ جو اس کو صحیح رُخ اور صحیح منزل کی طرف لے جائے دوسرے پیٹرول جو جہاز کو اُڑانے کا ایندھن ہے۔ معلوم ہوا کہ پائلٹ اور پیٹرول پرواز کی ضمانت دیتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے جسم کی مٹی کو اللہ کی طرف پرواز کرانے کا پائلٹ کون ہے؟ شیخ ہے اور پیٹرول اور اسٹیم کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے لیکن یہ اسٹیم کیسے بنتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نفس کی جو خواہشات ہیں ان کو روکنے کا غم اُٹھانے

---

[۱۱۷] الزمر: ۳۶

سے یہ اسٹیم بنتی ہے اور جو جتنا زیادہ غم اُٹھاتا ہے اتنی ہی زیادہ تیز یہ اسٹیم بنتی ہے اور جس طرح جہاز کو اس کی فطرت کے خلاف زمین سے اُڑانے کے لیے بہت زیادہ پیٹرول چاہیے اسی طرح ہمارا جسم جو مٹی کا ہے اور مٹی کی چیزوں پر، مٹی کی شکلوں پر فدا ہونا چاہتا ہے اس کو اللہ کی پرواز کرانے کے لیے محبت کا پیٹرول بہت زیادہ چاہیے اور یہ پیٹرول نفس کی حرام خواہشات کی مُخالفت یعنی گناہ، اسباب گُناہ سے مُبَاعَدت سے بنتا ہے۔ اگر یہ پیٹرول نصیب ہوگیا تو ہماری روح کا جہاز ہمارے جسم کو لے کر اللہ کی طرف اُڑ جائے گا۔ اسی کو مولانا نے فرمایا کہ جو علم اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا ہمیں عطا فرمایا ہے وہ ان خواہشاتِ نفسانیہ سے مغلوب ہے اس لیے ہم اللہ تک نہیں پہنچ رہے ہیں۔ جب خواہشاتِ نفس کو مغلوب کرلوگے تو علم پر عمل کی توفیق ہوجائے گی اور ایک دم اللہ کی طرف اُڑ جاؤ گے ؎

جسم کو اپنا سا کر کے لے چلی افلاک پر
اللہ اللہ یہ کمالِ روحِ جولاں دیکھیے

جلد اللہ والا بننے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔ اور جو شخص اللہ کے راستے کا غم نہیں اٹھائے گا، حسینوں سے نظر نہیں بچائے گا، اپنے نفس کا غُلام رہے گا، بُری تمناؤں کا خُون نہیں کرے گا اس کو محبت کا یہ پیٹرول کبھی عطا نہیں ہوگا جو اس کو اُڑا کر اولیائے صدّیقین کی آخری سرحد تک پہنچادے۔ لہٰذا یہ زندگی ایک ہی بار ملی ہے دوبارہ نہیں ملے گی ہم سب جان کی بازی لگا کر اللہ کی محبت کی یہ اسٹیم حاصل کرلیں تاکہ دائمی خوشی اور دائمی راحت پاجائیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی

◆ ◆ ◆ ◆

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۹؍ رمضانُ المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۸؍ جنوری ۱۹۹۸ء بروز اتوار

بعد نمازِ فجر بوقت ساڑھے چھ بجے، مقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

دستِ ما چو پائے ما را می خورد
بے امانِ تو کسے جاں کے برد

ارشاد فرمایا کہ آہ! کیا درد بھرا شعر ہے۔ مولانا جلالُ الدین رومی کا مقام ان کے کلام سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتنا بڑا شخص ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میرا ہی ہاتھ میرے پیر کو کھا رہا ہے' دوسرا ہم کو نقصان نہیں پہنچا رہا ہے، میں خود اپنے ہاتھوں سے گُناہ کرکے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہوں لہٰذا بغیر آپ کے کرم اور آپ کی حفاظت اور آپ کی پناہ اور تحفظ کے کون اپنی جان کو سلامتی سے لے جاسکتا ہے۔ کیا عاجزی ہے اور کیا درخواست ہے، کیا پیارا مضمون ہے اور کتنا نور ہے اس شعر میں۔ اور کس پیارے انداز سے مولانا گُناہوں سے تحفظ اور پناہ کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کررہے ہیں کہ اللہ! آپ ہمیں اپنی امان میں لے لیجیے تب ہی ہم گُناہوں سے بچ سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو گناہوں کے ہزاروں جال قدموں پر آجائیں تو بھی آدمی ان سے بچ جاتا ہے مثلاً گُناہ خود اس کے پاس پہنچ جائے تو جس کو اللہ تعالیٰ بچانا چاہتے ہیں تو اوّل نظر پڑتے ہی گُناہ کی آخری منزل کی غلاظت اس کے سامنے آجاتی ہے جس کو میں کہتا ہوں کہ ناف کے اوپر فرسٹ فلور ہے اور ناف کے نیچے گراؤنڈ فلور ہے تو جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے تو فرسٹ فلور پر نظر پڑتے ہی اس کو گراؤنڈ فلور کی گندگی کا ایکسرے سامنے آجاتا ہے کہ یہ چہرہ اور آنکھیں اور یہ گال اور بال تم کو گراؤنڈ فلور کی گٹر لائنوں میں لے جائیں گے اور تمہاری تقدس مآبی کو شیطانیت میں تبدیل کردیں گے۔ یہ میں درس اور سبق نہیں دے رہا ہوں تصوّف اور سلوک کی جان پیش کررہا ہوں اور دردِ دل سے

پیش کر رہا ہوں کہ کسی کے فرسٹ فلور سے دھوکا نہ کھاؤ ورنہ زندگی تباہ ہو جائے گی کیوں کہ عشقِ مجازی کی تمام منزلیں گُناہ پر ختم ہوتی ہیں۔ اس پر میرا شعر ہے؎

عشقِ بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گُناہ پر
جس کی ہو ابتدا غلط کیسے صحیح ہو انتہا

اور گُناہ سے تم اللہ سے کوسوں دور ہو جاؤ گے اور پھر مرنے کے بعد ہاتھ مَلو گے لیکن اس وقت کچھ نہ بن پڑے گی کیوں کہ وہ دارالجزاء ہے، دارالعمل ختم ہو گیا۔ ہاتھ مَلنے سے وہاں پھر کچھ نہیں ہو گا۔ جس پر اللہ کا فضل ہوتا ہے، وہی بد نظری سے محفوظ رہتا ہے کیوں کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ بد نظری سے میں اللہ کی رحمت سے دور ہو جاؤں گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دُعا لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ[۱۱۸] کا مستحق ہو جاؤں گا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو بد نظری کرتا ہے۔ اے خُدا! تو اس پر لعنت فرما اور اپنے کو دکھانے والے پر بھی یعنی ناظر پر بھی لعنت اور منظور پر بھی لعنت۔ محدّثِ عظیم مُلّا علی قاری رحمۃُ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہاں متعلقاتِ نظر کا تذکرہ نہیں ہے، نہ لڑکا نہ لڑکی کسی کا تذکرہ نہیں یعنی کسی متعلق کو مخصوص نہیں کیا تاکہ حکم عام رہے اور ہر وہ نظر جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہے اس میں شامل ہو جائے۔ یہ کلامِ نبوّت کا کمالِ بلاغت ہے۔ بس گُناہ سے بچنے کی ہمّت کرے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرے کیوں کہ جیسا کہ مولانا رومی نے فرمایا کہ بغیر فضل کے کام نہیں بنتا۔ میرا شعر ہے؎

کام بنتا ہے فضل سے اخترؔ
فضل کا آسرا لگائے ہیں

مرکبِ توبہ عجائب مرکب است
تا فلک تازد بیک لحظہ ز پست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ

---

[۱۱۸] مشکوٰۃ المصابیح: ۲۷۰/۱، باب النظر الی المخطوبۃ وبیان العورات، المکتبۃ القدیمیۃ

گناہ گار بندے کو پستی سے اُٹھا کر ایک لمحہ میں آسمان تک پہنچا دیتی ہے، گناہوں کی دوری توبہ کی برکت سے حضوری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ[119]

اے میرے گناہ گار بندو! کیوں مایوس ہوتے ہو۔ اگر تم گُناہ کر کے مجھ سے دور ہو گئے تو توبہ کی سواری میں بیٹھ کر میرے پاس آ جاؤ۔ دنیا میں کوئی جہاز کوئی راکٹ ایسا ایجاد نہیں ہوا جو تمہیں مجھ تک پہنچا دے۔ تم توبہ کر لو میں توبہ کرنے والوں کو صرف مُعاف ہی نہیں کرتا اپنا محبوب بھی بنا لیتا ہوں۔ توّابین کو بوقتِ توبہ اور بہ برکتِ قبولیتِ توبہ ہم خلعتِ محبوبیت سے نواز دیتے ہیں اور یہی نہیں کہ ایک ہی دفعہ مُعاف کریں گے اگر آیندہ بھی خطا ہو جائے گی تو آیندہ بھی ہم تمہیں مُعاف کر دیں گے اسی لیے مضارع سے نازل فرمایا جو حاملِ حال بھی ہوتا ہے اور حاملِ استقبال بھی ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال اور مستقبل دونوں کے تحفظ کی ضمانت دے رہے ہیں کہ اگر بربنائے بشریت تم سے خطائیں ہوں گی لیکن اگر تم توبہ کرتے رہو گے تو حالاً اور استقبالاً ہم تم سے پیار کریں گے، توبہ کی برکت سے ہم اپنے دائرۂ محبوبیت سے تمہارا خروج نہیں ہونے دیں گے۔ تم گُناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہو ہم مُعاف کرتے کرتے نہیں تھک سکتے جیسے بچہ ماں کی چھاتی پر پاخانہ پھر دیتا ہے تو کیا ماں بچے کی محبت سے پھر جاتی ہے؟ یا اس کو نہلا دھلا کر، عمدہ کپڑے پہنا کر گود میں اُٹھا کر پھر پیار کرتی ہے اور یقین سے جانتی ہے کہ یہ دوبارہ پاخانہ کرے گا لیکن ارادہ رکھتی ہے کہ میں دھوتی رہوں گی تو کیا اللہ تعالیٰ کی محبت ماؤں کی محبت سے کم ہے؟ ارے ماں کیا جانتی محبت کرنا! ماؤں کو محبت کرنا انہوں نے ہی تو سکھایا ہے اسی لیے يُحِبُّ نازل فرما کر تَوَّابِيْنَ کو امید دلا دی کہ مایوس نہ ہونا۔ توبہ کی برکت سے ہم تمہیں اپنے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہونے دیں گے بلکہ اللہ کی رحمت توبہ کرنے والوں کو قُربِ سابق سے زیادہ قُربِ لاحق عطا فرماتی ہے کیوں کہ قُربِ سابق اس کی عبادت کے سبب تھا اور قُربِ لاحق جو عطا ہو رہا ہے اس میں قُربِ

---

[119] البقرۃ:۲۲۲

عبادت کے ساتھ قُربِ ندامت مستزاد ہے اور ندامت کے سبب ہی اس کو لباسِ محبوبیت عطا ہو رہا ہے۔ اسی لیے ہمیں حکم دے دیا اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اپنے رب سے مُعافی مانگتے رہو۔ جب کوئی باپ بیٹے سے کہے کہ مُعافی مانگو تو یہ دلیل ہے کہ وہ مُعاف ہی کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اِسْتَغْفِرُوْا کا حکم دینا دلیل ہے کہ وہ ہم کو مُعاف کرنا چاہتے ہیں اور آگے اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا فرما کر اور ترغیب دے دی کہ میں بہت بخشنے والا ہوں لہٰذا ظالمو! مجھ سے کیوں معافی نہیں مانگتے اور اِسْتَغْفِرُوْا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم سے خطائیں ہوں گی ورنہ مُعافی مانگنے کا حکم کیوں دیتے؟ لہٰذا جو بندہ مُعافی مانگتا رہتا ہے یہ علامت ہے کہ یہ حال میں بھی اللہ کا محبوب ہے اور مستقبل میں بھی محبوب رہے گا اس لیے خطاؤں سے مایوس نہ ہو۔ گناہوں پر جری تو نہ ہو بلکہ کوشش کرو، جان کی بازی لگا دو کہ کوئی خطا نہ ہو لیکن اگر کبھی پھسل جاؤ تو گرے نہ پڑے رہو اُٹھ کھڑے ہو، توبہ کر کے پھر ان کے دامنِ محبوبیت میں آجاؤ۔

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے گر کر اُٹھے اُٹھ کر چلے

اور اگر شیطان ڈرائے کہ تمہاری توبہ بھی کوئی توبہ ہے جو ٹوٹتی رہتی ہے، ابھی توبہ کر رہے ہو پھر یہی خطا کرو گے تو کہہ دو کہ میں پھر توبہ کر لوں گا۔ ان کی چوکھٹ موجود ہے اور میرا سر باقی ہے، میری جھولی موجود ہے اور ان کا دستِ کرم باقی ہے، میرا یہ سر سلامت رہے جو ان کی چوکھٹ پر پڑا رہے اور میرا دستِ سوال باقی رہے کہ میری جھولی بھرتی رہے۔

توبہ کی قبولیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو، پکّا عزم ہو کہ آیندہ ہرگز یہ گُناہ نہ کروں گا اور اگر وسوسہ آئے کہ تم پھر گُناہ کرو گے تو یہ وسوسہ ہے ارادہ نہیں۔ وسوسہ کچھ مضر نہیں‘ یہ خوفِ شکستِ توبہ عزمِ شکستِ توبہ نہیں ہے بلکہ یہ خوف تو عینِ بندگی ہے، اپنے ضعف اور شکستگی کا اظہار ہے کہ یا اللہ! مجھے اپنے اوپر بھروسا نہیں آپ ہی کا بھروسا ہے کہ آپ مجھے گُناہ سے بچائیں گے۔ خوب سمجھ لیجیے

کہ بوقتِ توبہ ارادۂ شکستِ توبہ نہ ہو تو یہ توبہ قبول ہے۔ اگر بالفرض آیندہ توبہ ٹوٹ گئی تو اس سے پہلی توبہ باطل نہیں ہوتی وہ ان شاء اللہ! قبول ہے۔ یہ بات مستحضر رہے تو اس کو شیطان کبھی مایوس نہیں کر سکتا۔ میرا شعر ہے؎

یہی ہے راستہ اپنے گناہوں کی تلافی کا
تری سرکار میں بندوں کا ہر دم چشم تر رہنا

امامِ غزالی کے استاد علامہ اسفرائینی نے تیس سال تک دُعا کی کہ یا اللہ! مجھے گناہوں سے عصمت عطا فرمادے۔ ایک دن دل میں وسوسہ آیا کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں پھر بھی میری دُعا قبول نہ ہوئی کہ مجھ سے خطائیں ہو جاتی ہیں۔ الہام ہوا کہ اے اسفرائینی! میں نے اپنے ملنے کے دو راستے رکھے ہیں: ایک تقویٰ کا دوسرے توبہ کا، تو تقویٰ ہی کے راستے سے کیوں آنا چاہتا ہے، جب تقویٰ کا راستہ تجھے نہیں مل رہا ہے تو توبہ کے راستے سے آجا۔ میرا شعر ہے؎

مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے
تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دُعا سے

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ دورانِ درسِ مثنوی حضرت والا نے بیان فرمایا کہ بزرگوں نے کس طرح اپنے شیخ سے محبت اور اس کا ادب کیا ہے اور اس پر ایک صاحبِ دل کا یہ شعر پڑھا کہ؎

نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کُوئے تو شُد بے ادبی

میں نے آپ کی گلی کے کُتّے کی طرف اپنی نسبت کردی اے میرے شیخ! میں شرمندہ ہوں کہ مجھ سے سخت بے ادبی ہوگئی کیوں کہ میں اس قابل بھی نہیں تھا کہ آپ کی گلی کے کُتّے کی طرف اپنی نسبت کروں اور پھر حضرت والا نے حضرت جلالُ الدین رومی رحمۃُ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا۔

آں سگے کُو گشت در کویش مقیم
خاکِ پایش بہ زِ شیرانِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کُتّا میرے محبوب مُرشد کی گلی میں رہتا ہے اس کے پیر کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے اور اگلے شعر میں فرماتے ہیں۔

آں سگے کُو باشد اندر کُوئے او
من بہ شیراں کے دہم یک مُوئے او

میرے شمس الدین تبریزی کی گلی میں جو کُتّا رہتا ہے میں شیروں کو اس کا ایک بال بھی نہیں دے سکتا۔

اَے کہ شیراں مر سگانش را غُلام
گفتنِ امکاں نیست خامش والسلام

اے دنیا والو! بڑے بڑے شیر اللہ والوں کے کُتّوں کے غُلام بن گئے، اب اس سے زیادہ میں حمقائے زمانہ کو نہیں سمجھا سکتا، بلکہ عوام الناس کو بھی نہیں سمجھا سکتا کیوں کہ عقولِ متوسطہ کے ادراک سے مافوق جلالُ الدین کی یہ گفتگو ہے۔ اللہ کی محبت کی اب اس سے زیادہ وضاحت میں نہیں کر سکتا ورنہ لوگ الزام لگائیں گے کہ جلالُ الدین پیر پرستی کر رہا ہے لہٰذا اب میں خاموش ہوتا ہوں اور ان لوگوں کو سلام بھی کرتا ہوں۔

شیخ کے ذریعہ سے کیوں کہ اللہ ملتا ہے اس لیے مُرشد کی ہر چیز سے مرید کو محبت ہوتی ہے، اس کے وطن سے، اس کے گھر سے، اس کی گلی سے، اس کی گلی کے کُتّے سے، جس چیز کو بھی شیخ سے ادنیٰ نسبت ہوتی ہے مرید کو اس سے محبت ہو جاتی ہے لیکن جو اس راہ سے ناآشنا ہیں ان کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں، ان کو کیا کہیں سوائے اس کے کہ؎

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تُو نے پی ہی نہیں

اب اس پر ایک واقعہ سناتا ہوں۔ تھانہ بھون کا ایک بھنگی، جھاڑو لگانے والا ہندو مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃُ اللہ علیہ کے پاس نانوتہ پہنچا۔ مولانا نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ میں آپ کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب کے قصبہ تھانہ بھون سے آیا ہوں۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ اس کے لیے چارپائی لاؤ، دری بچھاؤ اور جلدی سے اس کے لیے آلو پوری کا ناشتہ منگوایا۔ کسی طالب علم نے کہا حضرت! یہ تو ہندو بھنگی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تیری نظر تو بھنگی پر ہے اور میری نظر اس پر ہے کہ یہ میرے شیخ کے وطن سے آیا ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ میں کافر کا اکرام کر رہا ہوں حالاں کہ میں نے کافر کا نہیں تھانہ بھون کا اکرام کیا ہے، اپنے شیخ کا اکرام کیا ہے۔ آہِ محبت سمجھنے کے لیے محبت بھرا دل ہونا چاہیے عقل میں نور ہونا چاہیے۔ جن کی عقل میں فتور ہوتا ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔ شیخ کی محبت سیکھنی ہے تو مولانا رومی سے سیکھو۔ فرماتے ہیں ؎

من نجویم زیں سپس راہِ اثیر
پیر جویم پیر جویم پیر پیر

جب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کا راستہ بدون سایۂ راہ بر نہیں ملتا تو میں تنہا اللہ کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا بلکہ اللہ کو پانے کے لیے میں پیر ڈھونڈوں گا پیر ڈھونڈوں گا پیر تلاش کروں گا پیر، تلاش کروں گا۔ آہ! پیر کے نام ہی سے مست ہو گئے اور پیر پیر کی رٹ لگادی۔ کسی نے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃُ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزی کا نام آتے ہی مولانا رومی مست ہو جاتے ہیں اور صفحے کے صفحے ان کی تعریف میں لکھ جاتے ہیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ اگر مولانا رومی پچاسوں برس عبادت کرتے تو ان کو وہ عظیم الشان قُرب نصیب نہ ہوتا جو شمس الدین تبریزی کی چند دن کی صحبت سے نصیب ہو گیا۔ آدمی جس کی کھاتا ہے اس کی گاتا ہے۔ یعنی جس سے نعمت ملتی ہے اس پر فدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمس الدین تبریزی کا نام آتے ہی مولانا بے خود ہو جاتے ہیں۔

ایک بار حضرت شمس الدین تبریزی قونیہ سے اچانک غائب ہو گئے، مولانا

رومی تڑپ گئے اور اونٹنی پر بیٹھ کر تلاش کرتے کرتے مُلکِ شام کے قریب پہنچے اور کسی سے پوچھا کہ کیا تم نے کہیں میرے پیر حضرت شمسُ الدین تبریزی کو دیکھا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے ان کو شام میں دیکھا ہے تو فرمایا کہ آہ! جس شام میں میرا شمسُ الدین رہتا ہے اس شام کی صبح کیسی ہوگی۔ پھر تبریز پہنچ کر اپنی اونٹنی سے فرمایا؎

اُبْرُکِیْ یَا نَاقَتِیْ طَابَ الْاُمُوْر
اِنَّ تَبْرِیْزًا لَّنَا ذَاتَ الصُّدُوْر

اے میری اونٹنی! ٹھہر جا میرے تو سب کام بن گئے۔ دیکھو یہ ہے محبتِ شیخ، کیا حُسنِ ظن تھا اپنے شیخ کے ساتھ اور کیسی شدید محبت تھی کہ اونٹنی سے فرما رہے ہیں کہ ٹھہر جا، میرے پیر کا شہر آگیا، میرے سب کام بن گئے۔ شہر تبریز میرے سینے کے رازوں کا شہر ہے، اسرارِ محبت کا شہر ہے، محبت کے بھیدوں کا شہر ہے، اللہ کی محبت کے بھید شمسُ الدین تبریزی کے سینے کے ذریعہ مجھے یہیں سے ملے ہیں۔ آہ! بتاؤ کیا یہ محبت نہیں ہے؟ پھر فرمایا؎

اِسْرَحِیْ یَا نَاقَتِیْ حَوْلَ الرِّیَاضِ
اِنَّ تَبْرِیْزًا لَّنَا نِعْمَ الْمُفَاضِ

اے میری اونٹنی! شہرِ تبریز کے باغات کے گرد جلدی جلدی گھاس چر لے۔ شہر تبریز ہمارے لیے بڑے فیض کی جگہ ہے، میرا فیض انوار و تجلیاتِ الٰہیہ ہیں اور تیرا فیض یہاں کی اچھی اچھی مُبارک گھاس ہے۔ آگے فرماتے ہیں؎

ہر زماں از فوحِ روح انگیز جاں
از فرازِ عرش بر تبریزیاں

اے خدا! ہر لحہ، ہر وقت تبریز والوں پر عرشِ اعظم سے اپنی رحمت اور محبت و معرفت اور فیض کی زبردست بارش فرما۔ بتائیے یہ کیا بات ہے کہ صرف شیخ ہی کے لیے نہیں پورے شہر تبریز کے لیے دُعا ہو رہی ہے۔ کیا کہیں محبت قسمت والوں کو عطا ہوتی ہے

اور محبت کو سمجھنے کے لیے سمجھ بھی قسمت والوں کو عطا ہوتی ہے ؎

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

اچھا بس آج کا مضمون ختم ہو گیا لیکن کیسی درد بھری داستان آج سُنادی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہوں، سارے عالم کی خانقاہوں میں جاؤ پھر سب کی باتیں سُن کر میری بات کا توازن کرو تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اختؔر کی زبان سے اس زمانے میں کیا کام لے رہا ہے وَلَا فَخْرَ یَا رَبِّیْ یہ سب میرے بزرگوں کی جوتیوں کا فیض ہے۔ دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت نصیب فرمائے اور سب سے پہلے یہ کہ اللہ ہم سب کو ہمارے شیخ کی محبت نصیب فرما اور اپنی محبت کو غالب فرما اور نفس و شیطان کی غُلامی سے نکال کر اپنی سو فیصد فرماں برداری کی حیات نصیب فرما، اپنا دردِ محبت عطا فرما، اے خُدا! ہماری خاک کو اجسامِ خاکی پر خاک ہونے سے بچالے۔ آپ نے جس مقصد کے لیے ہم کو پیدا کیا اے خُدا! اسی مقصد پر ہمیں جان دینے کی توفیق نصیب فرما۔ اے خدا! ہمارے باپ دادا نے سلطنتِ بلخ آپ پر فدا کی ان کے صدقے میں ہم سب کو حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال سے پاک فرما کر سراپا محبت بنا کر اپنے اولیائے صدّیقین کی خطِ انتہا تک پہنچا دے۔ مجھے بھی اور میری اولاد اور ذرّیات کو بھی اور میرے احباب کو بھی، احبابِ حاضرین کو بھی اور احبابِ غائبین کو بھی اور ان کی اولاد و ذرّیات کو بھی اور ان کے رشتہ داروں اور احباب کو سب کو اللہ والا بنا دے اور سب کو اولیائے صدّیقین میں شامل فرما دے۔

اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

◆◆◆◆

مجلس درسِ مثنوی

۲۰؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹؍ جنوری ۱۹۹۸ء بروز دوشنبہ

بعد فجر مقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

تازگیٔ ہر گلستانِ جمیل
ہست بر بارانِ پنہانی دلیل

ارشاد فرمایا کہ صبح دم جب باغوں کے پتّے ہرے ہرے نظر آئیں اور ان کا مُنہ دھلا ہوا دکھائی دے تو سمجھ لو کہ رات میں بارش ہوئی ہے۔ پتّوں کی یہ تازگی رات کی پوشیدہ بارش کی دلیل ہے۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح سے ہر باغ کا ہرا بھرا ہونا اور پتّوں کا دھلا ہوا ہونا دلیل ہے کہ رات کو بارش ہوئی ہے ایسے ہی اللہ والوں کے کلام میں جو علوم و معارف بیان ہوتے ہیں یہی دلیل ہے کہ ان کے قلب پر رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہوئی تھی۔ ان کے الفاظ و مضامین علومِ غیبیہ اور الہام من اللہ کے غماز ہوتے ہیں۔

چوں او خواہد عینِ غم شادی شوَد
عینِ بندِ پائے آزادی شوَد

ارشاد فرمایا کہ جب اللہ چاہتا ہے تو غم کی ذات کو خوشی بنا دیتا ہے۔ سائنس داں تو پہلے غم کے اسباب کو ہٹائیں گے اور خوشی کے اسباب کو لائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو اسبابِ غم کو ہٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ غم کی ذات ہی کو کُنْ فَیَکُوْنُ سے خوشی میں بدل دیتے ہیں۔ اللہ میاں کو غم ہٹانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ غم کی عینیتِ مصطلحہ کو خوشی میں تبدیل کر دیتے ہیں یعنی اسی غم کو خوشی بنا دیتے ہیں اور جس

چیز کو آدمی سمجھتا ہے کہ میرے پیر کی بیڑی اور قید ہے اسی قید اور بیڑی کو اللہ تعالیٰ آزادی بنا سکتا ہے۔ دُنیا کے لوگ تو قیدی کے پاؤں کی بیڑی کھولیں گے تب جا کے وہ آزادی دیتے ہیں لیکن مولانا رومی اللہ کی قُدرت کا کرشمہ دکھاتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فیصلہ کرلے تو قیدی کے پاؤں کی زنجیر اور بیڑی ہی کو آزادی بنا دیتا ہے، قید ہی کو آزادی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اَز بروں چوں گورِ کافر پُر حِلَل
و اندروں قہرِ خُدا عزّ و جل

ارشاد فرمایا کہ کافر بادشاہوں کی قبروں پر خُوب سنگِ مرمر لگائے جارہے ہیں اور گلاب جل یعنی عرقِ گلاب اور پُھول برسائے جارہے ہیں اور دوسرے ملکوں کے بادشاہ پھولوں کی چادر چڑھارہے ہیں لیکن اندر خُدا کا قہر ہورہا ہے۔ تو فرمایا کہ بعضے لوگ لباس بڑے قیمتی پہنتے ہیں مرسیڈیز پر چلتے ہیں مگر اللہ کی نافرمانی مثلاً شراب اور زنا اور بدمعاشی اور وی سی آر کی نحوست سے ان کے دل پر عذاب ہوتا رہتا ہے۔ مُنہ میں کباب دِل پر عذاب لہٰذا ظاہری ٹھاٹھ باٹ کی فکر مت کرو، مالک کو راضی رکھو تو چٹائیوں اور بوریوں پر سوکھی روٹیوں میں سلطنت اور بریانی کا مزہ دیں گے۔

ظاہرش را پشّہ آرد بہ چرخ
باطنش باشد محیطِ ہفت چرخ

ارشاد فرمایا کہ اللہ والوں کا ظاہر اتنا کمزور ہوسکتا ہے کہ اگر ایک مچھر بھی کاٹ لے تو وہ ناچ جائیں یعنی تکلیف سے بے قرار ہوجائیں لیکن ان کا باطن ساتوں آسمان کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ لہٰذا اہل اللہ کے باطن کی قوت اور وسعت کا تم اندازہ نہیں کرسکتے کیوں کہ

ظلِّ او اندر زمیں چوں کوہِ قاف
روحِ او سیمرغ بس عالی طواف

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کا جسم مثل کوہِ قاف کے زمین پر دھرا نظر آتا ہے لیکن ان کی روح ہمہ وقت عرشِ اعظم کا طواف کرتی ہے۔ مرتبۂ جسم میں تو وہ مخلوق کے ساتھ ہیں لیکن مرتبۂ روح میں وہ ہر وقت مقرب بارگاہِ حق ہیں پھر ان کی روح مقرب ہفت آسمان پر محیط کیوں نہ ہو گی اسی کو مولانا نے دوسری جگہ بیان فرمایا۔

در فراخِ عرصۂ آں پاک جاں
تنگ آید وسعتِ ہفت آسماں

لیکن مُقرّبانِ بارگاہِ حق کے مقامات واحوال وکیفیات کو عقولِ متوسطہ احاطہ نہیں کر سکتیں۔

تو ندیدی گھے سلیماں را
چہ شناسی زبانِ مرغاں را

اے شخص! تونے تو کبھی سلیمان علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں پس تو پرندوں کی زبان کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟ منشا یہ ہے کہ اہل اللہ کے مقاماتِ قرب کو ہر کس وناکس نہیں سمجھ سکتا تاوقتیکہ ان کی صحبت میں رہ کر اللہ کی محبت سیکھے اور سلوک طے کرے یعنی کسی شیخ کامل کے مشورہ سے اوامرِ الٰہیہ پر عمل اور نواہی سے اجتناب اور سُنّت کی اتباع سے وہ مقاماتِ قُرب نصیب ہوں گے جو ابھی گوشۂ وہم وگُمان میں بھی نہیں آسکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو نصیب فرمادیں اور یہ دولتِ باطنی صرف مومنین کاملین کو نصیب ہوتی ہے کسی کافر یا فاسق کو نہیں ملتی کیوں کہ مومن اللہ کا غُلام ہوتا ہے اور کافر طبیعت کا غُلام ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن فاسق یعنی گناہ گار مومن بھی اس نعمت قُربِ خاص سے محروم رہتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ کافر تو بالکل ہی محروم ہے کیوں کہ اس کے اندر ایمان ہی نہیں اور گناہ گار مومن کے دل میں ایمان تو ہے لیکن اتنا کمزور ٹمٹماتا ہُوا ایمان ہے جس سے گُناہ کے تقاضے کے وقت وہ طبیعت کا غُلام ہوجاتا ہے اور گُناہوں میں ملوث ہوجاتا ہے، اس وقت وہ اللہ کی نظر کو فراموش کردیتا ہے کہ اللہ کی نظر میری نظر کو دیکھ رہی ہے۔ مثلاً کوئی حسین شکل جس پر جوانی چڑھی ہوئی ہے سامنے آگئی تو

اپنی طبیعت سے پاگل ہو کر وہ اس کو بُری نظر سے دیکھے گا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر گناہِ کبیرہ کی کوشش کرے گا، اُس وقت خُدا کا خوف تو کیا انجامِ حُسن سے بھی وہ غافل ہوتا ہے، اس وقت اسے یہ بھی خیال نہیں آتا کہ ایک دن اس کا حُسن غائب ہو جائے گا بڑھاپا آجائے گا گال پچک جائیں گے، آنکھوں پر پونے گیارہ نمبر کا چشمہ لگ جائے گا دانت باہر آجائیں گے کمر جُھک جائے گی۔ یہ طبیعت کے غُلام اپنی طبیعت سے مجازی حُسن پر مرتے ہیں اور جب حُسن زائل ہو جاتا ہے تو اپنی طبیعت سے بھاگتے ہیں، اللہ کے خوف سے نہیں بھاگتے اس لیے محروم رہتے ہیں اور اللہ کے قُرب کی ان کو ہوا بھی نہیں لگتی اور اہل اللہ کی کیا شان ہوتی ہے کہ حُسن کے عین عالمِ شباب میں جب کہ ان کی طبیعت میں بھی تقاضا شدید ہوتا ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لوں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی نظر کی حفاظت کرکے غم اُٹھاتے ہیں۔ اسی غم کی راہ سے انہیں خدا ملتا ہے اور یہ بھی ایک دن کا نہیں ساری زندگی اللہ کے لیے غم اُٹھاتے ہیں اور اس غم میں اللہ ان کو وہ لذّت دیتا ہے جس کو اہلِ مزہ اور اہلِ عیش نہیں جان سکتے اور کیوں کہ ان کا مُجاہدہ مسلسلہ متواترہ ہے تو ان کے قلب پر تجلّیاتِ قُربِ الٰہیہ بھی متواترہ مسلسلہ وافرہ اور بازغہ نازل ہوتی ہیں۔ پس جس کا دل حق تعالیٰ کی تجلّیاتِ خاصہ سے متجلی ہو اس کے سامنے وسعتِ ہفت آسمان کیوں تنگ نہ ہو جائے گی۔ کہاں اللہ اور کہاں مخلوق۔ اسی کو مولانا نے ایک اور شعر میں فرمایا۔

چرخ در گردش اسیر ہوشِ ماست
بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست

آسمان اپنی گردش میں میرے ہوش کا قیدی ہے اور شراب اپنی مستی میں میرے کیف و مستی کی گدا ہے۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست
اے ہمایوں دِل کہ آں بریان اوست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُبارک ہیں وہ آنکھیں جو اللہ کی یاد میں رو رہی ہیں کہ اے میرے مولیٰ! تو مجھے کہاں ملے گا۔ مولانا رومی ان آنکھوں کو مُبارک باد دے رہے ہیں جو اللہ کی یاد میں رو رہی ہیں۔ مولانا نے دو ہی قسم کے لوگوں کو مبارک باد دی ہے ایک ان آنکھوں کو جو اللہ کی یاد میں رونے والی ہیں اور ایک اس دل کو جو اللہ کے عشق میں جل رہا ہے اور آنکھوں کا رونا یہ بھی ہے کہ جب کوئی نامحرم حسین شکل سامنے آجائے تو اس سے نظر ہٹا کر نابینا بن جائے۔ میرا شعر ہے؎

جب آ گئے وہ سامنے نابینا بن گئے
جب ہٹ گئے وہ سامنے سے بینا بن گئے

جب وہ حسین شکل سامنے آگئی تو نظر ہٹا کر نابینا بن گئے اور جب وہ شکل واجب الاحتیاط ہٹ گئی تو ہم بینا بن گئے اور اللہ تو دیکھتا ہے کہ میرے بندے کی آنکھ میں روشنی موجود تھی لیکن پھر بھی میرے خوف سے اور میرے حکم سے یہ نابینا بن گیا، میرا بندہ کس قدر پاس کر رہا ہے میرے حکم کا جب کہ یہ بھی سینے میں دل رکھتا ہے اور دل بھی عاشقانہ رکھتا ہے مگر میرے بندے کا قلب عاشقانہ تو ہے مگر مزاج فاسقانہ نہیں ہے، اپنے مزاجِ عاشقی کو میری بندگی کے دائرے میں رکھتا ہے فاسقی کے دائرے میں داخل نہیں ہونے دیتا تو کیا اس ادائے بندگی پر عطائے خواجگی نہیں ہوگی یعنی جب ہماری طرف سے اَدائے بندگی ہوگی تو اللہ کی طرف سے عطائے خواجگی ہوگی اور دل کو حلاوتِ ایمانی کی، اپنے قُرب کی وہ لذّت عطا فرمائیں گے کہ تمام لیلائیں اور جُملہ لذاتِ کائنات نگاہوں سے گر جائیں گی۔ اس کے بر عکس بہت سی آنکھیں کسی معشوق کی یاد میں رو رہی ہیں۔ یہ آنسو گدھے کے پیشاب سے زیادہ بے قیمت ہیں کیوں کہ ان آنسوؤں کا تعلق غیر اللہ سے ہے، مرنے والی لاشوں سے ہے۔ ان آنسوؤں کی ریل کا آخری اسٹیشن گناہ ہے۔ اسی کے متعلق میرا شعر ہے؎

عشقِ بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گُناہ پر
جس کی ہو انتہا غلط کیسے صحیح ہو ابتدا

ان آنسوؤں کی کچھ قیمت نہیں ہے بلکہ اس کو سزا ملے گی کیوں کہ اس نے آنسوؤں کو گُناہوں کے گندے مقامات حاصل کرنے کے لیے بہایا ہے۔ جو آنسو اللہ کی یاد میں نکلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شہیدوں کے خُون کے برابر وزن کرتا ہے اور جو آنسو غیر اللہ کے لیے بہتے ہیں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور دنیا ہی میں اس کا دل بے چین کر دیا جاتا ہے۔ بہت منحوس ہیں وہ آنکھیں جو غیر اللہ کے لیے رو رہی ہیں اور بہت مُبارک ہیں وہ آنکھیں جو اللہ کی یاد میں اشکبار ہیں اور دوسرے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں۔

اے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

بہت مُبارک ہے وہ دل جو اللہ کے عشق میں جل رہا ہے، اپنے مالک کی تلاش میں ہے کہ اے اللہ! آپ کیسے ملیں گے اور کہاں ملیں گے۔ اس دنیا میں کوئی صدارت کے عشق میں جل رہا ہے، کوئی وزارت کے عشق میں جل رہا ہے، کوئی حسینوں پر مرا جارہا ہے، کوئی مال و دولت کے پیچھے بھاگا جارہا ہے اور اسی دنیا میں ایسے بندے بھی ہیں جن کے دل اللہ کی محبت میں بریاں ہورہے ہیں۔ وہ زمین و آسمان سورج اور چاند کو دیکھ کر اللہ کو تلاش کرتے ہیں کہ وہ میرا مولیٰ کہاں ملے گا۔

اپنے ملنے کا پتا کوئی نشاں
تو بتادے مجھ کو اے ربِّ جہاں

جو اس کائنات کو دیکھ کر اور اس کائنات میں بندوں کی پرورش کے انتظامات اور نعمتوں کی فراوانی دیکھ کر بھی اپنے مالک کو تلاش نہیں کرتا وہ انتہائی غیر شریف ہے جس اللہ نے ہمارے رہنے کے لیے زمین بنائی، جس اللہ نے سورج، چاند اور ستاروں سے انسان کو فیض پہنچایا، جس مالک نے غلّہ اُگایا، جس مالک نے ہم کو پالا، ایسے پالنے والے کو تلاش نہ کرنے والا گدھا ہے انسان نہیں۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کا آسمانی علم دیکھو کہ حضرت نے سمجھانے کے لیے کیا عمدہ تمثیل پیش کی کہ ایک تھکا ماندہ بھوکا پیاسا مُسافر بھوک اور پیاس سے مر رہا تھا کہ اچانک جنگل میں ایک مکان نظر آیا، وہاں جاکر دیکھا تو مکان میں ٹھنڈا پانی اور فریج بھی ہے، انڈے اور آملیٹ بھی ہیں اور طرح

طرح کی نعمتیں رکھی ہوئی ہیں، سموسے بھی رکھے ہیں، کباب بھی ہے، بریانی بھی ہے۔ اس نے جلدی جلدی سب کچھ کھایا اور نرم نرم گدوں پر سو گیا۔ جب اُٹھا تو چوکیداروں سے پوچھا کہ بھئی! یہ کس کا مکان ہے، کون ایسا کریم اور مہربان ہے جس نے یہ انتظامات کیے ہیں۔ تو یہ آدمی شریف ہے کیوں کہ محسن کو تلاش کرنا شرافت کا تقاضا ہے اور ایک آدمی خُوب کھاپی کر نعمتیں اُڑا کر آرام اٹھا کر سو جائے اور اُٹھ کر پوچھے بغیر چلا جائے کہ کون ایسا کریم ہے جس نے یہ انتظام کیا ہے تو بتائیے کہ وہ جانور ہے یا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا عینِ فطرت، عینِ شرافت اور عینِ عقل کا تقاضا ہے کہ جس نے یہ زمین بنائی ہمیں سورج اور چاند دیا، آسمان کا شامیانہ لگادیا اور شامیانہ بھی کتنا پیارا کہ جس پر سورج چاند ستاروں کا ڈیکوریشن لگادیا اور ڈیکوریشن کا بل بھی نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کے یہ انتظاماتِ ربوبیت کو دیکھ کر اللہ کو تلاش کرنا اور اللہ پر ایمان لانا عقلاً فرض ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے زمین وآسمان، چاند سورج، سمندر پہاڑ دیکھ کر اور ان نعمتوں سے استفادہ کرکے بھی اللہ کو تلاش نہیں کرتا وہ انتہائی کمینہ، غیر شریف اور جانور سے بدتر ہے۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں کہ بہت مُبارک وہ دل ہے جو اللہ کی محبت میں بریاں ہو رہا ہو اور بریاں ہونے کے کیا معنیٰ ہیں یعنی جس کو حسینوں سے نظر بچانے کی ہمّت اور توفیق حاصل ہے، جس کو اللہ پر مرنا نصیب ہے اس کو جینے کا مزہ ہے وہ کیا جانے جو مرتا نہیں اللہ پر وہ تو جانور ہے۔ جانور بھی پیٹ بھر لیتا ہے اور ہگ لیتا ہے، تمہارے ایکسپورٹ سے اس جانور کا ایکسپورٹ بھی زیادہ ہے، تمہارے امپورٹ سے اس کا امپورٹ بھی زیادہ ہے۔ کھانے پینے کا نام زندگی نہیں ہے۔ کھاپی کر مالک پر فدا ہونے کا نام زندگی ہے، جس نے کھلایا پلایا اس پر فدا ہوجاؤ یہ اصل زندگی ہے اور ایک عقلی دلیل اللہ نے میرے قلب کو عطا فرمائی کہ اگر حیات نہ ہو تو کیا دنیا میں کوئی مزہ لے سکتا ہے؟ کیا کھانے کا پینے کا شادی بیاہ کا مُردے کو مزہ آسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ حیات جو ہے یہ ذریعۂ حصولِ لذاتِ کائنات ہے۔ تو پھر جو حیات خالقِ حیات اور خالقِ لذاتِ کائنات پر فدا ہوتی ہے تو کیا وہ خالقِ حیات اس حیات کو لذّتِ حیات نہ عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ساری لذاتِ کائنات کا

حاصل اور جوس پلا دیتے ہیں ورنہ اگر یہ نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ ان کو نعم البدل اور عظیم الشان نعمت نہ عطا فرماتے تو اولیاء اللہ فروخت ہو جاتے لیکن جن کے دل اللہ کی محبت سے بریاں ہیں وہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں بکتے۔ یہی دلیل ہے کہ ان کے قلب کو کوئی ایسی بڑی نعمت حاصل ہے جس سے تمام نعمائے کائنات ان کی نگاہوں میں بے قدر ہو گئیں۔ یہ اللہ کی محبت کا انعام ہے اسی لیے مولانا نے ایسے دلوں کو مبارک باد دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا جلا بھنا دل کیسے نصیب ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنی حیات کو خُدا تعالیٰ پر فدا کر رہے ہیں جب ہماری حیات ان اللہ والوں کی حیات کے ساتھ گزرے گی جو اللہ پر ہر وقت فدا ہو رہے ہیں تو ہم کو آپ کے فدا کاری کی ادا کاری نصیب ہو جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ پر فدا ہونا آجائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ لاتا ہے۔ جب ایک بے جان چیز میں یہ اثر ہے کہ اس کی صحبت دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے تو کیا اللہ والوں کی صحبت میں یہ اثر نہ ہو گا کہ بے وفا، وفادار ہو جائیں اور محروم جانیں اللہ کی محبت کے درد سے آشنا ہو جائیں۔ امام غزالی رحمۃُ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اِنَّ الطَّبَائِعَ تَسۡرِقُ مِنۡ طِبَاعٍ اُخۡرٰی یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طبیعتوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے اخلاق کو چراتی ہیں جیسی صحبت ہو گی ویسا ہی اس کا اثر ہوتا ہے۔ ایک بے نمازی نمازیوں کی صحبت میں رہ کر نمازی بن جاتا ہے اسی طرح اس کا عکس ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے، اللہ اپنا دردِ محبت ہم سب کو نصیب فرمادے اور مرنے والی اور فنا ہونے والی حسین لاشوں کے ڈسٹمپر اور رنگ و روغن سے ہمارے قلب و جان کو پاک فرما کر اپنی محبت ہم سب کو نصیب فرمادے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ

* * *

مجلسِ درسِ مثنوی

۲۱؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۰؍ جنوری ۱۹۹۸؁ء بروز منگل

مسجد اشرف در احاطہ خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی

بگزراں از جانِ ما سوءَ القضا
وامبر ما را زِ اخوانُ الصَّفا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں اے خُدا! جتنے آپ کے فیصلے ہمارے لیے نقصان دہ اور مضر ہیں ان کو مُفید فیصلوں سے تبدیل فرمادیجیے، اے خُدا! اگر میری نالائقیوں کی وجہ سے آپ نے مجھے جہنمی لکھاہوا ہے تو اس فیصلے کو کاٹ کر آپ مجھے جنتی لکھ دیجیے۔ یہ مطلب ہے اس کا یعنی آپ کا فیصلہ آپ پر حکومت نہیں کر سکتا آپ کی قضا اور آپ کا فیصلہ آپ پر حاکم نہیں ہے آپ کا محکوم ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو سکھایا کہ اللہ تعالیٰ سے فیصلے بدلوالو، تقدیریں بدلوالو۔ تقدیر مخلوق نہیں بدل سکتی مگر خالق اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے۔ بس اللہ ہی سے فریاد کرو کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَاۗءِ وَدَرْکِ الشَّقَاۗءِ وَسُوْۗءِ الْقَضَاۗءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَاۗءِ[۱۲۰]

اس حدیثِ پاک میں سوئے قضا سے پناہ مانگی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! اگر میری تقدیر میں کوئی شقاوت، بدبختی اور سوئے قضا یعنی وہ فیصلے جو میرے حق میں بُرے ہیں لکھ دیے گئے ہیں تو آپ ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرمادیجیے۔ شقاوت کو سعادت اور سوئے قضا کو حُسنِ قضا سے تبدیل فرمادیجیے۔ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی

---

[۱۲۰] صحیح البخاری: ۲/۹۷۹ (۶۶۵۸)، باب من تعوذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء، المکتبۃ المظھریۃ

طرف نہیں مُقضی کی طرف ہے یعنی بُرائی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں ہے کیوں کہ حق تعالیٰ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہو سکتا لیکن جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کے حق میں بُرا ہے جیسے جج کسی مجرم کو پھانسی کی سزا دیتا ہے تو جج کا فیصلہ بُرا نہیں، یہاں بُرائی کی نسبت جج کی طرف نہیں کی جائے گی کیوں کہ اس نے تو انصاف کیا ہے لیکن جس مجرم کے خلاف یہ فیصلہ ہوا ہے اس کے حق میں بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، وہ خالقِ خیر و شر ہے جس طرح تخلیقِ خیر حکمت سے خالی نہیں اسی طرح تخلیقِ شر بھی حکمت سے خالی نہیں مثلاً ظلمت سے نور کی، کُفر سے ایمان کی معرفت ہوتی ہے وغیرہ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی طرف سوء کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

کُفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است
چوں بما نسبت کُنی کُفر آفت است

کُفر کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی عینِ حکمت ہے لیکن جب کُفر کی نسبت بندہ کی طرف ہوتی ہے اور بندہ اس کو اختیار کرتا ہے تو کُفر اس کے لیے آفت و بدنصیبی و شقاوت ہے۔ معلوم ہوا کہ جزاوسزا کسب پر ہے جو ایمان کو کسب کرتا ہے اچھی جزا پاتا ہے اور جو کُفر کا مرتکب ہوتا ہے سزا پاتا ہے۔ اس کی مثال میرے شیخ شاہ ابرارُالحق صاحب دامت برکاتہم نے عجیب دی کہ جیسے حکومت نے بجلی بنائی اور بتادیا کہ فلاں فلاں سوئچ کو دبانا لیکن فلاں سوئچ کو نہ دبانا۔ پھر اگر کوئی ممنوعہ سوئچ کو دباتا ہے تو پکڑا جاتا ہے کہ تم نے وہ سوئچ دبایا کیوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ خالقِ خیر و شر ہیں اور حکم دے دیا کہ خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو پھر اگر کوئی شر اختیار کرتا ہے تو اسی پر مؤاخذہ اور پکڑ ہے کہ جب ہم نے منع کر دیا تھا تو تم نے اسے کیوں اختیار کیا۔ اسی کو حضرت حکیم الامّت رحمۃُ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے۔

اور حدیثِ پاک میں سوئے قضا سے پناہ کی درخواست سے معلوم ہوا کہ اگر سوئے قضا کا حسنِ قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا یا منشائے الٰہی کے خلاف ہوتا تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کو یہ دُعا نہ سکھاتے۔ آپ کا سوئے قضا سے پناہ مانگنا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سوئے قضا کو حسنِ قضا سے مبدّل فرمادیتے ہیں اور یہ درخواست عینِ منشائے الٰہی کے مطابق ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کو کوئی نہیں بدل سکتا تو اس کے معنٰی یہ ہیں کہ مخلوق نہیں بدل سکتی، اللہ اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے۔ اللہ کے فیصلوں کو اللہ پر بالادستی حاصل نہیں، اللہ کو اپنے فیصلوں پر بالادستی حاصل ہے اسی کو مولانا رومی نے فرمایا کہ اے اللہ! قضا آپ کی محکوم ہے آپ پر حاکم نہیں لہٰذا سوئے قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرمادیجیے۔ اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا کہ قیامت کے دن میری حیثیت قاضی اور جج کی نہیں ہوگی کہ وہ تو قانون مملکت کے پابند ہوتے ہیں، قانون کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، کسی مجرم کو قانونِ کے خلاف رہا نہیں کرسکتے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں مالک ہوں قیامت کے دن کا میں قاضی اور جج کی طرح پابندِ قانون نہ ہوں گا۔ جو گناہ گار قانون کی رو سے جہنم کا مستحق ہوگا تو میں قانون سے مجبور نہ ہوں گا کہ اسے جہنم ہی میں ڈال دوں، جس کو چاہوں گا اپنے مراحم خسروانہ سے، اپنی رحمتِ شاہانہ سے بخش دوں گا۔ مثنوی رومی درحقیقت قرآنِ پاک و حدیثِ پاک کا درسِ عاشقانہ ہے جیسا کہ مولانا کا یہ مصرع حدیثِ پاک کی مذکورہ دُعا سے مقتبس ہے۔

دوسرے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں۔

وامبر مارازِ اخوانُ الصَّفا

سوئے قضا سے پناہ مانگ کر مولانا بارگاہِ حق میں فریاد کررہے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو اپنے عبادِ صالحین مقبولین سے خارج نہ فرمائیے کہ جو ان سے قلباً اور اعتقاداً الگ ہوا اس کو میدانِ محشر میں وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ[۱۲۱] کا خطاب سُننا پڑے گا اور اس خطاب کے بعد مجرمین کو صالحین سے الگ صف بنانی پڑے گی العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمادیں۔ سوئے قضا سے حفاظت کی دُعا کے بعد مولانا بُعْد عَنِ الصّٰلِحِيْنَ سے پناہ کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس لیے کہ نیک بندوں کی رفاقت ومعیت اور

---

[۱۲۱] یٰسٓ: ۵۹

ان سے اللہ کے لیے محبت سوئے قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ ان کی رفاقت فی الدنیا رفاقت فی الجنۃ میں ان شاء اللہ تعالیٰ! تبدیل ہو جائے گی۔ اس کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ! دلائل سے ثابت کروں گا۔ بخاری شریف کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ بِھِنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ** کہ تین باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ ان کے سبب ایمان کی حلاوتِ پالے گا۔ ان تین باتوں میں ایک یہ ہے **مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ**[۱۲۲] جو شخص کسی بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اسے حلاوت ایمانی عطا ہو گی اور حضرت ملّا علی قاری رحمۃُ اللہ علیہ مرقاہ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں **وَ قَدْ وَرَدَ اَنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَا تَخْرُجُ مِنْہُ اَبَدًا** اور وارد ہے کہ حلاوتِ ایمان جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی اس قلب سے نہیں نکلتی **فَفِیْہِ اِشَارَۃٌ اِلٰی بَشَارَۃِ حُسْنِ الْخَاتِمَۃِ لَہٗ**[۱۲۳] اور اس میں اشارہ ہے حسنِ خاتمہ کی بشارت کا کیوں کہ جب ایمان دل سے کبھی نہیں نکلے گا تو خاتمہ ایمان پر ہو گا اور حُسنِ خاتمہ جنت کی ضمانت ہے۔

اب اگر کوئی اشکال کرے کہ اس حدیث میں حُسنِ خاتمہ اور دخولِ جنت کی بشارت ہے لیکن اہل اللہ کی رفاقت و معیت فی الجنۃ کا تو ثبوت نہیں تو بُخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جو آدمی کسی قوم سے (یعنی عُلماء و صلحاء) سے محبت رکھتا ہے لیکن اعمالِ نافلہ اور مُجاہداتِ شاقّہ میں ان کا ساتھ نہ دے سکا تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ** آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ **اَیْ یُحْشَرُ مَعَ مَحْبُوْبِہٖ وَیَکُوْنُ رَفِیْقًا لِمَطْلُوْبِہٖ**[۱۲۴] **کَمَا قَالَ تَعَالٰی:**

---

[۱۲۲] صحیح البخاری:۱/۷،(۱۶)،باب حلاوۃ الایمان،المکتبۃ المظھریۃ

[۱۲۳] مرقاۃ المفاتیح:۱/۴۷،کتاب الایمان،المکتبۃ الامدادیۃ،ملتان

[۱۲۴] مرقاۃ المفاتیح:۹/۲۱۳،(۵۰۸)،باب الحب فی اللہ ومن اللہ،دار الکتب العلمیۃ،بیروت

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا[۱۲۵]

یعنی محبت کی یہ عظیم الشان کرامت ہے کہ اس محبّت کی برکت سے اس مُحبّت کا حشر اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا اور اسی کا رفیق ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا وہ ان ہی کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء وصدّیقین اور شہداء وصالحین کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں علّامہ آلوسی نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے میری جان سے زیادہ اور میری اولاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کا دیدار کرلیتا ہوں لیکن آخرت میں آپ انبیاء علیہمُ السلام کے ساتھ اعلیٰ درجہ میں ہوں گے اور ہم جنّت میں ادنیٰ درجہ میں ہوں گے تو آپ کو کیسے پائیں گے اور کیسے آپ کا دیدار کریں گے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوگئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ[۱۲۶]

اور تفسیرِ خازن میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تونے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے تیاری تو کچھ نہیں کی اِلَّآ اَنِّیۡۤ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ مگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

---

[۱۲۵] النساء:۶۹

[۱۲۶] روح المعانی:۵/۵۵، النساء، (۶۹)، دار إحیاء التراث، بیروت

اس ارشاد سے ہوئی۔[۱۲۷] مُفسرین و محدثین نے ان آیات و احادیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معیت سے مُراد یہ نہیں کہ سب ایک درجہ میں جمع ہو جائیں گے بلکہ مراد یہ کہ ہر شخص کے لیے ایک دوسرے کی ملاقات و دیدار ہر وقت ممکن ہو گا۔ اعلیٰ درجہ والے جنتی ادنیٰ درجہ والے جنتیوں کے پاس آسکیں گے اور ادنیٰ درجہ والے اعلیٰ درجہ والوں کے پاس جاسکیں گے۔

میرے بزرگوں کی کرامت اور ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے اس شعر کی عجیب و غریب اور کتنی مدلل شرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے کرادی کہ اگر مولانا رومی بھی سُنتے تو میرا گمان ہے کہ وجد میں آجاتے اور مجھے سینے سے لگالیتے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ جنت میں مولانا مجھے سینے سے لگالیں۔ اللہ تعالیٰ مُعاف فرمادیں اور جنت میں دخولِ اولیں ہم سب کو نصیب فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ رمضانُ المبارک کے صدقے میں ہم سب کو ولی اللہ بنادے اور اپنے دوستوں کی صورت بھی دے دے اور دوستوں کی سیرت بھی دے دے اور اپنے اولیاء کے اخلاق بھی عطا فرمائے اور ہم سب کی اصلاح فرمادے۔ اے اللہ! ایسا ایمان و یقین عطا فرما کہ زندگی کی ہر سانس آپ پر فِدا ہو، ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کرکے حرام لذتوں کو امپورٹ نہ کریں، استیراد نہ کریں، درآمد نہ کریں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

شد صفیرِ بازِ جاں دَر مرجِ دیں
نعرہ ہائے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ[۱۲۸] اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں نازل فرمایا کہ ہم فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جو باز ہر وقت بادشاہ کی کلائی پر رہتا ہے تو اس قُربِ شاہی کے سبب بادشاہ کے فیضانِ نظر سے

---

[۱۲۷] تفسیر الخازن: ۱/۵۵۸، النساء، (۶۹)، دار الفکر، بیروت

[۱۲۸] الانعام: ۷۶

اس کا حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ وہ جنگل میں بجز شیر نر کے کسی اور جانور کا شکار کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے۔ اس کے بر عکس کرگس یعنی گدھ کی غذا مُردار لاشیں ہیں۔ شیر تو بڑی چیز ہے گدھ تو کسی زندہ جانور کے شکار کا حوصلہ بھی نہیں رکھتا۔ آپ جنگل میں دیکھیں گے کہ جہاں کہیں مُردہ بھینس یا گائے پڑی ہو گی وہاں گدھ ہی گدھ نظر آئیں گے اور بازِ شاہی صرف زندہ شیر کا شکار کرتا ہے۔ احقر کا شعر ہے؎

می نگیرد بازِ شہ جز شیرِ نر
کرگساں بر مردگاں بکشادہ پر

بازِ شاہی سوائے شیر نر کے کسی جانور کا شکار نہیں کرتا اور گدھ پَر پھیلائے ہوئے مُردہ لاشوں سے چپٹے ہوئے ہیں۔ مُردہ سڑی ہوئی لاش ان کو پلاؤ قورمہ معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح جو دنیائے فانی کے عاشق ہیں ان کا حوصلہ اتنا پست اور ذلیل ہو جاتا ہے کہ دنیائے مُردار اور فنا ہونے والی صورتیں ان کو نہایت مہتم بالشان نظر آتی ہیں اور کرگسوں کی طرح مُردہ لاشوں سے لذّت کشی ان کا شعار اور مقصدِ حیات بن جاتا ہے۔ مولانا اس شعر میں فرماتے ہیں کہ جو بندہ مقرب باللہ ہو جاتا ہے اس کی روح جو شہبازِ معنوی ہے دین کی شکار گاہ میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کا نعرہ بُلند کرتی ہے اور بجز اللہ کے کسی ماسویٰ کی طرف رُخ نہیں کرتی اور بجز رضائے الٰہی کے کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتی۔ اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ذرا سی حسین شکل سامنے آگئی تو یہ اللہ کو چھوڑ کر اس فانی صورت پر مرنے لگے۔ مؤمن طبیعت کا غُلام نہیں ہوتا۔ اس کے بر عکس کافر اور مؤمن فاسق طبیعت کے غُلام ہوتے ہیں، جو شکل اچھی لگی اس پر فِدا ہونے لگے اور جب وہی شکل بگڑ گئی سب کھیل ختم ہو گیا۔ حُسن کے شامیانے اُجڑ گئے تو یہ عاشق صاحب بھی بگڑ گئے اور جس پر مر رہے تھے اس سے بچھڑ گئے اور ایسے بھاگے جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے۔

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ[۱۲۹]

---

[۱۳] المدثر:۵۰

آہ! پھر کیا فرق ہُوا مؤمن میں اور کافر میں۔ حُسن بگڑنے کے بعد تو کافر بھی بھاگتا ہے اگر اس وقت مؤمن گناہ گار بھی بھاگا تو کیا کمال کیا کیوں کہ نفس کے کہنے سے اس کا قرار تھا نفس کے کہنے سے فرار ہوا۔ مؤمنِ کامل صاحبِ نسبت اور ولی اللہ کی شان یہ ہے کہ عین عالمِ شبابِ حُسن میں وہ اللہ کے خوف سے نظر بچاتا ہے، اس کا نفس بھی کہتا ہے کہ ایک نظر دیکھ لوں لیکن اللہ کے خوف سے وہاں سے بھاگتا ہے۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰہِ[130] پر عمل کرتا ہے اس کا فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰہِ لوجہ اللہ ہے اس لیے یہ عارف باللہ ہے اور جو نفس کے کہنے سے حُسن پر فدا ہوا اور نفس کے کہنے سے بگڑے ہوئے حسن سے بھاگا یہ باگڑ بِلّا تو ہو سکتا ہے عارف باللہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا فرار باگڑ بِلّا کا فرار ہے عارف باللہ کا فرار نہیں۔ عارف باللہ کا فرار اور ہے باگڑ بِلّا کا فرار اور ہے۔ طبیعت و نفس کے حکم سے بھاگنا اور ہے اور اللہ کے حکم سے بھاگنا اور ہے۔

جب میرا پہلا سفر ری یونین کا ہوا تھا جو فرانس کے ماتحت ایک جزیرہ ہے تو ریڈیو فرانس نے اعلان کیا کہ فلاں روز سمندر کے کنارے برہنہ لڑکیاں اور برہنہ لڑکے نہائیں گے۔ بعض مُسلمان نوجوانوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا صاحب! نفس میں بہت لالچ لگ رہی ہے کیا کریں، نفس ادھر کھینچتا ہے اور اللہ کا خوف روکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک مراقبہ چند منٹ کرو کہ یہ لڑکیاں جو کل نہائیں گی سب نوّے سال کی ہو گئیں، گال پچکے ہوئے ہیں، دانت باہر ہیں، چھاتیاں ایک ایک فٹ نیچے لٹکی ہوئی ہیں، سفید بال بڈھے گدھے کی دُم کی طرح جھڑ گئے، رعشہ سے گردنیں ہل رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر ریڈیو فرانس اعلان کرے کہ کل سب نوّے سال کی بُڈھیاں ننگی نہائیں گی تو پھر کیا دیکھنے جاؤ گے۔ لہٰذا جس حُسن پر کل بڑھاپا آنے والا ہے اس سے تم آج ہی بھاگو تو اجر و ثواب اور اللہ کا قُرب ملے گا ورنہ بھاگو گے تو کل بھی لیکن پھر کوئی ثواب نہیں ملے گا، اللہ کی رضا نہیں ملے گی۔ نوجوانوں نے کہا کہ اس مراقبہ سے ہمیں بہت نفع ہُوا۔

یہ تو زندگی کا حال ہے اور مرنے کے بعد جب لاش پھٹ جاتی ہے، کیڑے رینگنے لگتے

---

[130] الذّٰریٰت: ۵۰

ہیں، بدبو کا بھپکا اُٹھتا ہے اس وقت ذرا ان پر مر کر دکھاؤ۔ عراق پر جب بمباری ہوئی تو دس ہزار نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی لاشیں سڑ گئیں تو اخباری رپورٹر بھی وہاں نہ جاسکے اتنی سخت بدبو تھی۔ آہ! کیا ایسی بدبودار چیزوں پر مرنے کے لیے اللہ نے ہمیں زندگی دی ہے، کیا سڑنے والی لاشوں پر مرنے کے لیے اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے؟ آہ!

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ[۱۳۱]

اللہ نے تو ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تھا اور ہم مرنے والوں پر مر رہے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

بہرِ ایں آورد ما یزداں بروں
مَا خَلَقۡتُ الۡاِنۡسَ اِلَّا یَعۡبُدُوۡن

اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح سے اس عالمِ ناسوت میں ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت و عبادت کی راہ سے اللہ کی معرفت حاصل کریں۔

تو مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا کی فانی چیزوں سے دل نہ لگاؤ اور مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ کہو کہ ہم ان مٹنے والی چیزوں سے محبت نہیں کرتے۔ اسی مضمون کو مولانا دیوانِ شمس تبریز میں فرماتے ہیں ؎

خلیل آسا درِ ملکِ یقیں زن
نوائے لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ زن

فرماتے ہیں مثل حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تم بھی مِلکِ یقین میں قدم رکھو یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات یقینی ہے ان کے وعدے یقینی ہیں۔ جو چیزیں نظر آرہی ہیں فانی ہیں، اللہ باقی ہے لٰہذا تم بھی کہو کہ ہم فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

---

[۱۳۱] الذٰریٰت:۵۶

اصلاح کا آسان نسخہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو:

> ”اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں، سخت خبیث ہوں، سخت گناہ گار ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں ہے، آپ ہی قوت دیجیے۔ میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجیے۔ اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کیے ہیں، انہیں آپ اپنی رحمت سے معاف فرمائیے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آیندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا، میں جانتا ہوں کہ آیندہ پھر کروں گا، لیکن پھر معاف کرا لوں گا۔“

غرض اسی طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار، اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو۔ بدپرہیزی بھی مت چھوڑو۔ صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا انتظام ہو جائے گا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی، شان میں بٹہ بھی نہ لگے گا اور دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جائے گا کہ جو آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

* * *

شعبان ۱۴۱۸ھ میں ہندوستان، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ، کینیا، برطانیہ اور امریکا وغیرہ کے کئی علما و دیگر حضرات شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ حضراتِ علماء حضرت والا کے درسِ مثنوی کے مشتاق تھے چناں چہ ان کی خواہش پر باوجود ضعف کے حضرت والا نے وسطِ شعبان سے آخرِ عشرۂ رمضان تک بعد فجر تقریباً روزانہ مثنوی شریف کا درس دیا جو الہامی علوم و معارف کا خزینہ ہونے کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کی آگ بھی لیے ہوئے تھا۔

مثنوی کا یہ درس اپنی نوع کا انوکھا درس تھا کیوں کہ اس میں مثنوی کے اشعار کی جس عاشقانہ انداز میں تشریح کی گئی ہے وہ قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے مؤید ہے۔ یہ صرف مثنوی کے اشعار کی لفظی تشریح نہیں ہے بلکہ اس میں تصوف و سلوک کے مسائل کا قرآنِ پاک و حدیثِ پاک سے استنباط بھی کیا گیا ہے اور سالکین کی باطنی پریشانیوں اور روحانی امراض کا علاج بھی ہے۔ غرض مثنوی کا ہر درس ایک مکمل وعظ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہے جو راہِ سلوک میں پیش آنے والی رکاوٹوں سے نمٹنے کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتا ہے۔

www.khanqah.org

ناشر

کتب خانہ مظہری

[illegible]